جلد نمبر ٤

تفسیر

انوار النجف فی اسرار المصحف

4

علامہ حسین بخش جاڑا

مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

اشاعت سوم - اپریل سنہ ۱۹۸۶ء

حقوق الطبع محفوظۃ

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ص

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ اَہْلَبَیْتِیْ

شیعانِ آلِ محمد خصوصاً واعظین و مبلغین کیلئے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المجلد الرابع من تفسیر (۴)

انوار النجف فی اسرار المصحف

مصنفہ

حضرت حجۃ الاسلام المسلمین استاد العلماء والمجتہدین آیۃ اللہ العلامہ حسین بخش جاڑا مدظلہ العالی بانی باب النجف جاڑا

پرنسپل جامعہ امامیہ کربلا گامے شاہ لاہور

ناشر: مکتبہ انوار النجف دریا خان ضلع بھکر

رجسٹریشن نمبر ۶۴ قیمت: ۸۴ روپے صرف

اسود آفسٹ پریس فیصل آباد

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
پیش لفظ	۴	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	۲۶	رکوع ۷	۶۵
غلط فہمی	۵	ذکر قیامت	۲۹	فرار صحابہ	۶۷
رکوع ۱	۶	رکوع ۳ خیر امت	۳۰	رکوع ۸	۷۲
ذکر کعبہ	۷	نماز تہجد	۳۲	حکم مشورہ	۷۳
مختصر تاریخ کعبہ	۸	رکوع ۴ جنگ احد	۳۶	اخلاق پیغمبرؐ	۷۴
مکان کعبہ	۱۰	شہدائے احد کی فہرست	۴۲	معنی توکل	۷۵
غلاف کعبہ	″	غزوات نبویہ کی فہرست	۴۴	خیانت کا گناہ	۷۶
آیات بینات	″	رکوع ۵ سود کی حرمت	۴۷	درجات کا ذکر	۷۷
زمین کربلا	۱۲	متقین کے اوصاف	۴۹	آزمائش کی مصلحتیں	۷۹
زمین کربلا کی خصوصیات	۱۳	ضبط غصہ درگذر اور احسان	۵۰	شہدائے بیر معونہ	۸۱
تولیت کعبہ	۱۴	گناہ سے توبہ اور ترک اصرار	۵۱	ثواب شہداء	۸۲
زمین مکہ کے خصوصیات	۱۵	بہلول ثابت کا واقعہ	۵۲	رکوع ۹ حمراء الاسد	۸۳
ولادت علیؑ در کعبہ	۱۶	واقعہ احد کا بیان	۵۴	مسئلہ علم غیب	۸۷
کعبہ جائے امن ہے	۱۷	مداولت ایام	۵۶	مانع زکوٰۃ کا عذاب	۹۰
مسائل حج	۱۸	دخول جنت کا معیار	۵۷	رکوع ۱۰	۹۱
خصوصیات حج	۲۱	رکوع ۶ جنگ احد	۵۸	کسی کے گناہ پر راضی ہونا	۹۲
رکوع ۲	۲۲	دلیل ماتم	۶۰	رکوع ۱۱ توحید	۹۵
بیان تقویٰ	″	نکتۂ علمیہ	۶۱	دلیل بر وجود خدا	۹۶
حبل اللہ کا بیان	۲۴	جنگ احد میں حضرت علیؑ	۶۲	تفسیر سورۂ نساء	۱۰۳
تفرقۂ امت	۲۶	حضرت علیؑ کا امتیاز	۶۳	رکوع ۱۲ اتقوا	۱۰۴

مضمون	صفحہ
حضرت حوّا کی پیدائش	۱۰۵
سلسلۂ اولادِ آدم	۱۰۶
دردِ شکم کا علاج (لطیفہ)	۱۱۱
تعددِ ازدواج پر وارد شدہ اعتراضات اور انکے جواب	۱۱۲
فعلِ رسول پر اعتراض	۱۱۵
بے عقل پہ کنٹرول	۱۱۸
یتیم کے مال کی حفاظت	۱۲۰
رکوع ۱۳ قانونِ وراثت	۱۲۲
طبقۂ اولیٰ کی وراثت	۱۲۴
پوتے یا نواسے کی وراثت	۱۲۷
زوج و زوجہ کی وراثت	۱۳۱
طبقاتِ وراثت	۱۳۵
وراثت کے طریقے	۱۳۷
عول کا بطلان	۱۳۸
طبقۂ ثانیہ کی وراثت	۱۴۰
طبقۂ ثالثہ کی وراثت	۱۴۲
وراثت از روئے عقل	۱۴۳
خاتونِ جنت کا مقدمۂ وراثت	۱۴۵
رکوع ۱۴	۱۴۹
ذکرِ توبہ	۱۵۰
رکوع ۱۵ محرماتِ ابدیہ	۱۵۳
رضاعی محرمات	۱۵۵
رضاع کے شرائط	۱۵۶
پارہ ۵	۱۵۹
رکوع ۱ نکاحِ متعہ	۱۶۰

مضمون	صفحہ
رکوع ۲	۱۶۶
گناہانِ کبیرہ	۱۶۷
رکوع ۳	۱۷۰
مردوں کی حکومت پر ایک نظر	۱۷۲
نبیؐ و علیؑ امت کے باپ ہیں	۱۷۳
رکوع ۴	۱۷۵
تیمم کا بیان	۱۷۷
مغفرت	۱۸۰
رکوع ۵	۱۸۲
آلِ محمد محسود ہیں	۱۸۳
ادائے امانت	۱۸۵
اولوالامر کی تشخیص	۱۸۶
اولوالامر کا معیار	۱۹۱
رکوع ۶ وجوبِ تقلید	۱۹۹
معیارِ ایمان	۲۰۱
اطاعت گذاروں کا درجہ	۲۰۳
خلقتِ نوری	۲۰۴
رکوع ۷	۲۰۶
رکوع ۸	۲۰۸
قرآن میں تدبر کی دعوت	۲۱۱
سلام اور جوابِ سلام	۲۱۵
رکوع ۹	۲۱۸
رواداری	۲۲۰
دورنگی سے ممانعت	۲۲۱
رکوع ۱۰ قتلِ خطا کا کفارہ	۲۲۲

مضمون	صفحہ
رکوع ۱۱ ہجرت کا حکم	۲۲۶
رکوع ۱۲ نمازِ قصر	۲۲۹
شرائطِ قصر	۲۳۰
نمازِ خوف کا بیان	۲۳۵
رکوع ۱۳	۲۳۸
رکوع ۱۴	۲۴۲
رکوع ۱۵	۲۴۴
بت پرستی	۲۴۵
خلتِ ابراہیم	۲۴۸
رکوع ۱۶	۲۵۰
عورتوں کے حقوق	۲۵۱
رکوع ۱۷ حق کی گواہی	۲۵۵
ذکرِ منافقین	۲۵۶
رکوع ۱۸	۲۵۹
پارہ ۶	۲۶۲
رکوع ۱ غیبت سے ممانعت	۲۶۳
تفہیم و تلقین	۲۶۴
رکوع ۲	۲۶۵
حیاتِ مسیح	۲۶۷
رکوع ۳	۲۷۰
انبیاء کا ذکر	۲۷۰
علی اور حق	۲۷۱
رکوع ۴	۲۷۳
نور و برہان	۲۷۵

پیش لفظ

دورِ حاضر جس میں لادینی کا متلاطم سیلاب اپنی ہمہ گیر موجوں میں ہر خشک و تر کو بہائے لے جا رہا ہے جس میں مدعیانِ اسلام کے لئے قوانینِ اسلام بارِ خاطر ہو گئے ہیں اور قرآن کا پرسانِ حال کوئی نہیں رہا۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ اس دور میں تفسیرِ قرآن سے دلچسپی رکھنے والے فرزندانِ اسلام کا زبردست قحط ہے۔ قرآنی آیات کے ترجمہ پر نظر کرنے سے لوگ ایک لغو ناول کی کتاب کے مطالعہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ قرآن پڑھنے اور سننے کی بجائے گانا گانے اور سننے کی طرف زیادہ مائل ہیں اور بالخصوص وہ لوگ جو اپنے تئیں پکا مسلمان اور مومن کہلانے میں پیش پیش ہیں۔ مرد تو بجائے خود مستورات کے رجحانات بھی ان سے کسی طرح کم نہیں۔ صبح سویرے قرآن کی جگہ گھروں سے ریڈیائی گانوں کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔

ہم اگر پیسہ جمع کرنے کی خاطر تفسیر قرآن لکھتے تو یقیناً ہمارا یہ اقدام اس دور میں محلِ تمسخر ہوتا لیکن چونکہ سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایک ٹھوس دینی خدمت مطمحِ نظر تھی اس لئے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا۔ کاش محمدؐ و آلِ محمدؐ سے وِلا رکھنے والے علومِ قرآنیہ سے وابستگی رکھتے تو ہم سالوں کا کام مہینوں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں کرنے کے اہل ہو جاتے۔ جب سے ہم نے قرآن کی تفسیر کا کام شروع کیا ہے بعض حاسدین کی نظروں میں دنیا تاریک ہو گئی ہے ہر وقت اُن کے سینہ پر کینہ پر سانپ و بچھو لوٹ رہے ہیں۔ وہ تفسیر کے نقصائص تلاش کرتے پھرتے ہیں تاکہ عوام اس کی خریداری سے باز آجائیں۔ ہمیں اس کی پرواہ نہیں کیونکہ ہمیشہ سے اہلِ فضل کے خلاف جاہل شور مچاتے رہے ہیں لیکن بالآخر اللہ والوں کی فتح ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ دینِ مبین کی حفاظت اور نصرت کے لئے ہر دور میں ایسے مخلص افراد بھی معرضِ ظہور میں آتے رہتے ہیں جو اپنے آہنی ارادوں کی بنا پر باطل کی چٹانوں سے ٹکراتے اور بالآخر ان کو پاش پاش کر دیتے ہیں۔

تفسیر چودہ جلدوں میں مکمل چھپ چکی ہے اور یہ جلد چہارم کا دوسرا ایڈیشن ہے جو پیشِ خدمت ہے خداوند کریم کا جس قدر شکر کروں کم ہے جس نے مجھے تفسیر قرآن کے اتمام کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اے اللہ! میری اس کاوش کا ثواب بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ آلہ الطاہرین میرے والدین کی رُوح کو عطا فرما جن کی محنتوں اور دعاؤں سے مجھے یہ شرف عطا ہوا ہے اور قارئین کرام سے بھی اپنے والدین کے لئے فاتحہ کی استدعا کرتا ہوں۔ والسلام

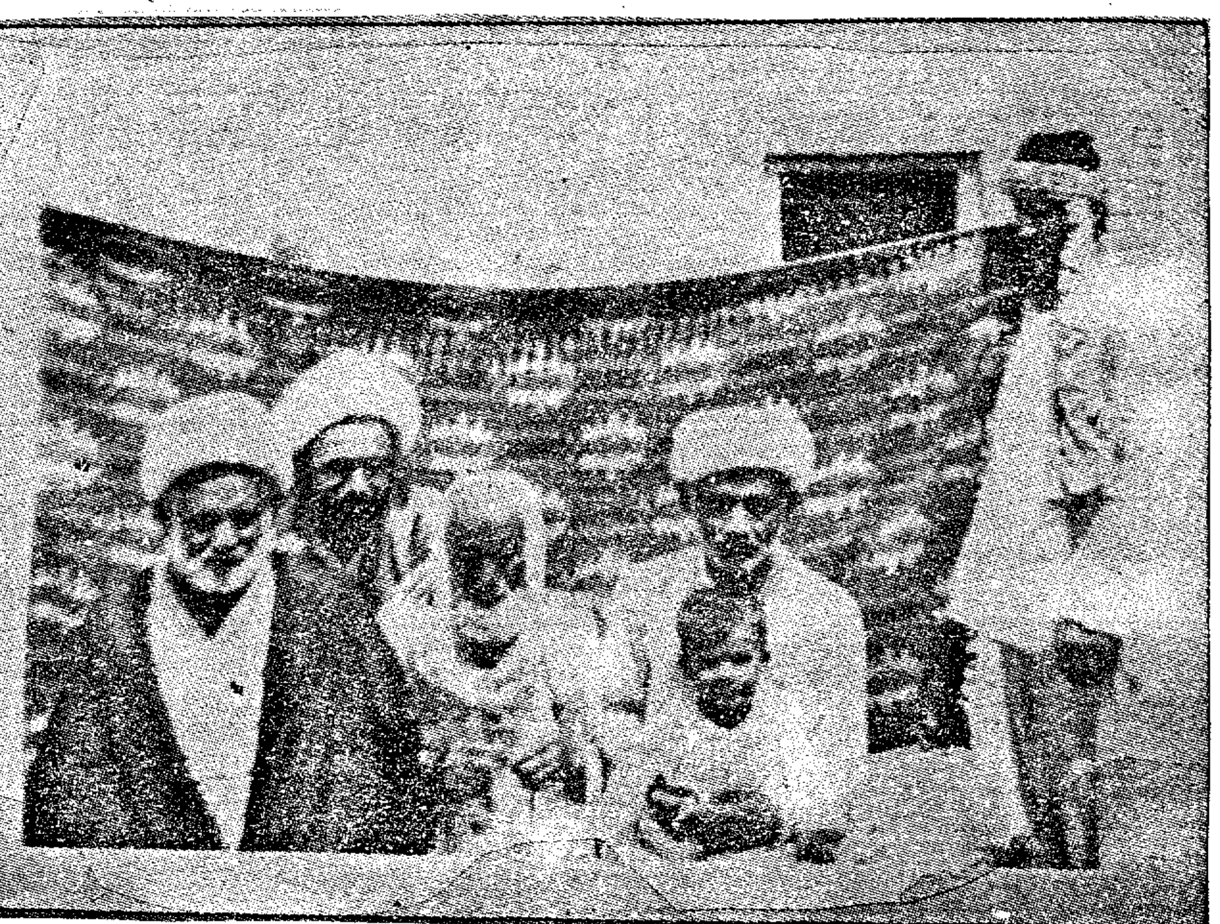

دائیں سے بائیں: ۱۔ حضرت علامہ حسین بخش صاحب مدظلہ دریا خان ضلع میانوالی ۲۔ مولانا کاظم حسین صاحب
نجفی پرنسپل جامعہ حسینیہ جھنگ صدر ۳۔ حضرت الحاج ملک اللہ بخش صاحب جاڑا مرحوم طاب ثراہ
۴۔ مولانا مشتاق احمد صاحب ابنِ الحاج ملک اللہ بخش مرحوم

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ

ہرگز نہ پاؤگے نیکی یہاں تک کہ خرچ کرو ایسی چیزوں سے جو تمہیں پیاری ہیں اور جو بھی خرچ کرو کوئی چیز

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ

تحقیق اسے خدا جاننے والا ہے ہر غذا حلال تھی اولاد یعقوبؑ پر

اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآءِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰٮةُ ؕ

مگر وہ جو حرام کی یعقوبؑ نے اپنی ذات پر قبل اُترنے تورات کے فرما دیجئے

قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰٮةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ

لائیے تورات پس اسے پڑھیے اگر تم سچے ہو پس جو

افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ

افترا باندھے خدا پر جھوٹا اس کے بعد تو وہی ہیں

الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹۴﴾ قُلۡ صَدَقَ اللّٰهُ ۚ فَاتَّبِعُوۡا مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ

ظالم فرما دیجئے سچ فرمایا اللہ نے پس پیروی کرو ملتِ ابراہیمؑ کی جو حنیف تھے

وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۵﴾

اور مشرک نہ تھے

رکوع ۱

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ - مجمع البیان اور صافی میں مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک کپڑا خریدا اور آپ کو بہت پسند آیا پس اسے صدقہ کر دیا اور فرمایا کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر دوسرے کو ترجیح دے تو خدا اسے بروزِ محشر بہشت کرامت فرمائے گا اور جو اپنی پسندیدہ شئے راہ خدا میں دے دے تو خدا فرمائے گا کہ بندے بندوں کو نیکی کا بدلہ نیکی سے دیا کرتے ہیں اور میں اس کا بدلہ جنّت دیتا ہوں۔

كُلُّ الطَّعَامِ - یہودیوں نے اعتراض کیا تھا کہ آپ ملتِ ابراہیمؑ پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کے گوشت کو بھی حلال

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾

تحقیق پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کے لئے وہی ہے جو مکہ میں ہے موجب برکت و ہدایت ہے تمام جہان والوں کے لئے

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى

اس میں نشانیاں واضح ہیں مقام ابراہیم اور جو بھی اس میں داخل ہوا وہ با امن ہوا اور اللہ کے لئے

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ

لوگوں پر حج بیت اللہ واجب ہے جو طاقت رکھتا ہو اس تک رستے کی اور جو انکار کرے تو اللہ بے نیاز ہے

جانتے ہیں حالانکہ اونٹ حرام ہے پس اس کے جواب میں ارشاد فرما رہا ہے کہ یہ لوگ غلط کہتے ہیں۔ تمام کھانے کی چیزیں بنی اسرائیل پر پہلے سے حلال تھیں اونٹ کا گوشت بھی حلال تھا۔ ہاں البتہ حضرت یعقوبؑ نے اس کو اپنی ذات پر حرام قرار دیا تھا اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مطلق حرام ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو درد کمر یا عرق النساء کا درد لاحق ہوا تو انہوں نے منت مانی کہ اگر تندرست ہو جاؤں تو اپنی محبوب ترین غذا یعنی اُونٹ کا گوشت اور دودھ رضائے خدا کے لئے ترک کر دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا پس یہودیوں نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اس سے پرہیز کیا اور پھر یہ کہنا شروع کر دیا کہ تورات کا حکم یہی ہے کہ اُونٹ کا گوشت حرام ہے حالانکہ یہ ان کا محض افترا تھا جس کو خدا بیان فرما رہا ہے اور احتجاج کے طور پر فرمایا ہے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ذرا تورات کو لا کر پڑھیے اور دکھائیے کہاں لکھا ہے کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے۔

ذکرِ کعبہ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ :- ظاہراً یہود کے ایک شبہ کا جواب ہے کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ ملتِ ابراہیمی کی پیروی اور تحویل قبلہ دونوں یک جا جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ بیت المقدس پرانے زمانہ سے قبلہ ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے لئے بھی قبلہ یہی تھا لہٰذا اس سے روگردانی ملتِ ابراہیمی کے منسوخ کرنے کے مترادف ہے پس خداوند کریم ان کے جواب میں ارشاد فرما رہا ہے کہ بیت المقدس کے مقدم ہونے کا دعویٰ وہ غلط کرتے ہیں بلکہ سب سے پہلے جس مقام کو لوگوں کے لئے عبادت گاہ بنایا گیا وہ وہی جگہ ہے جو مکہ میں ہے یعنی کعبہ اور اس کو بلاشک حضرت ابراہیمؑ نے ہی تعمیر کیا تھا اور اس کے شواہد و علامات اب تک موجود ہیں مثلاً مقام ابراہیمؑ اور اس کا جائے امن ہونا اور اس کی حج کا لوگوں پر وجوب۔ پس یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ بیت المقدس قدیمی قبلہ ہے اور یہ نیا۔

وجہ تسمیہ :- کہتے ہیں کہ بَكَّه بَكَّ يَبُكُّ کے باب سے ہے اور بَكٌّ کا معنی ہے اژدہام اور ہجوم کی وجہ سے اس کا نام بکّہ ہو گیا اور حضرت صادق علیہ السلام سے بروایت علل ایسا ہی منقول ہے اور وہ جگہ کعبہ کے اردگرد طواف کرنے کا مقام ہے یا یہ کہ بَكٌّ کا معنی گردن مروڑنا اور یہاں چونکہ سرکشوں اور متکبروں کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور ان کو سرکشی کی مہلت نہیں دی جاتی اس لئے

اس کو بکّہ کہا گیا اسی طرح مکّہ کے متعلق کہا گیا ہے کہ اس کی اصل بکّہ ہے اور با کو میم سے تبدیل کر لیا گیا ہے جس طرح لازبٌ اور لازمٌ کی دو لفظیں ہم معنی ہیں یا یہ کہ مکٌّ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے چوسنا پس پانی کی نایابی اور قلت کی وجہ سے اس کو مکّہ کہا گیا ہے اور حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام سے مروی ہے کہ کعبہ کی جگہ کا نام بکّہ ہے اور شہر کا نام مکّہ ہے۔

هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ - کعبہ کی ہدایت دینی و دنیاوی ہر دو طرح کی ہے عبادات و مناسکِ حج کی ادائیگی فروتنی و انکساری اور خدا ترسی دارِ آخرت کی تعمیر سے متعلق ہیں اور عالمی اجتماع یکجہتی و یگانگت کا عمومی مظاہرہ اور اتفاق و اتحاد کا عملی درس تمدن و معاشرت کی اصلاح سے وابستہ ہیں۔

مختصر تاریخ کعبہ

تفسیر صافی میں بروایت فقیہ و عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خداوند کریم نے زمین کو خلق فرمانے کا ارادہ کیا تو ہواؤں کو پانی میں موج پیدا کرنے کا حکم دیا چنانچہ اس کی موجوں سے جھاگ پیدا ہوئی پس وہ بیت اللہ کے مقام پر یکجا ہوئی اور ایک جھاگ کا پہاڑ بن گیا پھر خدا نے اس کے نیچے سے زمین کو بچھا دیا۔ بروایت فقیہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا تمام زمینوں سے پہلے پیدا کیا گیا اور اسی سے باقی زمین کو بڑھایا گیا۔ (اقول مکّہ کو ام القریٰ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے) مجمع البیان میں ہے کہ کعبہ کی زمین کا ٹکڑا باقی زمین سے دو ہزار سال قبل خلق ہوا اور یہ پانی کے اوپر ایک سفید جھاگ کی مانند تھا اور بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مقامِ کعبہ باقی زمین سے بلند تھا اور چاند و سورج کی طرح چمکتا تھا پس جب حضرت آدمؑ کو اُتارا گیا اور اطراف کی تمام زمین کو بلند کر کے اس کو دکھایا گیا اور ارشادِ قدرت ہوا کہ یہ سب زمین تیری ملکیت ہے تو حضرت آدمؑ نے عرض کی اے پروردگار! یہ سفید و چمکدار زمین کونسی ہے تو ارشاد ہُوا کہ یہ میری زمین میں میرا حرم ہے اور تیرے اُوپر تا زیست روزمرہ اس کے سات سو (...) طواف واجب ہیں پس جب ہابیل کو قابیل نے قتل کیا تو اس سے وہ نورانیت ختم ہو گئی اور اس کی سفیدی کی جگہ سیاہی نے لے لی اور نیز آپ سے مروی ہے کہ حضرت آدمؑ کے لئے خدا نے موتی کی شکل میں کعبہ کو جنّت سے اُتارا تھا اس کے بعد اس کو اُٹھا لیا چنانچہ اس کی بنیاد باقی رہ گئی اور وہ اس کعبہ کی سیدھ میں ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پس حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل کو انہی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کا حکم ہُوا۔

جس وقت کعبہ کی تعمیر کا حکم ہُوا اس وقت وہاں صرف حضرت اسمٰعیلؑ اور یمن کا ایک قبیلہ جرہم اطراف میں آباد تھا اور حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر کے بعد بنی جرہم اور عمالقہ نے یکے بعد دیگرے اس کی از سرِ نو تعمیر کی جب کعبہ کی تولیت حضرت رسالتمآبؐ کی جدِّ اعلیٰ قصیّ بن کلاب کے سپرد ہوئی تو انہوں نے گرا کر دوبارہ اس کی پختہ تعمیر کی اور عمدہ لکڑی سے اس کو مسقف کیا اور اس کے پہلو میں دارالندوہ تعمیر کر دیا جس میں وہ مقدمات کے فیصلے کرتے تھے اور وہی ان کا اسمبلی ہال بھی تھا اور قریش کے باقی قبیلوں پر جہات کعبہ کو تقسیم کر دیا چنانچہ قریشیوں نے کعبہ کے ارد گرد گھر بنوا لئے اور ان کے دروازے کعبہ کی طرف کئے (میزان)

بعثت سے پانچ برس پہلے جب کہ آپ کی عمر پینتیس برس کی تھی کعبہ کا مکان سیلاب کی وجہ سے منہدم ہوگیا پس قریش قبائل نے اس کی تعمیر کے پروگرام کو آپس میں تقسیم کر کے کام شروع کیا۔ کلینی سے بسند صحیح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قریش نے خانہ کعبہ کی توسیع کا ارادہ کیا تو ایک زلزلۂ عظیم برپا ہوا اور تاریکی چھا گئی چنانچہ انہوں نے وہ ارادہ ملتوی کر دیا اور حضرت ابراہیمؑ کی بنیادوں پر اس کی تعمیر کی تجویز پاس کی۔ جب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو قبائل قریش میں نزاع پیدا ہوئی اور ہر شخص اس میں سبقت کا خواہاں تھا پس تجویز یہ ہوئی کہ باب الشیبہ کی طرف سے جو شخص پہلے اندر آئے اسی کا فیصلہ سب کو مان لینا چاہیئے تو سب سے پہلے حضرت رسالتمآب اس دروازہ سے داخل ہوئے پس انہوں نے نزاع کی تفصیل آپ کے سامنے بیان کی آپؐ نے اپنی ردائے مبارک کو بچھا کر حجرِ اسود کو اس کے اُوپر رکھا اور فرمایا کہ قریش کے ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس کے کنارے سے پکڑ کر اٹھائے اور مقام معین تک اس طریقہ سے اسے لے جایا جائے پس وہاں پہنچ کر حضرت نے خود بنفس نفیس اس کو عبا مبارک سے اٹھا کر اسے اپنے اصلی مقام پر رکھ دیا۔

اسی زمانہ میں بادشاہِ روم نے حبشہ میں ایک گرجا کی تعمیر کے لئے کافی لکڑی و دیگر عمارتی سامان بذریعہ کشتی روانہ کیا تھا۔ اور ہوا نے بقدرتِ خدا کشتی کو ساحل عرب کی طرف دھکیل دیا اور یہاں کشتی قریب ساحل کیچڑ میں دھنس گئی کشتی بانوں نے ہر چند کوشش کی لیکن بے سود۔ جب قریش کو اطلاع ہوئی تو ان کو چونکہ تعمیر کعبہ کے لئے لکڑی کی ضرورت تھی فوراً وہاں پہنچے اور وہ لکڑی خرید لائے اور کعبہ کی چھت مکمل ہوئی (حیات القلوب)

اور بعض روایات میں ہے کہ قریش نے مصارف کی کمی کی وجہ سے حجر اسود کی طرف سے کچھ حصہ چھوڑ کر دیوار بیت اللہ اندر کی طرف کر دی اور حجرِ اسود کا حصہ بیت اللہ سے خارج رہ گیا چنانچہ علامہ کے تذکرہ سے بھی یہی روایت منقول ہے (حاشیہ لمعہ) لیکن دوسری صحیح روایات اس کی تائید نہیں کرتیں۔ بہرکیف طواف کے وقت حجرِ اسود کو داخل طواف کرنا ضروری ہوا کرتا ہے کیونکہ عمل صاحب شریعت اسی طرح ثابت ہے۔

جب حجاز پر عبداللہ بن زبیر کا تسلط ہوا اور حصین نے یزید کی طرف سے فوجی سپہ سالار کی حیثیت سے مکہ پر چڑھائی کی تو کعبہ کو بھی منہدم کر دیا اور اس کا غلاف اور کچھ لکڑی کا سامان بھی جلا دیا گیا لیکن یزید کی موت کی خبر پہنچنے پر جب یہ لشکر وہاں سے دفع ہوا تو ابن زبیر نے کعبہ کو از سر نو تعمیر کرایا اور حجر اسود کو بیت اللہ کے اندر داخل کیا اور اس کو پہلے کی نسبت بلند بھی کر دیا اور یہ تعمیر ۲۷ رجب ۶۴ھ کو ختم ہوئی پھر جب عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا تو اس نے حجاج بن یوسف کو ابن زبیر کی سرکوبی کے لئے مکہ روانہ کیا چنانچہ ابنِ زبیر مارا گیا اور حجاج نے عبدالملک کو کعبہ کی تعمیر میں ابن زبیر کی تجدید کی اطلاع بھیجی۔ تو اس نے کعبہ کو اپنی اصلی پہلی شکل پر لانے کا حکم نافذ کیا پس حجاج نے شمالی طرف تقریباً چھ ذراع کی مقدار گرا کر اندر کی طرف قریش کی بنیادوں پر کعبہ کی تعمیر کو مکمل کیا۔

پھر سلطنتِ عثمانیہ کے دور میں معمولی تغیرات اس میں رونما ہوتے رہے یہاں تک کہ ۱۰۳۹ھ میں سیل کی وجہ سے اس کی

دیواریں پھر گرگئیں تو عثمانی حکومت کے چوتھے تاجدار شاہ مراد نے اس کی ترمیم کی اور آج تک پھر اسی حالت پہ باقی ہے۔

مکانِ کعبہ کعبہ کا مکان تقریباً مربع شکل کا ہے اور اس کا ہر زاویہ چار سمتوں میں سے ایک ایک سمت کے مقابل ہے نیلے قسم کے پتھروں سے دیواریں بنی ہیں اور غالباً موجودہ بلندی سے زمانِ رسالت میں اس کی بلندی کم تھی جیسا کہ روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔

کعبہ کے زاویوں کو ابتدار سے ارکان کہا جاتا ہے چنانچہ شمالی زاویہ کو رکنِ عراقی ،غربی زاویہ کو رکن شامی جنوبی زاویہ کو رکن یمانی اور شرقی زاویہ کو جس میں حجرِ اسود ہے رکنِ اسود کہا جاتا ہے اور اسی رکن اسود سے دروازہ تک کے فاصلہ کو ملتزم کہتے ہیں کیونکہ طواف کرنے والا اس سے چمٹ کر دعائیں مانگتا اور گڑگڑاتا ہے۔

شمالی دیوار پر جو میزاب موجود ہے جس کو میزابِ رحمت کہتے ہیں۔ یہ حجاج بن یوسف کی ایجاد ہے سلطان سلیمان عثمانی نے ۹۵۴ھ میں اس کو چاندی کا بنا دیا تھا اس کے بعد سلطان احمد نے ۱۰۲۱ھ میں تبدیل کرکے اس کی جگہ دوسرا چاندی کا میزاب رکھا جسمیں سنہری نقوش تھے پھر سلطان عبدالمجید عثمانی نے ۱۲۷۳ھ میں سونے کا میزاب اس کی جگہ نصب کرایا جو اب تک موجود ہے۔

میزاب کے سامنے ایک منحنی دیوار ہے جس کا ایک کنارہ رکنِ شمالی کی طرف اور دوسرا کنارہ رکن غربی کی طرف ہے اسے حطیم کہتے ہیں اور حطیم سے لے کر بیت اللہ تک کی درمیانی جگہ کو حجرِ اسماعیل کہا جاتا ہے کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی تعمیر کے وقت اس کا کچھ حصہ بیت اللہ میں داخل تھا اور کہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کا مدفن بھی یہی مقام تھا (میزان)

غلافِ کعبہ تعمیر کعبہ کی تکمیل کے بعد پہلے حضرت ہاجرہ نے اپنی چادر اس کے دروازہ پر آویزاں کی تھی لیکن کعبہ کا پورا غلاف پہلے پہل تبع ابوبکر نے روپہلی چادروں سے چڑھایا اور اس کے جانشین اس کی سنت پر عمل پیرا ہے اور لوگ مختلف قسم کی چادروں کا غلاف چڑھاتے رہے اور جب ایک غلاف کہنہ ہوجاتا تو اس پر دوسرا چڑھا دیا جاتا تھا اور جب قصی متولی کعبہ ہوا تو اس نے سالانہ غلاف چڑھانے کا اہتمام کیا اور اس کی اولاد میں یہ سلسلہ باقی رہا یہاں تک کہ جناب رسالتمآب نے یمنی چادروں سے غلاف چڑھایا اور آپ کے بعد پھر ایسا ہی ہوتا رہا لیکن جب مہدی عباسی خلیفہ ہوا تو بیت اللہ کے دربانوں نے غلافوں کی زیادتی کا شکوہ کیا تو اس نے تمام غلاف اُتار کر صرف ایک غلاف کے باقی رکھنے کا حکم جاری کیا اور آجتک پھر یہی طریقہ ہے اور کعبہ کے اندر چادر چڑھانے کی ابتداء حضرت عباس بن عبدالمطلب کی والدہ نے کی تھی کیونکہ یہ اس کی نذر تھی۔

آیاتِ بیّنات مقامِ ابراھیم:- بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت اسمٰعیل کی زوجہ نے آپ کو نہلایا تھا جبکہ آپ شام سے بغرض ملاقات تشریف لائے تھے پس

اس پتھر میں آپ کے قدموں کا نشان باقی رہ گیا اور قصہ کی تفصیل تفسیر کی دوسری جلد ص۲۰۶ تا ص۲۰۹ میں مذکور ہو چکی ہے۔
اور بعض روایات میں ہے کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر آپ نے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی۔ صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ مقامِ ابراہیم پہلے دیوار کعبہ کے ساتھ متصل تھا پھر زمانِ جاہلیت میں اس کو اپنی جگہ سے منتقل کر کے دوسری جگہ رکھا گیا جہاں وہ اب موجود ہے اور جب جناب رسالتمآبؐ نے مکہ فتح کیا تو اس کو پھر اپنے اصلی مقام پر نقل کر دیا اور پہلی خلافت اور دوسری خلافت کے کچھ زمانہ تک وہاں رہا۔ لیکن دوسری خلافت کے آخری دور میں اسے پھر وہاں سے اٹھوا کر پہلی جگہ پر منتقل کر دیا گیا آیات بینات میں سے اس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس لئے ہے کہ وہ تاحال ایک زندہ معجزہ ہے ورنہ ان واضح نشانیوں میں اور مقامات بھی ہیں جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت کافی وعیاشی مذکور ہے۔

حجرِ اسود ۔ مروی ہے کہ یہ جوہر تھا جو خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ زمین پر اُتارا تھا اس کو بنی آدم کے عہد و پیمان ودیعت کئے گئے ہیں بروزِ محشر ان لوگوں کے حق میں بزبان فصیح گواہی دے گا جنہوں نے اس کی زیارت کی اور اپنے عہد کی وفا کی اور اس کی گویائی روایات میں حضرت سجاد علیہ السلام کی امامت کی گواہی کے موقعہ پر بھی ثابت ہے جبکہ حضرت محمد بن حنفیہ کے ساتھ نزاع ہوئی تھی اور اس کا واضح اور غیر مبہم اعجازی پہلو بھی ہے کہ کبھی غیر معصوم اس کو اپنی جگہ پر نصب نہ کر سکے (صافی)

حطیم:۔ یہ وہ مقام ہے جہاں حضرت آدمؑ کی توبہ مقبول ہوئی تھی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کر سکو کہ تمام نمازیں خواہ واجب ہوں خواہ سنتی اسی مقام پر حطیم میں ادا کرو تو ہرگز اس سے گریز نہ کرو کیونکہ تمام زمین سے یہ بقعہ اشرف وافضل ہے اور اس کے بعد حجرِ اسود کے پاس نماز پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے ابو حمزہ ثمالی سے مروی ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ بتاؤ زمین کے ٹکڑوں میں کونسا ٹکڑا افضل ہے؟ ہم نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول اور اولاد رسول اس کو بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ رکن اور مقام کی درمیانی جگہ پس اگر کوئی شخص حضرت نوحؑ کی سی عمر پائے اور زندگی بھر اسی مقام پر روزہ سے اور رات کو عبادتِ خدا میں مصروف رہ کر ہماری ولایت کے بغیر دربار خداوندی میں پیش ہو تو اس کو اپنے اعمال ذرہ بھر فائدہ نہ دیں گے۔

اسی طرح آیاتِ بیّنات میں سے زمزم ہے جس کا پانی شفا ہے اس مقام پر اہلی جانور وحشی درندوں سے نہیں ڈرتے اس کا طواف کبھی ختم نہیں ہوا، کوئی پرندہ بیت اللہ کی چھت سے نہیں گذر سکتا اس کے جانور انسانوں سے خوف نہیں کھاتے ہر سال سنگریزے مارنے کے باوجود جب دوسرے سال اس مقام کو دیکھا جائے تو وہ زمین پہلے کی طرح ہوتی ہے ورنہ قاعدہ کے مطابق تو اسے ایک پہاڑ ہو جانا چاہیے تھا اور انہی آیات میں سے قصہ اصحاب فیل بھی ہے جن کو ابابیل نے تباہ و برباد کر دیا تھا اور صافی میں بروایت کتبِ معتبرہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے ہر نوع سے کسی ایک

کو انتخاب فرمایا ہے اور زمینوں میں سے اس نے کعبہ کی زمین کو منتخب فرمایا ہے

زمینِ کربلا

بعض روایات میں ہے کہ ایک دفعہ زمینِ کعبہ نے اپنی برتری پہ ناز کیا کہ مجھ جیسا کون ہے میں کعبہ کا مسکن ہوں تو فوراً وحی الٰہی ہوئی۔ خاموش! اے کعبہ کی زمین۔ کربلا کی زمین کے مقابلہ میں تیری فضیلت کو وہ نسبت ہے جو نوکِ سوزن پر اُٹھے ہوئے پانی کے قطرہ کو پر از آب سمندر سے ہوا کرتی ہے بقسم اگر اس زمین اور اس کے ساکن کو خلق نہ کرتا تو تجھے پیدا نہ کرتا اور نہ تیرا کعبہ پیدا ہوتا (مرادی ترجمہ کر دیا گیا ہے (سفینۃ البحار)

اس روایت اور سابق روایات میں توفیق کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ صرف کعبہ کی طرف جھکنے والے اور اہلبیت اطہار کو پسِ پشت ڈالنے والے چونکہ صرف کعبہ پہ ہی ناز کرتے ہیں اور اپنی بخشش کا انحصار صرف اسی میں سمجھتے ہیں تو ان کی تنبیہ کے لئے ارشاد ہے کہ بے شک کعبہ اور زمین کعبہ اپنی جگہ شرف و فضل کے حامل ہیں لیکن اگر کربلا والوں کی سرفروشی نہ ہوتی اور ان کے ناحق خون سے اسلام کی حفاظتی حصار کی تعمیر نہ ہوتی تو پورے اسلام کو یزیدی طاغوتی حملوں نے نیست و نابود کر دیا ہوتا اور جب اسلام ہی ختم ہو جاتا تو کعبہ کا وقار کس کام کا؟ کعبہ اپنے مقام پر محترم ہے لیکن کسی محترم کے خالی وجود کو کیا کیا جائے۔ جب احترام کرنے والا ہی دنیا میں موجود نہ ہو؟ اے کعبہ کا احترام کرنے والو پہلے اس دروازہ پہ پہنچو جس نے کعبہ کا احترام بچایا ہے اور تمہیں احترام کرنا سکھایا ہے اور زمینِ کعبہ اگر ناز کرے کہ میں محترم ہوں تو اس ناز سے پہلے اس کو زمینِ کربلا کے سامنے سرنگوں ہو کر نیازمندی کا اظہار کرنا پڑے گا۔ بے شک وہ تمام زمینوں پہ سر افتخار بلند کر سکتی ہے لیکن زمین کربلا کے سامنے اس کا سر نیاز خم ہی رہے گا۔ پس زمینِ کربلا کی افضلیت اس لحاظ سے ہے کہ اس کا ساکن محسن اسلام ہے اور حج بیت اللہ اسلام کا ایک فرعی حکم ہے گویا بیت اللہ صرف حاجیوں کا محورِ التفات ہے اور حسین تمام اہلِ اسلام کے لئے مرکزِ ہدایت ہے۔ پس مقامِ عمل میں کوئی زمین کعبہ کی زمین سے افضل نہیں ہوسکتی اور مقامِ ہدایت و رشد میں کوئی زمین کربلا کی زمین سے زیادہ درس آموز نہیں ہوسکتی لہذا دونوں اپنے اپنے مقام پہ افضل ہیں لیکن افضلیت کی حیثیتیں جُدا جُدا ہیں اور فرعی فضیلت قطعاً اصلی فضیلت کا مقابلہ نہیں کر سکتی تاہم یہ دونوں معنوی طور پر ایک دوسرے سے جُدا نہیں لہذا جو کعبہ کا متوالا ہو اور کربلا والوں کو نظر انداز کر کے زمین کربلا کو حقیر سمجھے اس کے لئے کعبہ جانے کا کوئی فائدہ نہیں اور جو شخص کربلا والوں کی محبت کا دم بھرتا ہو اور زمین کربلا کا زائر ہو لیکن کعبہ جانے کی استطاعت رکھنے کے باوجود اس کو ترک کرے تو اس کا کربلا والوں سے محبت کا دعویٰ کرنا محض زبانی و بے بنیاد ہے کیونکہ حسینؑ نے خود جامِ شہادت نوش فرما کر شعائر اسلامیہ کو زندہ کیا تھا تو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک شخص حسینی کہلوا کر شعائر اسلامیہ کو قائم کرنے سے گریز کرتا ہو۔ امامت اصل ہے اور حج فرع ہے پس جس طرح حج کا فعل بغیر اقرار امامت کے نادرست ہے اسی طرح اقرار امامت بغیر افعال فرعیہ کے اقرارِ زبانی اور لقلقہ لسانی ہے کیونکہ اصل و فرع دونوں ایک دوسرے کے بغیر فائدہ مند نہیں ہوا کرتے۔

سوال: یہاں ایک سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ اس توجیہ کے اعتبار سے تو پھر مدینہ منورہ کی زمین کو سب سے افضل

کہنا چاہیئے۔

جواب :۔ اس میں شک نہیں کہ ایک زمانِ مخصوص تک مدینہ منورہ ہدایت خلق کا سرچشمہ رہا اور اسی لحاظ سے اطرافِ عالم کے جویانِ حق کی ہجرت گاہ بھی رہا حتّٰی کہ اہلِ مکہ کے لئے بھی وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ کو چلے جانے کا حکم تھا۔ اور زمینِ مدینہ کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے لیکن حضرت رسالتمآبؐ کے بعد جب اسلامی شرعی حدود کی پامالی کے لئے اموی سلاطین جور نے اپنی اندھا دھند پیش قدمی سے اسلامیان عالم کو مسحور یا مرعوب کرتے ہوئے ظلم و استبداد کے اوچھے حربوں سے کام لینا چاہا تو سوائے حسین بن علی کے اور کون تھا جس نے ببانگ دہل بے پناہ قوتِ ایمانی کے ساتھ اس قسم کی پیش قدمیوں کے خلاف نعرۂ حق بلند فرمایا اور جان مال اور ناموس کی ہر ممکن قربانی سے دریغ نہ کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے لئے سینہ سپر بنا اور سچ ہے کہ اگر حسین نہ ہوتا تو اسلام کا لہراتا ہوا سرسبز و شاداب باغ اموی دورِ خزاں سے صحیح و سالم ہرگز نہ بچ سکتا۔ اگر حسین کی قربانی نہ ہوتی تو یقیناً شمعِ اسلام کی حیثیت ایک چراغِ سحری کی سی رہ گئی تھی۔ اگر حسین کا عزم و استقلال اور ثباتِ قدم ایک مضبوط چٹان بن کر سامنے نہ آتا تو دمشق کی طرف سے اُٹھا ہوا ظلم و جور کا بے پناہ طوفان خرمنِ اسلام کو بہا کرلے گیا ہوتا۔ پس حسین نے اپنے آہنی ارادوں سے یزیدی منصوبوں کی قلعی کھول کر رکھ دی جس طرح حسین کے اس مبارک و مضبوط اقدام نے کعبہ کی لاج رکھی اسی طرح حسین کی عظیم الشان قربانیوں نے مدینہ کی حرمت اور صاحب مدینہ کی تیئیس سالہ محنت کو بقاء و دوام کی خلعت بھی بخش دی اور اسلام کی اس فتح مبین کا سہرا زمینِ کربلا ہی کے سر پر ہے۔ لہٰذا یہ زمین تا قیام قیامت مرجع ہدایت خلق ہے اور یہی چیز اس کے شرف پائیدار کا بلند مینار ہے۔

زمین کربلا کی خصوصیات

(۱) شیخ جعفر شوستری اعلی اللہ مقامہٗ نے زمین کربلا کی خصوصیات بہت کچھ ذکر فرمائی ہیں ان میں سے بعض کو اس مقام پر بطور اختصار ذکر کرنا مناسب ہے مروی ہے کہ کعبہ کی خلقت سے چوبیس ہزار سال قبل زمین کربلا کو خلق کیا گیا۔

سوال :۔ قرآن مجید پہلا گھر خانہ کعبہ کو بتلاتا ہے اور حدیث مذکور میں زمین کربلا کو خلقت میں مقدم کہا گیا ہے۔

جواب :۔ قرآن مجید میں کعبہ کے روئے زمین پہ پہلی عبادت گاہ بنائے جانے کا اعلان کیا گیا ہے کیونکہ یہودیوں نے تحویلِ قبلہ کے بعد مسلمانوں پر یہ اعتراض شروع کر دیا تھا کہ بیت المقدس روئے زمین پہ پہلی عبادت گاہ ہے حتّٰی کہ حضرت ابراہیم کا قبلہ بھی یہی تھا تو خداوند کریم نے ان کی رد میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ غلط کہتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ لوگوں کے لئے زمین پہ پہلی جائے عبادت جس خطۂ ارضیہ کو قرار دیا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے یعنی خانہ کعبہ۔ پس قرآن مجید میں کعبہ کی خلقت کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ صرف اس کے قبلہ ہونے کی سبقت کا اعلان ہے اور حدیث مذکور میں زمین کربلا کی خلقت کی تقدیم کا ذکر ہے۔ لہٰذا مضمونِ حدیث اور مفہوم آیت میں کوئی تعارض نہیں یعنی خلقت میں زمین کربلا کو زمین کعبہ پہ تقدیم حاصل ہے اور قبلہ ہونے میں کعبہ کو بیت المقدس سے اوّل ہونے کا شرف حاصل ہے اور گذشتہ بعض احادیث میں جہاں کعبہ

کی پیدائشی سبقت بیان کی گئی ہے وہاں زمین کربلا کے علاوہ باقی زمینوں سے سبقت مراد ہے۔ واللہ اعلم

(۲) مروی ہے کہ زلزلۂ قیامت کا وقت آئے گا تو زمین کربلا کو اُٹھا لیا جائے گا اور یہ خطۂ جنّت کے تمام خطوں سے افضل ہوگا اور جنّت کے ریاض میں یہ زمین اس طرح چمکے گی جس طرح کوکب دُرّی دوسرے ستاروں سے نمایاں طور پر اپنی چمک کو ظاہر کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی چمک سے تمام اہل جنّت کی آنکھیں خیرگی محسوس کریں گی اور اس کی آواز آئے گی کہ میں وہ پاک زمین ہوں جسے شہیدوں کے مدفن و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

(۳) خاکِ شفا کی تسبیح سے استغفار کرنا ستّر گنا زیادتی ثواب کا موجب ہے۔

(۴) خاکِ کربلا یعنی خاکِ شفا کی تسبیح کا ہاتھ میں رکھنا بھی تسبیح پڑھنے کے ثواب کے برابر ہے۔

(۵) خاکِ شفا پر سجدہ کرنے سے مقبولیتِ عبادت کی روکاوٹ کے سات حجاب دُور ہو جاتے ہیں اور عبادت مقبول ہو جاتی ہے۔

(۶) مٹی کا کھانا حرام ہے لیکن خاکِ شفا کا شفایابی کی نیت سے کھانا جائز ہے۔

(۷) خاکِ شفا کا پاس رکھنا ہر قسم کے خطرات سے بچنے کا حرز اور تعویذ ہے بشرطیکہ اسی نیت سے اپنے پاس رکھے۔

(۸) اگر سامانِ تجارت میں خاکِ شفا کو رکھا جائے تو تجارت میں برکت نصیب ہوگی۔

(۹) نوزائیدہ بچے کے حلق میں خاکِ شفا ڈالنا اس کی امان و سلامتی کا موجب ہے۔

(۱۰) میّت کے ساتھ قبر میں خاک شفا کا رکھنا عذاب قبر سے امان کا موجب ہے۔

(۱۱) میّت کے حنوط کے ساتھ خاکِ شفا کی ملاوٹ مستحب ہے۔

(۱۲) زمین کربلا میں دفن ہونے والا بغیر حساب جنّت میں داخل ہوگا۔

(۱۳) زمین پر اُترنے والے فرشتے جب واپس جاتے ہیں تو حوریں اُن سے خاک شفا کا تحفہ طلب کرتی ہیں۔

(۱۴) تمام ملائکہ بطور تحفہ خاکِ شفا کو جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں لے جاتے رہے ہیں۔

(۱۵) یہی زمین حضرت عیسیٰ کی ولادت گاہ ہے۔

(۱۶) حضرت موسیٰ کو جس زمین پر شرف کلام حاصل ہوتا تھا وہ یہی زمین تھی۔

(۱۷) آدمؑ سے لے کر خاتمؐ تک تمام انبیاء کا ورود اس مقدّس زمین پر ہوا۔

(۱۸) اسی مقدّس زمین میں واقعاتِ کربلا سے قبل دو سو نبی، دو سو وصی اور دو سو سبطِ نبی دفن ہوئے جو درجۂ شہادت پر فائز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ (خصائص حسینیہ)

تولیتِ کعبہ

بنائے کعبہ کے بعد اس کی تولیت حضرت اسماعیل کے سپرد تھی اور ان کے بعد ان کی اولاد کو تولیت بیت اللہ کا شرف حاصل رہا لیکن کچھ عرصہ کے بعد قبیلہ جرہم نے غلبہ حاصل کرکے کعبہ کی تولیت ان

سے چھین لی اور جب قبیلہ جرہم اور عمالقہ کی آپس میں جنگ ہوئی تو عمالقہ غالب آگئے اور کعبہ کو انہوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا پھر ایک مرتبہ جرہم نے عمالقہ کو مغلوب کر کے ان سے کعبہ کی تولیت واپس لے لی اور تقریباً تین سو برس اس کے متولی رہے اور انہوں نے کعبہ کی عمارت میں کچھ اضافہ بھی کیا۔

جب حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے قبیلہ جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور کعبہ کی تولیت خود سنبھال لی۔ اس وقت ان کا سرکردہ عمرو بن لحی خزاعی تھا اور یہ پہلا شخص ہے جس نے کعبہ میں بت لا کر رکھے اور لوگوں کو شرک کی تعلیم دی رائس نے پہلا بت جو کعبہ میں رکھا تھا اس کا نام ہبل تھا اور وہ اسے شام سے لایا تھا اس کے بعد پھر دوسرے بت لائے گئے حلیل خزاعی بنی خزاعہ میں سے کعبہ کا آخری متولی ہے۔ حلیل کی صرف ایک لڑکی تھی جو قصی بن کلاب کے نکاح میں تھی۔ پس حلیل نے اپنے بعد کعبہ کی تولیت اپنی بیٹی کے سپرد کر دی اور اس کی کلید برادری کے لئے ابو غبشان نے معمولی معاوضہ لے کر کعبہ کی کلید برادری بھی قصی بن کلاب کو بیچ دی پس اس طریقہ سے کعبہ کی تولیت قریش تک پہنچی۔ جب جناب رسالتمآبؐ نے مکہ کو فتح کیا تو اس کے اندر جس قدر بت وغیرہ رکھے تھے ان کو گرا دیا گیا۔

زمین مکہ کے خصوصیات

(۱) اگر کوئی شخص حرم بیت اللہ کی حدود کے اندر ایسا جرم کرے جس کی شرعی حد یا قصاص مقرر ہے تو اس کو اپنے کیئے کی سزا حرم کے اندر دی جاسکتی ہے لیکن اگر جرم کا ارتکاب حرم کی حدود سے باہر ہو اور مجرم بھاگ کر حرم کے اندر داخل ہو جائے تو اس پر سزا جاری نہ ہو گی جب تک کہ حدود حرم سے خارج نہ ہو جائے۔ البتہ کھانے پینے اور دیگر ضروریاتِ زندگی میں اس پر سختی برتی جائے گی تاکہ وہ خود بخود حرم کی حدود سے نکل جائے اور اس پر معینہ حد جاری کی جائے۔

(۲) مکہ کی زمین میں تمام مسلمانوں کو رہنے کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو وہاں کی رہائش سے روکا نہیں جاسکتا۔ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ روکنا حرام ہے۔ اور بعض مکروہ جانتے ہیں۔

(۳) کعبہ کی عمارت سے بلند کسی مسلمان کو اپنا مکان نہیں بنوانا چاہیئے (بعض علماء کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے)

(۴) حدودِ حرم کے اندر کسی کی کوئی چیز گر جائے تو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ کسی اٹھانے والے پر وہ حلال نہیں ہو سکتی بلکہ وہ اس کے پاس امانت کے طور پر رہے گی اور سال بھر تک اس کی تعریف واعلان کرنا ضروری ہے اگر مالک مل جائے تو ٹھیک ورنہ بطور امانت اپنے پاس رکھے یا مالک کی طرف سے صدقہ کر دے۔

(۵) تفسیر صافی میں مروی ہے کہ جو شخص حرم میں مدفون ہو جائے وہ قیامت کی سخت گھبراہٹ سے محفوظ ہو گا۔

(۶) جو حرم خدا یا حرم رسولؐ میں سے کسی ایک حرم میں مر جائے تو خدا اس کو امن پانے والوں میں محشور کرے گا (صافی)

(۷) جو شخص ان دونوں حرموں کے درمیان مرے تو بروز محشر اس کا دیوان پیش نہ ہو گا۔

(۸) مکہ میں داخل ہونے والے کے لئے ضروری ہے کہ احرام عمرہ باندھ کر داخل ہو۔

ولادت علیؑ در کعبہ

کعبہ کی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کی جائے ولادت ہے اور اس شرف پر کعبہ کو بجا طور پر ناز ہے۔ کتب فریقین میں حضرت علیؑ کی کعبہ میں ولادت کی خصوصیت اور کعبہ کی حضرت علیؑ کے مولد ہونے کی خصوصیت کو متفق طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔

چنانچہ کفایۃ الطالب گنجی سے منقول ہے کہ اس زمانہ میں ایک عابد تھا جسے مسرم کہتے تھے اور اس نے دو سو ستر برس خداوند کریم کی عبادت کی تھی اور کبھی اپنی کسی حاجت کا سوال نہ کیا تھا۔ حضرت ابوطالب کو خدا نے اس کے پاس بھیج دیا۔ اس نے دیکھتے ہی اٹھ کر تعظیم کی سر کا بوسہ دیا اور اپنے سامنے جگہ دی پھر ان سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں؟ حضرت ابوطالب نے جواب دیا کہ میں تہامہ (مکہ) کے رہنے والا ہوں اس نے نسب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہاشمی ہوں وہ عابد سنتے ہی دوبارہ اٹھا اور حضرت ابوطالب کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ مجھے خدا نے لبطور الہام خبر دی ہے کہ خدا تجھے ایک فرزند عطا کرے گا جو ولی اللہ ہوگا۔ پس جس شب کو حضرت علیؑ کا تولد ہوا تو فضائے عالم آپ کو طلعتِ نورانی سے منور ہوئی حضرت ابوطالب نے باہر نکل کر اعلان فرمادیا کہ بندگانِ خدا کعبہ میں ولی اللہ کا تولد ہو چکا ہے۔ صبح سویرے جب داخل کعبہ ہوئے تو یہ اشعار اپنی زبان پر جاری کئے۔

یَارَبَّ هٰذَا الْغَسَقِ الدُّجِی   وَالْقَمَرِ الْمُبَلَّجِ الْمُضِیْ

بَیِّنْ لَنَا مِنْ اَمْرِكَ الْخَفِیْ   مَاذَا تَرٰی فِیْ اِسْمِ ذَا الصَّبِیْ

اے پھیلتی ہوئی تاریکی اور روشنی پھیلانے والے چاند کے پروردگار اپنے مخفی راز میں سے تو ہی بتا کہ تیرے نزدیک اس بچے کا کیا نام ہونا چاہیے۔

پس ہاتف غیبی کی ندا کان میں پہنچی۔

یَا اَهْلَ بَیْتِ الْمُصْطَفَی النَّبِیْ   خُصِّصْتُمْ بِالْوَلَدِ الزَّكِیْ

اِنَّ اسْمَهٗ مِنْ شَامِخٍ عَلِیْ   عَلِیٌّ اشْتُقَّ مِنَ الْعَلِیْ

اے مصطفیٰ نبی کے گھر والو تمہیں یہ بچہ مبارک ہو علی اعلیٰ نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کر کے علی رکھا ہے۔

۲۔ مستدرک حاکم سے مروی ہے کہ تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ اَسَدٍ وَلَدَتْ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْطَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ فِیْ جَوْفِ الْكَعْبَةِ (احادیث میں یہ بات تواتر سے پہنچی ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ جناب فاطمہ بنت اسد کے بطن مبارک سے کعبہ کے اندر ہی پیدا ہوئے۔

۳۔ ابن صباغ مالکی فصول مہمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام مکہ مشرفہ میں بیت اللہ کے اندر ۱۳ رجب بروز جمعہ ۳۰ عام الفیل ہجرت سے ۲۳ یا بقولے ۲۵ سال قبل اور بعثت سے ۱۲ سال یا بقولے ۱۰ سال پہلے پیدا ہوئے اور ان سے پہلے بیت اللہ میں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اور یہ وہ فضیلت ہے کہ اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں اور ان کے

اجلال، علوِ مرتبت اور اظہارِ کرامت کے لئے ہی خدا نے ان کو یہ شرف خصوصی مرحمت فرمایا اور نیز آپ ہی وہ پہلے شخص ہیں۔ جو ماں اور باپ دونو کی طرف سے ہاشمی ہیں۔

۴۔ بحار الانوار سے مروی ہے کہ سعید بن جبیر یزید بن قعنب سے روایت کرتا ہے کہ میں اور عباس بن عبدالمطلب بیت اللہ کے سامنے بیٹھے تھے اچانک ہم نے والدۂ امیرالمومنین علیہ السلام حضرت فاطمہ بنتِ اسد کو آتے دیکھا اور آپ نو ماہ سے حاملہ تھیں۔ آپ کو خاص تکلیف محسوس ہوئی جو عورتوں کو زائیدگی کے وقت ہوا کرتی ہے تو یہ دُعا زبان پر جاری کی۔ اے پروردگار! میں تیرے اُوپر ایمان رکھتی ہوں نیز تیرے رسولوں اور تیری کتابوں کو مانتی ہوں اور اپنے جدِّ بزرگوار حضرت خلیل علیہ السلام کی تصدیق کرتی ہوں جنہوں نے بیت اللہ کی بنا رکھی تھی۔ پس تجھے اس گھر کی بنا رکھنے والے کے حق کی اور اس بچّہ کے حق کی جو میرے بطن میں ہے قسم دے کر سوال کرتی ہوں کہ اس بچّہ کی ولادت کا معاملہ میرے اُوپر آسان فرما۔ یزید بن قعنب کہتا ہے کہ ہم نے دیکھا دیوارِ کعبہ پشت کی طرف سے شق ہوئی اور جناب فاطمہ اندر داخل ہوکر ہماری نظروں سے غائب ہوگئیں اور دیوار پہلے کی طرح متصل ہوگئی۔ ہم نے سامنے سے آکر قفل کھولنا چاہا لیکن ہمیں ناکامی ہوئی پس ہم سمجھ گئے کہ یہ قدرتی راز ہے اس کے بعد چوتھے روز جناب فاطمہ بنت اسد حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کو ہاتھوں پر اٹھاکر باہر آئیں اور فخر یہ یہ الفاظ زبان پر جاری کئے کہ مجھے گذشتہ تمام عورتوں سے فضیلت عطا کی گئی ہے کیونکہ آسیہ بنت مزاحم نے خفیہ طور پر ایک ایسی جگہ خدا کی عبادت کی جہاں بغیر اضطرار کے کسی کی عبادت کو جائز نہیں قرار دیا جاتا اور حضرت مریم بنت عمران نے خشک کھجور کو حرکت دے کر تازہ پھل حاصل کئے اور نوش فرمائے اور میں بیت اللہ میں داخل ہوکر جنّت کے میوہ جات کھاتی رہی ہوں۔ اور جب میں نے وہاں سے باہر آنے کا ارادہ کیا تو ہاتف غیبی کی جانب سے ندا پہنچی۔ اے فاطمہ! اس بچّہ کا نام علی رکھو پس وہ علی ہے اور خدائے علی و اعلیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے اور میں نے خود ہی اس کو اپنے آداب تفویض کئے ہیں اور اس کو اپنے رموزِ علم سے اطلاع بخشی ہے وہ میرے گھر سے بتوں کو توڑ کر نکالے گا اور وہی اعلانیہ میرے گھر میں اذان دے گا اور میری تقدیس و تمجید بیان کرے گا۔ پس اس کے حبداروں اور اطاعت گذاروں کے لئے طوبیٰ اور اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کے لئے ویل ہے۔ مناسبتِ مقام اور تبرک کے لئے یہ روائتیں نقل کی گئی ہیں۔

کعبہ جائے امن ہے

کعبہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ مَنۡ دَخَلَهٗ کَانَ اٰمِنًا۔ جو بھی اس میں داخل ہوا امن رہے گا یہ خصوصیت صرف مکانِ کعبہ کی نہیں بلکہ حدود حرم کے اندر کا علاقہ سب کا سب اسی خصوصیت کا حامل ہے اور زمانۂ جاہلیت میں بھی جاہلی عربوں کا یہ دستور تھا کہ اگر حرم کے اندر اپنے سگے باپ کے قاتل کو بھی پالیتے تھے تو حرم کی حرمت کی پاسداری کرتے ہوئے اس سے ان حدود کے اندر انتقام لینا پسند نہ کرتے تھے

تفسیر صافی میں بروایت علل حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آپ نے ابوحنیفہ سے آیت کے اسی

ٹکڑے کے متعلق دریافت فرمایا کہ وہ زمین کونسی ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ کعبہ تو آپ نے فرمایا کہ حجاج بن یوسف نے جب حملہ کیا تھا اور ابن زبیر کعبہ میں ہی قتل ہوگیا تھا تو اس کے لئے پھر جائے امن کیسے رہا ؟ وہ جواب سے عاجز آگیا اس سوال وجواب کی قدرے تفصیل مقدمہ تفسیر انوار النجف صفحہ ۱۸۱ پہ موجود ہے۔ آخر کار اُس نے آپ سے ہی اس کی تاویل پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو ہمارے قائم علیہ السلام کی بیعت کر کے اس میں داخل ہوں گے اور ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر ان کے صحابہ میں شامل ہوں گے۔ اسی کتاب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت مجیدہ کا مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی جانب سے عائد کردہ جمیع احکام کا عارف ومعترف ہو کر جو بھی اسمیں داخل ہوگا وہ آخرت کے دائمی عذاب سے نجات پائے گا۔

بروایتِ عیاشی آپ سے مروی ہے کہ لوگوں میں سے جو بھی حرم کو پناہ سمجھ کر اس میں داخل ہوگا وہ غضبِ خدا سے محفوظ ہوگا اور جانوروں اور پرندوں میں سے جو بھی اس میں داخل ہوگا اس کو اذیت نہیں دی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ حرم کی حدود سے باہر چلا جائے

تنبیہ:- یہ روایات تاویل اور باطن کے لحاظ سے ہیں ورنہ ظاہر کے لحاظ سے ابتدار خلقت سے لے کر تا قیام قیامت کعبہ جائے امن ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ کعبہ میں پناہ حاصل کرنے والے کو خوفزدہ کرے انسان تو بجائے خود کسی حیوان کو بھی حدودِ حرم کے اندر ستایا نہیں جاسکتا اور جو شخص اس حکم کی مخالفت کرے گا وہ حرمِ خدا کی توہین کرنے والا سمجھا جائے گا۔ جس کے لئے وہ بارگاہ ربّ العزت میں بروزِ محشر جوابدہ ہوگا۔

اسلام میں سب سے پہلے حضرت سیّد الشہداء علیہ السلام کو کعبہ میں خوفزدہ کیا گیا جس کی بناء پہ آپ نے احرام حج کو عُمرہ میں تبدیل کر کے اعمال عُمرہ بجالانے کے بعد احرام کھولا اور وہاں سے روانہ ہوگئے اور یہ اس لئے کہ کہیں ہماری وجہ سے حرمِ خُدا کی ہتک نہ ہو اور اس کا مفصل تذکرہ کتب مصائب میں موجود ہے۔

حج کعبہ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الخ تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہاں حج وعُمرہ دونوں مراد ہیں۔ اور استطاعت کے متعلق آپ سے مروی ہے کہ بدن تندرست ہو اور مالی طاقت موجود ہو تو وہ مستطیع ہوگا ایک اور روایت میں ہے کہ بدن تندرست۔ زاد وراحلہ موجود اور راستہ پُرامن ہو۔ بہرکیف فقہائے امامیہ کے نزدیک وجوبِ حج کے شرائط چند ہیں۔

۱۔ کامل العقل ہو۔ لہذا نابالغ اور دیوانے پہ حج واجب نہیں ہوا کرتی۔

۲۔ آزاد ہو۔ لہذا غلام پر حج واجب نہیں ہوتی۔

۳۔ زاد وراحلہ موجود ہو یعنی مالی طاقت موجود ہو کہ اپنے راستہ کے آمد ورفت کے اخراجات کے علاوہ اپنی واپسی تک کا بال بچوں اور دیگر واجب النفقہ افراد کی ضروریاتِ زندگی کا انتظام کر سکتا ہو۔

مسئلہ :- اگر ایک شخص کے پاس زمین یا کوئی دوسری جائداد اپنی ضرورت سے زائد موجود ہو لیکن نقد روپیہ ہاتھ میں نہ ہو تو اس صورت میں زائد از ضرورت مال کو فروخت کر کے حج کو جانا واجب ہے۔

مسئلہ :- اگر اس کے پاس روپیہ موجود ہے لیکن اسی قدر مقروض بھی ہے تو حج کا وجوب ساقط ہو گا پس وہ روپیہ قرض خواہ کو دے کر قرضہ سے سبکدوش ہو جائے پھر اگر استطاعت ہو تو شرائط کے ماتحت اس پر حج کا وجوب عائد ہو گا

مسئلہ :- جس پیسہ میں خمس و زکوٰۃ اور دیگر حقوق مالیہ داخل ہیں اور اب تک اُس نے ادا نہیں کئے تو اس پر واجب ہے کہ خمس و زکوٰۃ و دیگر حقوق واجبہ سے پہلے سبکدوش ہونے کی کوشش کرے اور اس کے بعد اخراجات حج کے لئے روپیہ بچ جائے تو حج کو جائے ورنہ استطاعت کا انتظار کرے۔

مسئلہ :- اگر روپیہ موجود ہو لیکن وجوب کے پہلے سال ہی روانگی سے پہلے وہ تلف ہو جائے تو وجوب حج ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ :- اگر روپیہ موجود ہو اور حج کی درخواست بھی دے دی لیکن ملکی قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے نہ جا سکا اور دوسرے سال کے ایام حج آنے سے پہلے اس کا وہ روپیہ خرچ ہو گیا تو اس سے وجوب حج ساقط ہو گا کیونکہ پہلے سال اس پر حج کا استقرار نہیں ہو سکا تھا پھر اگر اس کو استطاعت حاصل ہو گی اور جانا بھی ممکن ہو گا تو حج واجب ہو گی۔

مسئلہ :- جس شخص پر حج واجب ہو اور نہ کر سکے تو اس کے وارث پر اس کی طرف سے واجب ہوا کرتی ہے۔

مسئلہ :- اگر حج واجب ہو جائے تو پھر ترک کر کے مر جائے تو جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ وہ قیامت کے دن یہودی یا نصرانی مبعوث ہو گا اور فرمایا کہ تارکِ حج کافر ہے کیونکہ قرآن مجید میں خدا فرما رہا ہے۔ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وجوبِ حج کے بعد بلا عذر شرعی جو شخص حج کو نہ جائے تو اس کی موت یہودیت یا نصرانیت کی موت ہو گی۔ روایات میں حج کی تاکید بہت زیادہ ہے خداوند کریم تمام شیعانِ اہلبیتؑ کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے۔

۴۔ تندرستی۔ اگر ایسا بیمار ہو کہ حج کے سفر کی صعوبتوں کو برداشت نہ کر سکتا ہو تو اس سے وجوب ساقط ہے لیکن مروی ہے کہ اس صورت میں اپنی طرف سے نائب بنا کر حج کروائے پس اگر اس کی بیماری تا موت رہ جائے تو وہی حج اس کی ہو گئی اور اگر بعد میں تندرست ہو جائے تو اس کو حج دوبارہ کرنی پڑے گی۔

۵۔ راستہ کا با امن ہونا۔ اگر راستہ خوفناک ہو تو حج کا وجوب ساقط ہے۔ ان مسائل کی تفصیلات کتب فقیہہ سے معلوم کی جا سکتی ہیں

مسئلہ :- عورت کی استطاعت میں وجود محرم ضروری نہیں ہے اگر عورت کے پاس دیگر اسباب موجود ہوں لیکن کوئی محرم دستیاب نہ ہو جس کے ہمراہ وہ سفر کرے تو اگر سلامتی کا ظن حاصل ہو تو وہ سفر حج کو جا سکتی ہے، ورنہ نہیں۔

مسئلہ :- استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اگر حج کرے تو پھر استطاعت حاصل ہونے کے بعد اس پر دوبارہ حج واجب

عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ

تمام جہان والوں سے فرما دیجئے اے اہلِ کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو آیاتِ خدا کا اور خدا

شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ

باخبر ہے اس چیز پر جو تم کرتے ہو فرما دیجئے اے اہلِ کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کے رستہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ

ایمان لانے والوں کو تم اس میں کجی چاہتے ہو حالانکہ تم باخبر ہو اور خدا غافل

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ

نہیں اس سے جو تم کرتے ہو اے ایمان والو! اگر تم نے اطاعت کی ایک گروہ کی ان لوگوں میں سے جن کو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٠﴾

کتاب دی گئی تو وہ تم کو ایمان کے بعد دوبارہ کفر کی طرف پھیر دیں گے

ہوگی۔ کیفیت حج اور اس کے دیگر ضروری مسائل تیسری جلد کی ابتدا میں بیان ہو چکے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ **شانِ نزول** ۔ کہتے ہیں اوس خزرج کے دونو قبیلے ایک مقام پر آپس میں پیار و محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ شاش بن قیس یہودی کا ان پہ گذر ہُوا تو اس کو ان کی باہمی محبت ناگوار گذری پس اس نے ایک یہودی نوجوان کو مشورہ دیا کہ ان کو اپنی گذشتہ دشمنیوں اور لڑائیوں کے واقعات سنا کر برانگیختہ کرے پس وہ ان میں آکر بیٹھ گیا۔ اور اس نے ایک سابقہ لڑائی کا ذکر چھیڑ دیا جو اوس اور خزرج کے مابین ہوئی تھی اور اس میں قبیلہ اوس کو کامیابی حاصل ہوئی تھی پس اس پر دونو قبیلے تُو تُو مَیں مَیں پہ آگئے اور لڑنے پہ کمربستہ ہو گئے اتنے میں لوگ کافی تعداد میں جمع ہو گئے فوراً اطلاع پاتے ہی جناب رسالتمآبؐ بنفسِ نفیس تشریف لائے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں تم پھر جاہلیت کی طرف جا رہے ہو حالانکہ تمکو اللہ نے اسلام ایسی نعمت عطا فرما کر تم سے جہالت کو دفع فرمایا اور تمہیں ایک دوسرے سے باہمی الفت کا درس دیا۔ پس وہ فوراً بھانپ گئے کہ یہ شیطانی سازش تھی جو ہم میں چلائی گئی اور دشمن کا فریب و دھوکا تھا جس میں ہم کو مبتلا کیا گیا چنانچہ انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال کر اپنے کئے سے توبہ کی اور ایک دوسرے کے گلے مل گئے اور جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ واپس آگئے۔ پس خداوند کریم کی جانب سے یہودیوں کی تفہیم کا حکم ہُوا کہ اے اہلِ کتاب تمہیں ایسے کفریہ کرتوتوں سے باز آجانا چاہیئے اور اللہ کے سچے راستے یعنی دینِ اسلام

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ

اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور اس کا رسول تم میں موجود ہے اور جو

يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

اللہ سے تمسک کرے پس تحقیق وہ ہدایت یافتہ ہے راہ راست کی طرف

کی تعلیمات سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کی ناپاک حرکات کو چھوڑ دینا چاہیئے اور خدا تمہاری ان ناپاک سازشوں سے پوری طرح آگاہ ہے اس کے بعد پھر ایمان والوں کو خود خطاب فرماتا ہے کہ تمہیں ان یہودیوں کے دام تزویر میں ہرگز نہ آنا چاہیئے ورنہ وہ تو تمہیں دوبارہ کفر کی طرف ہی کھینچ کر لے جائیں گے (صافی رمیزان)

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ - یعنی ویسے بھی حجت تمام ہونے کے بعد انسان کو کفر نہیں کرنا چاہیئے لیکن جب قرآن پاس موجود ہو اور اس کے احکام کی ترجمانی کرنے والا رسول بھی پاس ہو تو پھر کفر کی طرف عود کرنا انتہائی نالائقی ہے جس طرح وہ لوگ قرآن کے مطالب کو ہر وقت سُن کر اطمینان قلب حاصل کرتے تھے اسی طرح جناب رسالتمآب کے وجود ذی جود کے معجزات وکرامات بھی ان کی تازگی ایمان اور زیادتی یقین کا بہترین ذریعہ تھے اور ان کو بارہا دیکھنے کا شرف حاصل ہوتا تھا چنانچہ آپ کے جسم اقدس کے کمالات جو ہر وقت سامنے تھے یہ ہیں۔

(۱) جس طرح آپ سامنے دیکھتے تھے اسی طرح پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے۔
(۲) آپ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل بیدار رہتا تھا۔
(۳) آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔
(۴) مکھی آپ کے جسم پر نہ بیٹھ سکتی تھی۔
(۵) زمین آپ کے فضلات کو نگل جاتی تھی۔
(۶) بڑے سے بڑا قدآور بھی جب آپ کے پاس کھڑا ہوتا تھا تو آپ کا قد اس سے بلند نظر آتا تھا۔
(۷) آپ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت کا واضح نشان موجود تھا۔
(۸) جس مقام سے آپ کا گذر ہوتا تھا خوشبو کی مہک باقی رہتی تھی جس سے لوگوں کو آپ کے گذر جانے کا علم ہو جاتا تھا۔
(۹) شب تاریک میں آپ کے چہرہ کا نور روشنی کا موجب ہوتا تھا۔
(۱۰) آپ ختنہ شدہ متولد ہوئے تھے (مجمع البیان)
(۱۱) دھوپ میں آپ کے جسم پر بادل سایہ فگن رہتا تھا وغیرہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اور تم پر موت نہ آنے پائے مگر اس حالت میں کہ تم

مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ

مسلمان ہو اور تمسک پکڑو اللہ کی رسی سے مل کر اور جدا جدا نہ ہو اور یاد کیا کرو خدا کی نعمت کو

اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ

جو تم پر ہے کہ تم آپس میں دشمن تھے پس اس نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے سے مانوس کر دیا پس تم اس کی مہربانی سے

إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ

بھائی بھائی ہوگئے اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اس نے تم کو اس سے بچایا اسی طرح بیان کرتا ہے

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

خدا اپنی آیات کو تاکہ تم سلجھو

رکوع ۲

بیانِ تقویٰ

اِتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِہٖ - تقویٰ کے کئی مراتب ہیں اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ تمام واجبات و محرمات میں اس کے احکام کی اطاعت کی جائے اطاعت کی منزلیں جس طرح ایک دوسری سے بلند ہوتی چلی جاتی ہے اسی طرح تقویٰ کے منازل میں ترقی ہوتی جاتی ہے اور اطاعت کی آخری بلند ترین منزل یہ ہے کہ انسان عَبْدِی کُنْ لِیْ اَکُنْ لَکَ (اے بندہ تو میرا ہو جا تو میں تیرا ہو جاؤں) کے مرتبہ تک پہنچ جائے اور یہی تقویٰ کی آخری منزل ہے جس کو حق تقویٰ کہا گیا ہے اور یہ چیز معرفت کے تابع ہے معرفت کا پہلا زینہ ظاہری اسلام اس کے بعد یقین اور پھر علم الیقین اور آخر میں حق الیقین تک پہنچتی ہے اور درحقیقت اسلام کی حقیقی منزل اور واقعی قرارگاہ بھی یہی ہے جس کے متعلق حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لئے دعا طلب کی تھی رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ اور ظاہر ہے کہ جب عہدۂ نبوت و رسالت پر فائز ہونے والا معصوم اپنے لئے اسلام کی دعا مانگ رہا ہے تو اس سے معرفت کی آخری منزل ہی مراد ہو سکتی ہے

اور اسی کو دوسرے مقام پر اطمینانِ قلبی سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي پس معرفت کی منازل کے ساتھ ساتھ اسلام و تسلیم کے مراتب اور اطاعت و تقویٰ کے مدارج میں ارتقاء ہوتا جاتا ہے جب معرفت حق الیقین کے مرتبہ پر پہنچتی ہے تو تسلیم واطاعت میں کُنْ لِيْ اَكُنْ لَكَ کا منظر سامنے ہوتا ہے اور تقویٰ حَقَّ تُقٰتِهٖ کی منزل کو پہنچ جاتا ہے اور تمام انسانوں کو تقویٰ کی اسی آخری منزل تک پہنچنے کی دعوت دی گئی ہے لیکن چونکہ ہر انسان کے بس سے باہر ہے کہ اس مرتبہ پر فائز ہو کیونکہ اطاعت کی بعض منزلیں ایک عام انسان کے لئے ناشدنی اور غیر ممکن معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ اہل معرفت مقامِ سلوک میں انکو اپنے پیچھے چھوڑ کر آگے نکل چکے ہوتے ہیں لہذا دوسرے مقام پر خود ہی ارشاد فرما دیا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (پ۲۸ سورہ تغابن) یعنی تقویٰ اختیار کرو جس حد تک کر سکو۔

میں نے ایک روایت میں دیکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک نماز گذار کے پاس سے گذر ہوا تو اس کی نماز ناقص دیکھ کر حیران ہوئے اور خداوند کریم کی بارگاہ میں اپنی حیرت کا اظہار بھی کیا تو ارشاد ہوا اے موسیٰ تو اپنی معرفت کے ساتھ اس کی عبادت کا موازنہ نہ کر بلکہ اس کی عبادت کا موازنہ اسکی اپنی معرفت سے ہوگا اور تیری عبادت کا موازنہ تیری معرفت سے ہوگا اگر تجھے میری معرفت اس طرح حاصل ہوتی جس طرح میں خود اپنی معرفت رکھتا ہوں تو تجھے اپنی عبادت اسی طرح حقیر معلوم ہوتی جس طرح اب اس عبادت گذار کی عبادت کو تو حقیر سمجھ رہا ہے۔

پس اطاعت و تقویٰ کی آخری منزل تک جانے کی دعوت ہر ایک کو ہے لیکن اس مرحلہ تک جانے والوں کے مراتب میں تفاوت ہے اور ہر شخص اپنی قوتِ معرفت اور طاقتِ ایمان و یقین کی مقدار کے ماتحت اس کی طرف اقدام کرتا ہے اور لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ بھی اسلام کی اسی آخری منزل تک پہنچنے کا پیغام ہے اور قطعاً یہاں اسلام سے اس کا پہلا مرتبہ مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں خطاب ایمان والوں کو ہے اور ایمان کا درجہ اسلام سے بلند ہے بلکہ یہاں اسلام سے اس کا وہ مرتبہ مقصود ہے جو حضرت خلیل نے اپنے لئے طلب کیا تھا اور وہی حق تقویٰ کے مساوی ہے۔

تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس آیت پر سوائے اہلبیت رسول کے اور کسی نے عمل نہیں کیا ہم نے اس کا ذکر کیا اور کبھی اس کو فراموش نہیں کیا ہم نے اس کا شکر کیا اور کبھی کفران نہ کیا اور ہم نے ہی اسکی اطاعت کی اور کبھی گناہ نہ کیا اور یہ آیت اتری تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم میں تاب نہیں کہ حق تقویٰ کی منزل کو پہنچ سکیں تب ارشاد ہوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی تقویٰ کرو جس حد تک کر سکو اور معرفت جب حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچتی ہے تو کبھی عبادت سے سیری حاصل نہیں ہوتی ادھر سے ارشاد ہوتا ہے میرے حبیب ہم نے قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑو (پ۱۶) لیکن اس طرف سے جی نہیں بھرتا۔ عرض کرتے ہیں مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ اور یہ ہے تقویٰ کی آخری منزل اُدھر سے محبت و پیار کے لہجے میں عبادت کے گھٹانے کی فہمائش اور اِدھر سے رنگ عبودیت میں عبادت کے بڑھانے کی خواہش اور کربلا والوں نے حق تقویٰ کا جو مظاہرہ کیا وہ ان کی منزل حق الیقین کا خوب ترجمان ہے۔ اگر طوالت کا

خوف دامن گیر نہ ہوتا تو اس مقام پر روشنی ڈالی جاتی تاہم تاریخ کی اوراق گردانی کے بعد نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللہ کی تفسیر

۱۔ تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دفعہ اہل یمن کا وفد خدمت اقدس جناب رسالتمآبؐ میں پہنچا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ وہ قوم ہے جن کے دل نرم اور ایمان راسخ ہیں اور انہی سے منصور ہوگا جو ستر ہزار کی فوج لے کر میرے خلیفہ اور میرے وصی کے خلیفہ کی نصرت کرے گا اور ان کی تلواروں کے میان کھجور کی ہوں گے انہوں نے عرض کی حضور آپ کا وصی کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا وہ وہی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ الآیہ انہوں نے عرض کی اس حبل سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا۔ خدا فرماتا ہے اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ اللہ کی طرف سے حبل قرآن مجید ہے اور لوگوں میں سے حبل میرا وصی ہے پھر انہوں نے وصی کا مصداق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ وہی ہے جس کو جنب اللہ کہا گیا ہے کہ ارشاد قدرت ہے اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ (پ۲۴ زمر) آپ نے فرمایا کہ اسی کو خدا نے سبیل بھی کہا ہے یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْہِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا (پ۱۹ نمل) جس دن ظالم حیرت وحسرت سے اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا۔ کاش میں نے رسول اللہ کے ساتھ سبیل کو پکڑا ہوتا۔ اس سے مراد میرا وصی ہے اور وہی میرے بعد مجھ تک پہنچانے کا راستہ ہے۔ انہوں نے آپ کو اپنی نبوت کا واسطہ دے کر پھر سوال کیا کہ وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا نے اس کو غور کرنے والوں کے لئے آیت ونشانی قرار دیا ہے۔ لہذا تم اس مجمع کی صفوں میں غور سے نگاہ کرو۔ پس جس کی طرف تمہارا دل جھک جائے سمجھو کہ وہی ہے پس ان میں سے ابو عامر اشعری، ابو غرہ خولانی۔ ظبیان۔ عثمان بن قیس غرفہ دوسی اور لاحق بن علاقہ نے کھڑے ہو کر تمام صفوں پر نگاہ دوڑائی۔ آخر کار حضرت امیرالمومنین علیہ السلام پر ان کی نظر انتخاب نے قرار پکڑا۔ پس جناب رسالتمآبؐ نے ان کی تصدیق وتائید فرمائی اور ان کو نہایت وقیع لفظوں میں خراج تحسین پیش کیا پھر فرمایا کہ تم نے اس کو کس طرح پہچان لیا ہے؟ عرض کرنے لگے حضورؐ! ہم نے جب تمام صفوں کو چھانا تو ہماری نظریں سوائے علی ابن ابیطالبؑ کے کسی پر مطمئن نہ ہوئیں لیکن اس کو دیکھتے ہی آنکھیں سیر ہو گئیں دل ٹھنڈا ہو گیا اور طبیعت میں سکون واطمینان آگیا پس ہم یہ سمجھے یہ وہی ہوگا۔ پھر آپ نے ان کو دعا دی اور شہادت کی بشارت دی اور جنت کا مژدہ سنایا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ لوگ حضرت امیر علیہ السلام کے ہمرکاب ہو کر جنگ صفین میں شہید ہو کر داخل جنت ہوئے۔

۲۔ حضرت علی ابن الحسینؑ سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت رسالتمآبؐ اپنے صحابہ کے ساتھ مسجد میں رونق افروز تھے آپ نے فرمایا ابھی یہاں ایک شخص آئے گا جو اہل جنت سے ہوگا اور کام کی بات پوچھے گا پس فوراً ہی ایک لمبی قد والا جوان جو اہل مصر سے مشابہت رکھتا تھا داخل مسجد ہوا جناب رسالتمآبؐ پر سلام کر کے بیٹھ گیا پھر وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ

پڑھ کر عرض کرنے لگا حضورؐ! فرمائیے حبل اللہ سے کون مراد ہے؟ آپ نے تھوڑی دیر خاموشی سے سر جھکا کر بلند کیا اور علیؑ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ وہی ہے۔ جس نے اس کے ساتھ تمسک پکڑا وہ دنیا و آخرت میں گمراہی سے محفوظ رہا۔ پس اس شخص نے فوراً اٹھ کر حضرت علیؑ کو گلے لگایا اور اِعْتَصَمْتُ بِحَبْلِ اللّٰہِ یعنی میں حبل اللہ سے تمسک رکھتا ہوں کہتے ہوئے چلا گیا ایک شخص نے اُٹھ کر عرض کی یا رسولؐ اللہ۔ اگر اجازت ہو تو میں اس سے بخشش کی دعا کا سوال کروں آپ نے اجازت دی پس وہ باہر آ کر اس سے ملا اور طلب بخشش کی اپنے لئے خواہش ظاہر کی اس نے جواب دیا کہ جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ میرا سوال، وجواب تو نے سن لیا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا ہاں سُنا ہے پس اس نے جواب دیا کہ اگر تو اسی شخص سے تمسک پکڑے گا (یعنی علیؑ سے) تو تیرے لئے خدا کی بخشش ہے ورنہ نہیں۔

۳۔ بروایت اِمالی شیخ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ سے مراد ہم ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ الخ میں حبل اللہ سے مراد بھی ہم ہیں۔

۴۔ جناب رسالتمآبؐ نے مرض موت میں مہاجر و انصار کے مجمع میں ایک خطبہ پڑھتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مہاجر وانصار اور جملہ حاضرین جو اس جگہ موجود ہیں خواہ جن ہوں یا انسان ان کا فرض ہے کہ غیر موجود لوگوں تک میری بات پہنچا دیں اور وہ یہ کہ میں تم میں اللہ کی کتاب چھوڑے جا رہا ہوں جس میں نور و ہدایت اور فرائض خداوندی کا بیان ہے وہ اللہ کی طرف سے اور میری اور میرے دل کی طرف سے تم پر حجت ہے اور میں تم میں علم اکبر علم دین اور نور و شمع ہدایت علی بن ابیطالبؑ کو چھوڑے جا رہا ہوں اور یہ ہے حبل اللہ اس کے بعد وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ کی آیت تا آخر تلاوت فرمائی اور فرمایا اے لوگو! جو شخص علیؑ سے محبت و تولی رکھے گا اس نے اللہ کے عہد کو پورا کیا اور جس نے اس کے ساتھ بغض و عداوت کو برتا تو وہ بروز محشر اندھا و بہرہ محشور ہوگا اور اس کی کوئی شنید نہ ہوگی۔

۵۔ عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ ہم خدمتِ نبوی میں موجود تھے کہ ایک اعرابی نے پوچھا حضور! آپ فرماتے ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ الخ ہمیں بتائیے تو سہی وہ کون حبل اللہ ہے جس سے ہم کو تمسک کا حکم دیا جا رہا ہے تو آپ نے اپنا دستِ مبارک علیؑ کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا اس کے ساتھ تمسک پکڑو کیونکہ یہی حبل اللہ ہے۔

۶۔ بروایتِ عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب حبل اللہ ہیں۔

۷۔ جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی کہ آلِ محمد ہی حبل اللہ ہیں جس سے تمسک کا حکم ہے۔

نیز حدیث ثقلین جو فریقین میں تواتر سے ثابت ہے بلکہ علمائے حدیث سے مروی ہے کہ یہ حدیث جناب رسالتمآبؐ سے پینتیس صحابہ نے روایت کی ہے اور اس کے بعض حوالہ جات بمعہ اصل عبارات مقدمہ تفسیر انوار النجف صفہ ۹۱ تا صفہ ۹۴ میں ہم نے نقل کر دیئے ہیں۔ لہذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تفرقۂ اُمّت

حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ حضرت موسیٰ کی امّت کے اکہتر فرقے ہوئے جن میں سے ایک ناجی اور ستر ناری تھے اور حضرت عیسیٰ کی امّت کے بہتر فرقے ہوئے جن میں سے ایک ناجی اور اکہتر ناری تھے۔ وَاِنَّ اُمَّتِیْ سَتَفْتَرِقُ بَعْدِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَةً۔ فِرْقَةٌ مِّنْهَا نَاجِیَةٌ وَّاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ فِی النَّارِ اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ان میں سے صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا اور بہتر ناری ہوں گے۔ اسی روایت کو ترمذی ابن ماجہ۔ ابو داؤد اور حاکم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ گو الفاظ جدا جدا ہیں لیکن مطلب ایک ہے (میزان)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امّت کے اکہتر فرقوں میں سے ایک ناجی تھا اور وہ یقیناً وہی تھا جو حضرت موسےٰ کے بعد حضرت موسیٰؑ کے وصی حضرت یوشع کی پیروی میں رہا اور جو ان سے انحراف کرکے اپنی خواہشات کی طرف دوڑ کر الگ ہوگئے وہ ناری ہوگئے اور حضرت عیسیٰ کی امّت کے بہتر فرقوں سے ناجی صرف وہی تھا جو حضرت عیسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے نامزد وصی حضرت شمعون کا پیروکار رہا پس جنہوں نے ان سے علیحدگی اختیار کرکے نئی جماعتوں کی تشکیل کی وہ گمراہ ہو کر ناری ہوگئے اسی طرح حضرت رسالتمآبؐ کی امّت کے تہتر فرقوں سے بھی ناجی فرقہ صرف وہی ہوسکتا ہے جو حضرت رسالتمآبؐ کے بعد ان کے نامزد وصی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کا پیروکار رہے گا اور قرآن مجید نے تفرق کی تردید کرکے صرف حبل اللہ سے تمسک پکڑنے کا حکم دیا ہے جس کا مصداق از روئے احادیث صرف حضرت علی بن ابی طالب ہی ہے اور ان کے بعد ان کی عترت طاہرہ ہے اور نیز حدیث ثقلین کے غیر مبہم الفاظ بھی اسی امر کی تائید کرتے ہیں پس یقیناً امّتِ محمدیہ کے تہتر فرقوں میں ناجی فرقہ صرف وہی ہے جو حضرت علیؑ کا پیروکار ہو اور اس کے علاوہ جس قدر فرقے ہونگے از روئے قرآن وحدیث وہ قطعاً ناجی نہیں ہوسکتے (ہم تفسیر انوار النجف جلد دوم میں صـ۱۹۶ تا صـ۲۰۱ اس کی مزید وضاحت کرچکے ہیں)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ الخ بعض روایات میں اُمَّةٌ کی جگہ اَئِمَّةٌ ہے جیسا کہ مجمع البیان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی کہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمام امّت پر واجب ہے؟ تو آپ نے فرمایا! نہیں! پھر سوال کیا گیا کہ یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ عہدہ اس شخص کا ہے جو صاحبِ طاقت ہو جس کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہو اور معروف اور منکر کا عالم بھی ہو ایسے شخص پر یہ فریضہ عائد نہیں ہوتا جو کمزور ہو اور اسے خود بھی سمجھ نہ ہو کہ کہاں سے کہاں جا رہا ہے

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف دعوت دے نیکی کا امر کریں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۴ وَلَا تَكُوْنُوْا

اور برائی سے روکیں اور وہی ہیں فلاح پانے والے اور نہ ہو جاؤ

كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ

ان لوگوں کی طرح جنہوں نے پارٹی بازی اور اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس دلیلیں پہنچ چکیں

وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰۵

اور ایسے لوگوں کے لئے بہت بڑا عذاب ہے

اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ یہ امر خاص ہے عام نہیں جس طرح دوسرے مقام پر ارشادِ خداوندی ہے۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ پ۹ الخ وہاں یہ نہیں فرمایا کہ عَلٰى اُمَّةِ مُوْسٰى یعنی حضرت موسٰی کی قوم میں سے بعض مخصوص اور چند آدمیوں کا یہ عہدہ تھا نہ کہ ساری قوم کا اور اُمَّۃ کا لفظ جس طرح ایک پر اطلاق ہوتا ہے اسی طرح زیادہ پر اطلاق ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کو بھی اُمّت کہا گیا ہے اور اس زمانہ میں اگر ایک شخص کے پاس نہ قوت ہے نہ قبیلہ اور نہ اس کی بات کی لوگوں میں وقعت ہے تو ایسے شخص پر یہ فریضہ عائد نہ ہوگا پھر آپ سے اس حدیث کا مطلب دریافت کیا گیا کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا اِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ اِمَامٍ جَائِرٍ کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے تو آپؑ نے فرمایا کہ اس صورت میں ہے جب اس کی بات قبول کی جاتی ہو اور وہ خود معروف اور منکر کو بھی پہچانتا ہو۔ ورنہ واجب نہ ہو نیز آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مورد مومن ہوتا ہے جو نصیحت قبول کرے یا جاہل جو علم حاصل کرے۔ صاحب تفسیر تلوار و تازیانہ اس کا محل نہیں ہوا کرتا تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حضرت محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کا مصداق آلِ محمدؑ اور ان کے اطاعت گذار ہیں حضرت امیرالمومنینؑ نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ منکر سے روکو اور خود بھی رُک جاؤ کیونکہ روکنے کا حکم رُکنے کے بعد ہوتا ہے اور خدا کی لعنت ہے ان لوگوں پر جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود نہیں کرتے اور لوگوں کو برائی سے روکتے ہیں اور خود نہیں رُکتے، بروایت تہذیب جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ لوگ جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اور نیکی پر ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہیں گے تو ان میں خیر و برکت رہے گی ورنہ برکت ختم ہو جائے گی بعض پر بعض مسلط ہوں گے اور زمین و آسمان میں ان کا کوئی ناصر نہ رہے گا۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۠ وقف

(یاد کرو) جس دن سفید ہوں گے (بعض) منہ اور سیاہ ہوں گے (بعض) منہ۔ پس وہ لوگ کہ سیاہ ہوں گے ان کے منہ (انکو کہا جائیگا)

أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾

کیا تم نے کفر کیا بعد ایمان لانے کے؟ لہذا چکھو عذاب کو۔ بوجہ اس کے کہ تم کفر کرتے تھے

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾

اور وہ لوگ کہ سفید ہوں گے ان کے چہرے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہونگے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾

یہ اللہ کی آیات ہیں جن کی ہم آپ پر تلاوت تساتھ حق کے کرتے ہیں اور نہیں خدا ارادہ کرتا ظلم کا جہان والوں پر

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٩﴾ ع

اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں کے اندر ہے اور اللہ کی طرف تمام امور کی بازگشت ہوگی

نیز امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انبیاء کا طریق اور نیک لوگوں کا راستہ ہے اور یہ وہ اہم فریضہ ہے جس سے تمام فرائض کا قیام ہوتا ہے اسی سے مذہب محفوظ، کسب حلال، مظالم رد اور زمین آباد ہوتی ہے۔ الخبر نیز آپ نے فرمایا کہ حضرت شعیب علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ میں تیری قوم کے ایک لاکھ چوبیس ہزار بدکاروں کو مع ساٹھ ہزار نیکوں کے معذب کرنے والا ہوں "آپ نے عرض کی۔ بدکار تو خیر، لیکن نیکوں کا کیا قصور ہے؟ تو ارشاد ہوا وہ اس لئے کہ یہ ان سے کراہت نہ کرتے تھے اور اُن کے فعل سے چشم پوشی کرتے تھے۔

مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا زمین میں اللہ و رسولؐ کا خلیفہ ہوا کرتا ہے نیز فرمایا کہ لوگوں میں سے نیک ترین شخص وہ ہے جو نیکی کا امر کرے اور بُرائی سے روکے۔

ابو درداء سے مروی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرو گے تو خدا تم پر ظالم بادشاہ کو مسلط کر دے گا جو نہ بڑوں کی عزت کرے گا اور نہ چھوٹوں پر رحم کھائے گا اس وقت نیکوں کی دعا قبول نہ ہوگی۔ مدد طلب کرو گے لیکن مدد نہ کئے جاؤ گے۔ فریاد کرو گے لیکن فریاد رسی نہ ہوگی اور استغفار کرو گے تو بخشش نہ ہوگی اور حذیفہ سے مروی ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے مومن سے لوگ گدھے کے مُردے کو زیادہ محبوب رکھیں گے۔

اَمَّا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد مطلق کافر ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد بدعت ایجاد کرنے والے اور خواہش پرست ہیں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مرتد لوگ ہیں۔ جو اسلام سے پھر گئے۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ میں بروز محشر حوض کوثر پر کھڑا ہوں گا کہ بعض لوگوں کو دُور کیا جائے گا۔ پس میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابی ہیں۔ اس وقت جواب ملے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کونسی بدعات کی ہیں؟ یہ لوگ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔ چنانچہ کتب صحاح اہل سنّت سے بھی یہی مروی ہے جیسا کہ ہم نے مقدمۂ تفسیر انوار النجف میں باحوالہ نقل کیا ہے ص۱۵۳ تا ص۱۵۴

وَاَمَّا الَّذِیْنَ ابْیَضَّتْ ۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے مروی ہے ابوذرؓ کہتا ہے کہ رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ میری امّت بروز محشر پانچ علم لے کر میرے پاس پہنچے گی۔ پہلا علم میری اُمّت کے گوسالہ کا ہوگا۔ میں اُن سے ثقلین کے متعلق بازپرس کروں گا تو وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر کی ہم نے تحریف کی تھی اور اس کو پُشت کے پیچھے ڈال دیا تھا اور ثقل اصغر کو اپنی دشمنی و بغض کا نشانہ بنایا تھا اور اس پر ظلم کیا تھا پس میں کہوں گا۔ جاؤ جہنّم رُوسیاہ اور پیاسے ہو کر۔ پھر فرعون امّت کا علم مجھ پر وارد ہوگا۔ ان سے بھی میں ثقلین کی بابت سوال کروں گا وہ کہیں گے کہ ثقل اکبر کو ہم نے بدل ڈالا تھا اور اُسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کی مخالفت کی اور ثقل اصغر سے لڑائی و دشمنی کی تھی تو میں کہوں گا جاؤ رُوسیاہ اور پیاسے ہو کر۔ تیسرے نمبر پر میری امّت کے سامری کا جھنڈا مجھ پر وارد ہوگا اور میں وہی سوال دہراؤں گا وہ کہیں گے۔ ثقلِ اکبر کو چھوڑ دیا تھا اور اس کی نافرمانی کی تھی اور ثقلِ اصغر کو ذلیل و رسوا کیا تھا ان کو بھی میں کہوں گا۔ جاؤ جہنّم روسیاہ ہو کر اور پیاسے ہو کر۔

پھر ذوالثدیہ کا جھنڈا تمام خوارج کی ہمراہی میں مجھ پر وارد ہوگا اور ان سے بھی وہی سوال کروں گا تو وہ کہیں گے۔ ثقلِ اکبر کو ہم ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ اور ثقلِ اصغر سے لڑے تھے اور ان کو قتل کیا تھا پس ان کو بھی کہوں گا جاؤ جہنّم روسیاہ ہو کر اور پیاسے ہو کر۔ سب سے آخر میں امام المتقین، سید الوصیین، یعنی حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ کا جھنڈا فضا میں لہراتا ہوا پہنچے گا اور میں وہی سوال دہراؤں گا۔ تو یہ لوگ جواب دیں گے۔ ہم نے ثقل اکبر کی اطاعت کی تھی اور ثقلِ اصغر سے تولاو محبّت کرتے ہوئے اُن کی نصرت کی تھی۔ یہاں تک کہ ہم نے اپنے خون کا آخری قطرہ اُن کی نُصرت میں قربان کر دیا تھا۔ پس میں کہوں گا حوض کوثر سے سیراب ہو کر نورانی و سفید چہروں کے ساتھ جنت خلد میں چلے جاؤ۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

تم (محمدؐ و آل محمدؐ) بہتر گروہ جو بھیجا گیا لوگوں (کی ہدایت) کے لیے اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ

منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے اچھا ہوتا

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ

ان میں سے بعض ایمان دار ہیں اور زیادہ فاسق ہیں (یہودی لوگ) ہرگز تمہیں ضرر نہ پہنچا سکیں گے

وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سوائے زبانی تکلیف کے اور اگر تم سے لڑیں بھی تو پشت دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی

رکوع ۳

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ۔ تفسیر برہان اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام کے سامنے یہ آیت اس طرح پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا بہترین اُمت یہی ہے جس نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے دونوں فرزندوں کو بے جرم و گناہ شہید کر ڈالا؟ قاری نے دریافت کیا حضور! پھر یہ آیت کس طرح اتری ہے؟ تو آپ نے فرمایا خَيْرَ اَئِمَّةٍ کے لفظ سے نازل ہوئی ہے (یعنی تم بہترین امام و ہادی ہو) چنانچہ بعد میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کی صفات سے ان کی مدح فرمائی ہے تفسیر عیاشی سے حضرت علی علیہ السلام کی قرأت میں بھی خَيْرَ اَئِمَّةٍ منقول ہے، نیز حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت جناب رسالتمآبؐ اور اس کے اوصیاء طاہرین کے حق میں نازل ہوئی اور موجودہ قرأت کے اعتبار سے اگر لفظ اُمت بھی ہو تو اس سے عام اُمت ہرگز مراد نہیں لی جاسکتی بلکہ وہ اُمت مراد ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے اپنی دعا میں عرض کی تھی وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً اور وہ صرف حضرت رسالتمآبؐ اور ان کی عترت طاہرہ ہیں اور غالباً روایاتِ گذشتہ میں خَيْرَ اَئِمَّةٍ بطور تفسیر و تاویل کے کہا گیا ہے جیسا کہ پہلی روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا تعلیلی بیان اس کا شاہد ہے یعنی خَيْرَ اُمَّةٍ کا مصداق عام اُمت ہرگز نہیں ہوسکتی جنہوں نے آئمہ طاہرین کے بے گناہ خون میں اپنے ہاتھ رنگے بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قرینہ سے یہاں خَيْرَ اُمَّةٍ سے مراد خَيْرَ اَئِمَّةٍ ہے اور اُمّتِ وسطیٰ سے بھی یہی لوگ مراد ہیں ۔ اس سے پہلے یہ ارشاد گذر چکا ہے کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا چاہیئے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ

لازم کردی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں وہ پائے جائیں مگر ساتھ عہد اللہ کے اور عہد

مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ

مسلمانوں کے (جبکہ ذمی بن جائیں) اور بازگشت ان کی خدا کا غضب ہوگا اور لازم کردی گئی ان پر خواری

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ

یہ اس لئے کہ وہ انکار کرتے تھے آیات خدا کا اور مار ڈالتے تھے اللہ کے نبیوں کو ناحق

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

یہ اس لئے کہ وہ نافرمان اور سرکش تھے سب اہل کتاب برابر نہیں اہل کتاب میں سے

فریضہ کو انجام دینے والا ہو۔ پس اسی جگہ خود ہی اس گروہ کی نشاندہی فرمادی اور بوقت نزولِ آیت باقی آئمہ طاہرین کا موجود نہ ہونا باعثِ حرج نہیں کیونکہ ان کا رئیس حضرت امیرالمومنین علیہ السلام موجود تھا اور قرآن چونکہ تاقیامت زندہ ہے لہٰذا اس کے مصداق کا تاقیامت باقی رہنا ضروری ہے پس ہر زمانہ میں اس آیت کا مصداق باقی رہا اور اب حضرت حجت علیہ السلام اس کا مصداق موجود اور زندہ ہے عَجَّلَ اللّٰهُ فَرَجَهٗ۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ ۔ کہتے ہیں کہ رؤساءِ یہود باتوں باتوں میں اسلام لانے والے اہل کتاب کو کوستے تھے اور ان کے سامنے وہ اسلام و بانیٔ اسلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرتے تھے پس مسلمانوں کی دلجوئی کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ ۔ یہ ایک پیشین گوئی ہے جو آنحضرت کی نبوت کی صداقت کی واضح اور روشن دلیل ہے کیونکہ یہود مدینہ مثلاً بنی قریظہ بنی نضیر اور بنی قینقاع اور یہود خیبر نے مسلمانوں سے چھیڑنے کی کوشش کی اور بُری طرح رسوا ہوئے۔

يَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ ۔ تفسیر صافی اور تفسیر برہان میں کافی وعیاشی سے منقول ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ہاتھ اور تلوار سے انبیاء کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کی باتوں کو پھیلا دیا اور ان کے رازوں کو افشاء کیا تھا جس کی وجہ سے وہ گرفتار ہو کر قتل کردیئے گئے پس قتل، سرکشی اور نافرمانی ان لوگوں کی طرف منسوب ہوئی جنہوں نے اس کا افشاء راز کیا تھا۔ اور قیامت تک کے لئے جو لوگ اس بدعادت کے مرتکب ہوں گے وہ انہی آیات کے مصداق ہوں گے پس اگر ان کی باتوں کے اثرات قتل نبی تک پہنچیں تو وہ قاتل نبی ہوں گے اور اگر ان کے افشاء راز کا انجام قتل امام ہو تو قاتل امام ہوں گے اور اگر مومن کے قتل کا سبب بنیں گے تو وہ مومن کے قاتل ہوں گے (خدا تمام مومنین کو اس قسم کی بدعادات سے محفوظ رکھے)

أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾

ایک گروہ ایسا ہے جو (دین پر) ثابت قدم ہے وہ پڑھتے ہیں آیاتِ خدا کو اوقاتِ شب میں درحالیکہ وہ نماز پڑھتے ہیں

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت پر اور امر کرتے ہیں نیکیوں کا اور منع کرتے ہیں

الْمُنكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا

برائیوں سے اور جلدی کرتے ہیں امورِ خیر میں اور وہی لوگ صالحین میں سے ہیں اور جو

يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾ إِنَّ

بھی کریں کوئی نیکی پس اس کی جزا سے محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے تحقیق

الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ

جو لوگ کافر ہیں ہرگز نہ بے پرواہ کریں گے ان کو اپنے اموال اور نہ اپنی اولاد اللہ (کے عذاب)

اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

سے کچھ بھی اور وہی اصحابِ نار ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے

نمازِ تہجّد کی فضیلت

آنَاءَ اللَّيْلِ ۔ یہ ان لوگوں کی مدح ہے جو نمازِ تہجّد میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں ۔ وافی میں کافی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ مومن کے لئے تین چیزیں باعثِ فخر ہیں (۱) آخر شب میں نماز (۲) لوگوں کے مال سے بے نیاز ہونا (۳) ولایتِ امامِ حق جو اہلبیت سے ہو ۔ کتاب تہذیب سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جن گھروں میں نمازِ شب میں تلاوتِ قرآن پاک ہوتی ہے وہ اہل سما کے لئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح اہلِ زمین کے لئے ستارے چمکتے ہیں ۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ مومن کا شرف ہے نمازِ شب پڑھنا اور مومن کی عزّت ہے لوگوں کی ناموس سے ہاتھ روکنا نیز آپ نے نمازِ شب کی تین خاصیتیں بیان فرمائی ہیں ۔ (۱) چہرہ کو روشن کرتی ہے (۲) منہ کی بُو کو پاکیزہ کرتی ہے (۳) رزق کو بڑھاتی ہے اس کے علاوہ متعدد روایات میں ہے کہ

نمازِ شب وسعتِ رزق کی موجب ہے۔ جناب رسالتمآبؐ نے ابوذر کو فرمایا کہ جس کا خاتمہ نمازِ شب سے ہو اس کے لئے جنت واجب ہے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے نمازِ شب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ثواب کی خاطر پورے خلوص کے ساتھ رات کا دسواں حصہ نمازِ شب پڑھے تو خدا ملائکہ کو حکم فرماتا ہے کہ اس رات میں اگنے والی تمام انگوریوں پتوں اور درختوں کی تعداد کے برابر اس کے نامہ اعمال میں اس کی حسنات درج کرو۔ اور اگر رات کا نواں حصہ عبادت کرے تو خدا اس کی دعائیں قبول فرماتا ہے اور بروز محشر اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور جو شخص رات کا آٹھواں حصہ عبادت میں بسر کرے تو اس کو ایک شہید کا ثواب عطا ہوگا اور اس کو اپنی اہلبیت میں شفاعت کا حق دیا جائے گا اور جو شخص رات کا ساتواں حصہ پڑھے تو جب وہ قبر سے محشور ہوگا اس کا منہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوگا اور پرامن پل صراط سے عبور کرے گا اور جو شخص رات کا چھٹا حصہ عبادت میں بسر کرے وہ اولین کی فہرست میں شمار ہوگا اور اس کے گذشتہ گناہ معاف کئے جائیں گے اور جو رات کا پانچواں حصہ عبادت کرے اُسے حضرت ابراہیم خلیل کے بالمقابل قبۂ نور عطا ہوگا اور جو رات کا چوتھائی حصہ عبادت کرے وہ نجات پانے والی پہلی جماعت میں ہوگا اور تیز ہوا کی طرح پل کو عبور کر جائے گا اور جنت میں بلا حساب پہنچے گا اور جو شخص تہائی رات عبادت خدا میں مصروف رہے تو اس کی منزلت قرب پر تمام ملائکہ رشک کریں گے اور اسے اختیار دیا جائے گا کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس دروازہ سے چاہے گذرے اور جو شخص نصف شب عبادت میں گذارے تو اس کو اس قدر ثواب ملے گا کہ ہزار گنا اس زمین سے زیادہ سونا بھی اس جگہ کو پُر نہ کر سکے گا اور اولادِ اسمٰعیل میں سے ستر غلاموں کے آزاد کرنے سے بھی اس کا ثواب زیادہ ہوگا اور جو شخص دو تہائی رات عبادت میں بسر کرے تو ریگ صحرا کے دانوں سے اس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور اس کی ہر نیکی کوہِ اُحد سے دس گنا زیادہ وزنی ہوگی اور جو شخص تمام رات نماز میں تلاوتِ قرآن کے ساتھ گذار دے اور رکوع سجود اور ذکر میں مصروف رہے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک کیا جائیگا جس طرح نوزائیدہ بچہ اور تمام خلقِ خدا کے برابر اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور اسی قدر ہی اس کو درجات عطا ہوں گے اس کی قبر نورانی ہوگی حسد وکینہ اس کے دل سے دُور کیا جائے گا۔ عذابِ قبر سے محفوظ ہوگا جہنم سے آزادی کا پروانہ اس کو دیا جائے گا۔ امن پانے والوں میں مبعوث ہوگا اور خدا فرشتوں سے خطاب فرمائے گا کہ دیکھو میرے اس بندے نے میری رضامندی کی خاطر رات آنکھوں سے گذار دی پس اس کی جگہ جنت الفردوس میں تیار کرو جس میں اس کے لئے ایک ہزار شہر ہوں گے کہ ہر شہر میں اس کے لئے تمام وہ سامان موجود ہو جو سرورِ قلب اور خنکیٔ چشم کا باعث ہو جو اب تک کسی فرد بشر کے دل میں بھی نہ گذرا ہو اور میرا قرب اور کرامت اس کے علاوہ ہے (وافی)

مسئلہ:- نمازِ تہجد کا وقت نصف شب کے بعد شروع ہو کر طلوعِ صبح تک رہتا ہے البتہ بعض معذوریوں کے ماتحت نصف شب سے قبل بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔

مسئلہ:- نمازِ شب کل ۱۱ رکعت ہوتی ہے۔ پہلی آٹھ رکعتیں بنیت نمازِ تہجد دو، دو رکعت کر کے پڑھے اور پھر دو رکعت نمازِ شفع اور پھر ایک رکعت نمازِ وتر پڑھے۔ نمازِ تہجد میں ہر دوسری رکعت میں قنوت مستحب ہے اور نمازِ شفع میں قنوت نہیں ہے اور نمازِ وتر میں قنوت پڑھے جس میں کم از کم چالیس مومنوں کے لئے دعائے مغفرت اور ستر مرتبہ استغفار پڑھے اور تین سو دفعہ

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ

جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں وہ اس طرح (برباد ہے) جیسے ایک ہوا جس میں سخت خشکی ہو پڑجائے

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ

اس قوم کی کھیتی پر جنہوں نے اپنے اُوپر ظلم کیا پس وہ ہوا اس کو برباد کردے اور نہیں ظلم کیا ان پر خدا نے بلکہ وہ

يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ

خود اپنے اُوپر ظلم کرتے ہیں اے ایمان والو! نہ بناؤ اپنے بھیدی دوست سوائے اپنوں کے (کیونکہ) وہ نہیں کوتاہی کرتے تمہاری

خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ

ضرر رسانی میں وہ چاہتے ہیں کہ تم مشقت میں پڑو ان کا بغض و عناد ان کے مونہوں سے ظاہر ہے اور ان کے دلوں

صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ

میں جو مخفی ہے وہ اس سے زیادہ ہے ہم نے تمہارے لئے آیات بیان کردیں اگر تم عقل رکھتے ہو دیکھئے! تم ان

العفو پڑھے۔ یہ مختصر طریقہ ہے نماز تہجد کا۔ اس کی پوری تفصیل اور جملہ ادعیہ کتب اعمال میں موجود ہے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ ۔ اس میں مفسرین کے متعدد اقوال ہیں۔ ۱۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے بدر و اُحد میں حضرت رسالتمآبؐ کے مقابلہ میں جو کچھ خرچ کیا تھا۔ ۲۔ عوام یہود جو کچھ اپنے علماء کو بطور رشوت یا خدمت کے دیتے تھے۔ ۳۔ کفار کے جملہ صدقات و خیرات۔ یہ تمام اس طرح رائیگاں ہیں جس طرح کسی کھیتی کو تند و سرد ہوا برباد کردے۔ نہ دنیا میں اس کا کچھ فائدہ ان کو ملا کیونکہ شکست خوردہ ہوئے اور نہ آخرت میں اس کا کچھ فائدہ ان کو ہوگا بلکہ اُلٹا زیادہ عذاب کے سزاوار ہوں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ مسلمانوں کا ایک گروہ اپنی سابقہ دوستی قرابت پڑوس اور قسم کی بنا پر یہودیوں سے میل جول رکھتا تھا اور بعض اوقات ان سے اپنے راز تک بیان کردیتا تھا پس خدا نے ان کو اپنی اس غلطی سے متنبہ فرمایا اور ان کو اپنا رازدار بنانے سے روکا۔ نیز یہ آیت صرف انہیں لوگوں کے لئے مختص نہیں بلکہ تا قیامت ایمان والوں کو دعوت دی گئی ہے کہ اپنی دوستی و محبت کو صرف ایمانی بھائیوں تک محدود رکھیں اور غیر مومن سے سلسلۂ محبت چھوڑ دیں کیونکہ وہ ظاہراً محبت کا اظہار کرتے ہیں اور دل میں ان کی ہلاکت کے خواہشمند ہوا کرتے ہیں۔

أُولَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَإِذَا لَقُوكُمْ

سے محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم ایمان رکھتے ہو تمام کتابوں پر اور جب وہ تم سے ملتے ہیں

قَالُوٓا اٰمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا

تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو کاٹتے ہیں تمہارے اوپر اپنی انگلیاں غصے سے فرما دیجئے مر جاؤ

بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ

اپنے غصہ کی وجہ سے تحقیق اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی باتوں کو اگر تمہیں چھو جائے کوئی بھلائی

تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ

تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ضرر نہ دے گا

وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ - یہاں لفظ کتاب اگرچہ واحد ہے لیکن مراد جمع ہے یعنی کتاب سے یہاں جنس کتاب مراد ہے یا یہ کہ کتاب مصدر ہے اور مراد تمام کتب آسمانی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ تم تمام کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہو اور وہ لوگ تمہاری کتاب (قرآن مجید) کو نہیں مانتے پھر باہمی دوستی کیسی؟

إِنْ تَمْسَسْكُمْ - یعنی ان کی تمہارے ساتھ قلبی دشمنی اس سے واضح ہے کہ جب تم کو معمولی سا فائدہ بھی حاصل ہو جائے تو انہیں برا لگتا ہے اور جب تم کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو وہ خوش ہوتے ہیں پہلے مقام پر مساس اور دوسرے مقام پر اصابہ کا استعمال جس باریکی و دقت کی طرف اشارہ ہے اسے صاحبانِ ذوق خوب سمجھ سکتے ہیں اور یہ معنوی خوبیاں صرف اسی کلام بلاغت نظام کا ہی حصہ ہیں یعنی اگر کوئی بھلائی تمہیں معمولی طرح چھو بھی جائے تو ان کو دلی کوفت ہوتی ہے اور دوسری طرف اگر اچھی خاصی تکلیف پہنچے تو وہ فرحت محسوس کرتے ہیں اور کسی کی کسی کے ساتھ حد درجے کی دشمنی کی علامت بھی یہی ہوا کرتی ہے

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا - اہل ایمان کو خداوند عالم نے جگہ بجگہ صبر و تقویٰ کی تلقین فرمائی ہے اور یہ دونوں چیزیں معرفت سے حاصل ہوتی ہیں معرفت جس قدر زیادہ ہوتی ہے برداشت کی ہمت اسی قدر زیادہ ہوا کرتی ہے اور تقویٰ کی منازل میں بھی اسی نسبت سے ترقی ہوتی ہے احکام خداوندی پر صبر و سکون اور اطمینان و رضا کے ساتھ عمل پیرا رہنا اور اس معاملہ میں کسی کی طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کرنا صبر ہے اور اللہ کی نافرمانیوں سے دامن بچا کر رہنا اور خواہشاتِ نفس کی اتباع سے گریز کرنا تقویٰ ہے اور درحقیقت صبر و تقویٰ ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں جب انسان معرفت و دانش اور عمل و کردار سے اس منزل پر فائز ہو جائے تو اس پر کسی کے مکر و فریب کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ کسی کی طعن و تشنیع یا ایذا رسانی اسے اپنی منزل سے ذرہ بھر بھی پیچھے ہٹا سکتی ہے۔

كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ

تمہیں ان کا فریب کچھ بھی — تحقیق اللہ احاطہ کرنے والا ہے اس کا جو کچھ وہ کرتے ہیں — اور جب صبح کو آپ گھر سے باہر

أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾

نکل کر — معین فرما رہے تھے — مومنوں — کے لئے ٹھکانے لڑائی کے — اور خدا سننے اور جاننے والا ہے

إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللَّهِ

جب ارادہ کیا تم میں سے — دو گروہوں نے کہ بزدلی کریں — اور خدا ان کا ناصر تھا اور اللہ — پہ ہی مومنوں

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾

کو توکل کرنی چاہیئے

رکوع ۴

جنگِ اُحد

وَإِذْ غَدَوْتَ ۔ اس کے نزول میں اختلاف ہے لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی مروی ہے کہ یہ جنگ اُحد کے متعلق ہے جیسا کہ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے ۔ جنگِ احد ۳ھ ماہِ شوال میں پیش آیا ۔ واقعہ اس طرح ہے کہ جب قریشِ مکہ جنگِ بدر میں بُری طرح شکست خوردہ ہو کر واپس مکہ میں پہنچے کیونکہ جنگِ بدر میں ان کے ستر سر برآوردہ آدمی قتل ہوئے تھے اور ستر قید ہوئے تھے ۔ ابوسفیان نے قریش سے کہا کہ عورتوں کو اپنے مقتولین پر رونے نہ دیا جائے کیونکہ جہاں ایک طرف ہمارے دشمن (محمدؐ) خوش ہوں گے وہاں دوسری طرف رونے اور آنسو بہانے سے غم غلط ہو جائے گا اور دل میں جذبۂ انتقام نہ رہے گا پس بنی کنانہ اور دیگر اپنے حلیف قبائل عرب سے کافی فوج اور اسلحہ مہیا کر کے آمادہ جنگِ اُحد ہوئے چنانچہ پانچ ہزار کا لشکر لے کر نکلے جن میں تین ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ تھے اور عورتوں کو بھی ساتھ لائے تاکہ اپنے مردوں کو جوش دلائیں ابوسفیان اپنے ساتھ ہند بنت عتبہ کو لایا نیز عمرۃ بنت علقمہ حارثیہ بھی ان کے ساتھ تھی ۔ جب جنابِ رسالتمآبؐ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھے بذریعہ وحی خبر پہنچی ہے کہ قریش ایک لشکرِ عظیم لے کر مدینہ پر چڑھائی کر رہے ہیں پس آپ نے صحابہ کو جہاد پر آمادہ کیا ۔ عبداللہ بن ابی سلول اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہمیں مدینہ سے باہر نہ جانا چاہیئے بلکہ یہیں لڑیں گے کیونکہ یہاں رہتے ہوئے ہمارے کمزور آدمی، عورتیں ۔ غلام اور کنیزیں بھی گلیوں کے موڑ

میں چھتوں پہ اپنا بچاؤ کر کے دشمن سے حسب استطاعت لڑ سکیں گے اور ہمارا تجربہ ہے کہ جب کبھی ہم دشمن سے اس طرح لڑے ہیں تو ہم کامیاب ہوئے ہیں اور جب بھی ہم گھروں کو چھوڑ کر لڑنے کے لئے باہر نکلے ہیں تو ہم شکست خوردہ ہوئے ہیں پس سعد بن معاذ اور قبیلہ اوس کے بعض آدمی اٹھے اور عرض گذار ہوئے حضورؐ! جب ہم مشرک تھے اور بت پرست تھے اسی وقت بھی عرب کا کوئی قبیلہ ہم سے لڑنے کی جرأت نہ رکھتا تھا اب جبکہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہے کس طرح دشمن ہم پر فتح یابی کی توقع رکھتا ہے۔ ہم بزدلی اور کمزوری کا اظہار کیوں کریں بلکہ ہم ضرور باہر نکل کر کھلے میدان میں جان توڑ کر لڑیں گے ہم میں سے جو قتل ہوگا شہید ہوگا اور جو بچ جائے گا مجاہدین میں اس کا نام باقی رہے گا پس آپ کو یہ مشورہ پسند آیا اور اپنے صحابہ کی جماعت کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اور لڑائی کے مواقع پر صحابہ کو تعینات فرمایا چنانچہ یہ آیت اسی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

جناب رسالتمآبؐ صحابہ سے مشورہ لینے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے اور فرمایا کسی نبی کے لئے درست نہیں کہ زرہ پہن کر لڑائی کئے بغیر اسے اُتار دے پس آپ سات سو مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئے اور عبداللہ ابن اُبی مع اپنی جماعت کے نہ آیا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ ایک ہزار کی جماعت کے ساتھ نکلے لیکن جب مدینہ اور اُحد کے درمیان ایک مقام پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی واپس پلٹ گیا اور اس کے ساتھ ایک تہائی فوج بھی واپس ہوگئی۔ مسلمانوں کے دو گروہ بنو سلمہ قبیلہ خزرج سے اور بنو حارثہ قبیلہ اوس سے جو انصار میں سے تھے انہوں نے بھی عبداللہ بن اُبی کی جماعت سے مل کر واپس ہونے کا ارادہ کیا لیکن توفیق خداوندی ان کے شامل حال ہوئی پس وہ ثابت قدم رہ گئے چنانچہ قرآن مجید کی آیت میں انہی کی طرف اشارہ ہے پس جناب رسالتمآبؐ اپنی فوج کے ساتھ کوہِ احد کے دامن میں قیام پذیر ہوئے اور فوجی کیمپ کے لئے ایسی جگہ کو منتخب فرمایا جہاں پیچھے سے پہاڑ اور سامنے کی طرف لڑنے کا میدان تھا۔ پہاڑ میں ایک درہ تھا جہاں سے یہ امکان تھا کہ شاید دشمن اس درہ سے آکر پیچھے سے حملہ کر دیں تو وہاں عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ اگر دشمن (خدانخواستہ) غالب آکر ہم کو مدینہ پہنچا دیں یا ہم غلبہ کی صورت میں دشمن کو مکہ پہنچا دیں۔ ہر دو صورت میں جب تک میرا حکم ثانی نہ پہنچے تم لوگ اس درہ پر ثابت قدم رہنا اور اس کو نہ چھوڑنا۔ اُس طرف ابوسفیان نے خالد بن ولید کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ کمین گاہ پہ مقرر کیا کہ جب دونو فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں تو تم اس درہ سے گذر کر پیچھے سے حملہ آور ہو جانا۔

حضرت رسالتمآبؐ نے فوج کا علم حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے حوالہ کیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ انصار نے ایک ہی حملہ میں کفار قریش کے دانت کھٹے کر دیئے پس ان میں بھاگڑ پڑ گئی تو ادھر صحابہ نے کفار کے اموال میں لوٹ شروع کر دی۔ خالد بن ولید نے درہ سے آنا چاہا لیکن عبداللہ بن جبیر اور اس کے ہمراہیوں نے اس کو پسپا کر دیا۔ جب عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے دیکھا کہ کفار بھاگ گئے ہیں اور صحابہ لوٹ کھسوٹ میں شروع ہیں تو انہوں نے عبداللہ بن جبیر سے لوٹ میں شرکت کے لئے اجازت چاہی تو عبداللہ نے جناب رسالتمآبؐ کا فرمان دھرا کر ان کو اس ارادہ سے باز رہنے کی تلقین کی لیکن انہوں نے نہ مانی اور ایک ایک دو دو ہو کر وہاں سے کھسکنا شروع کر دیا یہاں تک کہ عبداللہ بن جبیر کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے۔

جنگ کی صورت یہ تھی کہ قریش کا علم قبیلۂ عبدالدار کے ایک شخص طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا (اس کو کبش الکتیبہ کہتے تھے) اس نے میدان میں قدم رکھتے ہی ان الفاظ سے مبازرطلبی شروع کر دی اے محمدؐ! تمہارا عقیدہ ہے کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھوں قتل ہو تو وہ دوزخ جاتا ہے اور تمہارا جو بندہ ہم قتل کریں وہ شہید ہوتا اور جنت میں اس کا مقام ہوتا ہے پس تم میں جس کو جنت کی شوق ہو وہ میرے مقابل میں آئے اور جنت میں جائے پس اس طرف سے حضرت امیر علیہ السلام نکلے اور ان اشعار سے رجز خوانی فرمائی

يَا طَلْحَ اِنْ كُنْتَ كَمَا تَقُوْلُ لَكُمْ خُيُوْلٌ وَلَنَا نُصُوْلُ
فَاثْبُتْ لِتَنْظُرَ اَيُّنَا الْمَقْتُوْلُ وَاَيُّنَا اَوْلٰى بِمَا تَقُوْلُ
فَقَدْ اَتَاكَ الْاَسَدُ الصَّؤُوْلُ بِصَارِمٍ لَيْسَ لَهٗ فُلُوْلُ
يَنْصُرُهُ الْقَاهِرُ وَالرَّسُوْلُ

"اے طلحہ اگر تیری بات سچی ہے کہ تمہارے لئے گھوڑے اور ہمارے لئے تلوار کے پھل ہیں۔ ٹھہر پھر دیکھ ہم میں سے کون مقتول ہوگا اور کون تیرے مقولے کا سزاوار ہوگا۔ اب تیرے سامنے شیر جری ہے جس کی قاطع تلوار کبھی کند نہیں ہوتی جس کی جنگ کا تماشا خدا اور رسول دیکھنے والے ہیں۔

طلحہ نے سوال کیا۔ آپ کون ہیں؟ فرمایا علی بن ابی طالب ہوں تو کہنے لگا اے قضیم۔ مجھے پتہ تھا کہ تیرے سوا میرے مقابلہ کی اور کوئی جرأت نہ کرے گا۔ پس اس نابکار نے وار کیا۔ آپ نے اس کو جرأت سے رد کیا پھر اس پر ایسا وار کیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اس کے فی النار ہو جانے کے بعد فوجِ قریش کا علم طلحہ کے بھائی ابوسعید بن ابی طلحہ نے سنبھالا اور وہ بھی ایک جنبش ید اللہی سے لقمۂ اجل ہوا پھر اس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے علم لیا وہ بھی ایک ضربتِ حیدری سے واصل بجہنم ہوا پس مسافع بن ابی طلحہ کی باری آئی وہ بھی جہنم زدن میں داروغۂ جہنم کے سپرد ہوا پھر حارث بن ابی طلحہ علم لے کر آگے بڑھا تو حضرت علیؑ نے ایک ہی حملہ میں اس کو اپنے باقی بھائیوں کے عقب میں خازن نار کے حوالہ کر دیا پھر یکے بعد دیگرے ابوعزیز بن عثمان اور عبداللہ بن جمیلہ بن زہیر علم لے کر آگے بڑھے اور ڈھیر ہو گئے پھر ایک اور شخص نے علم لیا اور آخر میں نویں مرتبہ ارطاۃ بن شرجیل نے علم پکڑا اور صولت حیدری کا ذائقہ چکھ کر دوزخ کا راستہ لیا۔ جب بنی عبدالدار کے نو چیدہ نشانچی قتل ہو گئے تو ان کے ایک غلام صواب نامی نے علم اٹھا لیا اور حضرت امیرؑ کے مقابلہ میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت امیرؑ نے ایک حملہ سے اس کا دایاں ہاتھ جدا کر دیا۔ اس نے پھرتی سے علم دوسرے ہاتھ میں لیا پس حضرت امیرؑ نے اس کو دوسرے وار سے جدا کر دیا تو اس نے دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے سینے کے سہارے علم کو بلند کئے رکھا لیکن اب کی مرتبہ جو حضرت امیرؑ نے اس کے سر پر تلوار رسید کی تو موت نے اس کو آغوش میں لے کر نہایت اطمینان سے اسے بھی دربانِ دوزخ کے حوالہ کر دیا پس کفار قریش میں آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی تو انہوں نے میدان سے بھاگنے کی صورت اختیار کی عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے جب علم کو زمین پر پڑا ہوا پایا اور دیکھا کہ قریش کے قدم اکھڑ گئے ہیں تو اس نے بڑھ کر فوراً علم کو بلند کیا اور قریشیوں کو لعن طعن کر کے واپس آنے اور جنگ کرنے کی دعوت دی۔ ادھر جب عبداللہ بن جبیر کو چھوڑ کر اس کے ساتھی لوٹ کھسوٹ

میں شامل ہوئے تو خالد بن ولید جو ایک مخصوص دستے کے ساتھ اسی درہ پر کمین لگائے بیٹھا تھا اس نے درہ کو خالی دیکھ کر دو سرے ساتھیوں سمیت حملہ کر دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن جبیر اپنے بارہ ہمراہیوں سمیت وہیں شہید ہو گیا اور خالد بن ولید نے درّہ سے گذر کر پیچھے سے فوجِ اسلام پہ حملہ کر دیا۔ یہ لوگ تو نہایت اطمینان سے لوٹنے میں مشغول تھے انہیں کیا معلوم تھا کہ ابھی کوئی ہماری تاک میں بھی ہے۔ اس طرف میدان سے جاتے ہوئے جب کفارِ قریش نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو عَلم بلند تھا۔ انہوں نے سمجھا ابھی ہمارا کوئی نشانچی دعلمبردار باقی ہے پس ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور فوجِ اسلام ہر دو طرف سے محاصرہ میں آگئی اب ان کو لوٹ بھی بھول گئی اور میدان سے بھاگنے کی سوجھی چنانچہ پہاڑی جانوروں کی طرح بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھتے تھے حضرت رسالتمآبؐ نے اپنے سر مبارک سے خود کو ہٹا کر آوازیں دیں کہ میں رسولِ خدا زندہ ہوں تم کدھر جا رہے ہو؟ لیکن پیچھے مڑ کر بھی کسی میں دیکھنے کی جرأت نہ تھی۔

لشکرِ قریش میں ہند بنت عتبہ (مادرِ معاویہ) یہ پارٹ ادا کر رہی تھی کہ جب بھی کوئی قریشی بزدلی کا اظہار کرتا تھا تو یہ سُرمہ اور سلائی اس کے پیش کر کے کہتی۔ یہ لو تم سُرمہ لگا کر گھروں میں پردہ نشین بن بیٹھو۔ لڑنا مردوں کے لئے ہوا کرتا ہے (گویا تم نامرد ہو)

حضرت حمزہ نے اس جنگ میں وہ جوہر شجاعت دکھائے کہ کفار میں اس کے مقابلہ کی ہمت نہ رہی جب یہ جرّی شیرانہ وار آگے بڑھتا تھا تو کسی کافر کے اس کے سامنے قدم نہ جم سکتے تھے۔ آخر کار ہند نے ایک حبشی کو انعام کا لالچ دیا تاکہ محمدؐ یا علیؑ یا حمزہؓ میں سے کسی ایک کو قتل کر دے وہ وحشی جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔ اس نے جواب دیا کہ محمدؐ کو قتل کرنا میرے بس کا روگ نہیں اور علیؑ کا قتل بھی کارے دارد۔ کیونکہ وہ بھی پوری طرح چوکنے ہو کر نہایت ہوشیاری سے میدان کارزار میں مصروفِ حرب و ضرب ہیں البتہ حضرت حمزہؓ کے لئے کوشش کروں گا۔ چنانچہ یہ چھپ کر ایک مقام پہ تاک میں بیٹھا ادھر جنگ کرتے ہوئے حضرت حمزہؓ جب اس کے پاس سے گذرے تو اتفاقاً ایک غیر ہموار جگہ سے ان کا قدم پھسلا اور وہ گر پڑے پس اس نابکار نے فوراً نیزہ سنبھالا اور اُن کے پہلو مبارک پہ اس زور سے مارا کہ وہ پار ہو گیا اور آپ نے جام شہادت نوش فرما کر جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔ اس ملعون نے ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا جگر نکالا اور ہند کو بطور ہدیہ پیش کیا چنانچہ اس ملعونہ نے اس کو اپنے حسد کی آگ ٹھنڈا کرنے کی خاطر اپنے منہ میں چبایا بقدرتِ خدا وہ پتھر کی طرح سخت ہو گیا پس اس نے اس کو منہ سے نکال کر پھینک دیا جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ ملائکہ نے اسے حضرت حمزہؓ کے جسم میں اپنے اصلی مقام پہ رکھ دیا اور بعض روایات میں ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کیونکر ممکن تھا کہ حمزہ کا کوئی حصہ نار میں جاتا؟ پس ہند خود آئی اور اس نے حضرت حمزہ کے ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالے اور لاش کا اس طرح مثلہ کیا کہ وہ دیکھنے کے قابل نہ رہی۔ حضرت رسولِ خداؐ لاش پر بہت روئے۔

متفق علیہ روایات کے ماتحت جناب رسالتمآبؐ کے پاس سوائے ابو دجانہ انصاری اور حضرت امیر علیہ السّلام کے اور کوئی نہ رہا میزان بروایت قمی۔ نسیبہ بنت کعب مازنیہ بھی جناب رسالتمآبؐ کے پاس ثابت قدم رہی یہ ہمیشہ جنگوں میں آنحضرتؐ کے ساتھ زخمیوں کے علاج کے لئے حاضر ہوا کرتی تھی اس دفعہ اس کا بیٹا بھی حاضر تھا جب اس نے بھاگنا چاہا تو ماں نے اسے لعن طعن کر کے بھاگنے سے روک لیا چنانچہ وہ ثابت قدم رہا اور بالآخر شہید ہو گیا اس نیک نصیب عورت نے اپنے بیٹے کی تلوار لے

کر حملہ کیا اور ایک کافر کو تہہ تیغ کر ڈالا جناب رسالتمآبؐ نے اس کے لئے خیر و برکت کی دُعا کی پس اس نے پروانہ وار آنحضرت کے جسم کی حفاظت کی اور اس سلسلہ میں اپنے جسم پر کافی زخم برداشت کئے اس نے آنحضرت کے کہنے پر ایک ڈھال اٹھا کر مردانہ وار جہاد کر کے حضورؐ کی حفاظت کا فریضہ ادا کیا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ فلاں و فلاں بھاگنے والوں سے تو نسیبہ کا درجہ افضل ہے۔

حضرت امیر علیہ السلام کی یہ حالت تھی کہ جب بھی کوئی گروہ جناب رسالتمآبؐ پر حملہ آور ہوتا تھا تو حضرت علیؑ ان کو اپنی جرأت و شجاعت سے پسپا کرتے تھے۔ یہانتک کہ تلوار شکستہ ہوگئی پس حضرت رسالتمآبؐ نے ان کو ذوالفقار عنایت فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت نے درختِ خرما کی خشک شاخ توڑ کر دی جو تلوار آبدار بن گئی اور بروایت حضرت صادق علیہ السلام جبرئیل آسمان و زمین کے درمیان سنہری کرسی پر بیٹھ کر یہ کہہ رہے (لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار لَا فَتٰی اِلَّا عَلِی) اور حضرت رسالتمآبؐ سے یہ کہہ رہے تھے کہ حضور! ہمدردی و وفاداری اسی کا نام ہے جو علیؑ سے ظاہر ہے تو آپ نے فرمایا اِنَّہٗ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں پس جبرئیل نے جواب دیا میں تم دونوں میں سے ہوں اس جنگ میں حضرت علیؑ کے جسم مبارک میں باختلافِ روایات ستر یا نوے زخم لگے جو سب کے سب سامنے کی طرف تھے۔

مورخین نے ذکر کیا ہے کہ کفار قریش ۳ھ ماہ شوال بروز بدھ احد میں اترے تھے اور جناب رسالتمآبؐ نے اپنی فوج کے ساتھ بروز جمعہ اور بعد از نماز جمعہ نزول اجلال فرمایا تھا اور یہ لڑائی بروز سنیچر واقع ہوئی تھی جبکہ چاند کی پندرھویں تھی (میزان) اور بعض روایات میں چاند کی ساتویں منقول ہے (دمعۂ ساکبہ)

عمرو بن قیس جو دل سے اسلام کی صداقت کا قائل تھا ابھی تک اس نے ظاہری طور پر اقرار شہادتین نہیں کیا تھا جب اس نے سُنا کہ حضرت رسالتمآبؐ خود بنفس نفیس ڈھال تلوار لے کر مصروفِ جہاد ہیں شیرِ غضبناک کی طرح آگے بڑھا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر کے بحرِ جنگ میں غوطہ زن ہوا اور جامِ شہادت نوش فرما کر داخلِ جنت ہوا ابھی تک اس میں رمقِ جان باقی تھی کہ ایک انصاری کا پاس سے گذر ہوا۔ اس نے پوچھا کیا تو آبائی دین پر باقی ہے؟ اس نیک بخت نے جواب دیا نہیں بلکہ میں توحید و رسالت کی شہادت کا اقرار کر چکا ہوں پھر وہ جاں بحق ہوگیا۔ جب حضورؐ سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ بے شک وہ مسلمان ہو کر شہید ہوا ہے اور یہی وہ ایک شخص ہے جس نے نماز کی ایک رکعت تک نہیں پڑھی اور مر کر جنت میں پہنچا ہے (برہان مجمع البیان)

حضرت حنظلہ نے اسی رات عبداللہ بن ابی سلول کی لڑکی سے شادی کی تھی اور شب باشی کے لئے حضورؐ سے اجازت طلب کی تھی چنانچہ سورۂ نور کی آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الخ اسی کے متعلق اتری ہے پس آپ نے اس کو اجازت دی چنانچہ رات کو وہ اپنی عروس سے ہمبستر ہو کر صبح سویرے حالتِ جنب سے جنگ میں حاضر ہو گیا اور بالآخر شہید ہوا جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ ملائکہ آسمان و زمین کے درمیان اس کو غسل دے رہے ہیں چنانچہ اس کے بعد سے اس کو غسیلِ ملائکہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں عتبہ بن ابی وقاص نے حضورؐ کے دانت مبارک کو شہید کیا اور چہرۂ انور کو بھی زخمی کیا۔ ابن قمیہ نے آپ پر حملہ کیا اور پھر یہ آواز بلند کی کہ لات و عزیٰ کی قسم میں نے محمدؐ کو قتل کر ڈالا ہے اور ابلیس ملعون نے بھی اعلان کیا کہ محمدؐ مارا گیا۔

چنانچہ جب یہ خبر مدینہ میں پہنچی تو مخدومۂ کائنات حضرت فاطمہ زہرا پریشان حال تشریف لائیں اور اپنے باپ کا خون آلود چہرہ دیکھ کر بہت روئیں اور آنحضرت نے ان کو تسلی دی ۔ بنا بر مشہور حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہنچیں اور جناب رسالتمآبؐ نے ان کو تسلی دی ۔

دمعۂ ساکبہ میں بحار الانوار سے مروی ہے کہ اس روز ہاتف سے حضرت رسالتمآبؐ کو یہ ندا پہنچی ۔

نَادِ عَلِيًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ   تَجِدْهُ عَوْنًا لَكَ فِي النَّوَائِبِ
كُلُّ هَمٍّ وَغَمٍّ سَيَنْجَلِيْ   بِوِلَايَتِكَ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ يَا عَلِيُّ

لڑائی ختم ہونے کے بعد حضرت رسالتمآبؐ نے سعد بن ربیع کے متعلق پوچھا اور فرمایا کہ میں نے اس پر بارہ نیزے پڑتے دیکھے چنانچہ ایک شخص اس کی تلاش میں نکلا تو دیکھا کہ مقتولین میں زخمی پڑا ہوا ہے اور اس میں رمق جان باقی ہے اس نے اس کو آواز دی لیکن جواب نہ ملا پھر آواز دی کہ رسولؐ اللہ تجھے یاد کر رہے ہیں پس اس نے سر بلند کیا اور خوشی کے مارے اس کے جسم میں تڑپ پیدا ہوئی پھر پوچھا کیا رسولؐ خدا زندہ ہیں ۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں زندہ ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے سعد پر بارہ نیزے پڑتے دیکھے ہیں ۔ سعد نے جواب دیا الحمد للہ بے شک رسولؐ کی زبان سچی ہے اور مجھے بارہ نیزے لگے ہیں کہ ہر ایک ان میں سے میرے لئے پیغام موت تھا ۔ میری قوم انصار کو میرا اسلام کہنا اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے اگر رسولؐ خدا کو ایک کانٹا کی بھی تکلیف پہنچی تو تمہارا خدا کے سامنے کوئی عذر بھی مسموع نہ ہوگا پس یہ کہہ کر اس نے سرد آہ کھینچی اور اس کا رکا ہوا خون ایک مرتبہ جوش مار کر نکلا اور اس نے جان جان آفریں کے حوالہ کی جب رسالتمآبؐ کو اطلاع پہنچی تو آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی کہ خدا سعد پر رحم کرے جس نے زندگی میں ہماری نصرت کی اور مرتے ہوئے بھی ہمارے متعلق وصیت کر گیا ۔ (دمعہ)

شہدائے اُحد کی فہرست

اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے جن کے نام ذیل میں درج ہیں بروایت مجمع البیان کفار کی طرف سے ۱۸ آدمی قتل ہوئے (تفسیر آیت لِيَقْطَعَ الخ)

۱۔ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب
۲۔ عبداللہ بن جحش
۳۔ مصعب بن عمیر
۴۔ شماش بن عثمان
۵۔ عمرو بن معاذ
۶۔ حارث بن انس
۷۔ عمارہ بن زیاد
۸۔ سلمہ بن ثابت
۹۔ عمرو بن ثابت
۱۰۔ ثابت بن وقش
۱۱۔ رفاعہ بن وقش
۱۲۔ حیل بن جابر (ابوحذیفہ یمانی)
۱۳۔ صیفی بن قیظی
۱۴۔ حباب بن قیظی
۱۵۔ عباد بن سہل
۱۶۔ حارث بن اوس
۱۷۔ ایاس بن اوس
۱۸۔ عبید بن تیہان
۱۹۔ حبیب بن یزید
۲۰۔ یزید بن حاطب

۲۱۔ ابوسفیان بن حارث
۲۲۔ حنظلہ بن عامر (غسیل ملائکہ)
۲۳۔ انیس بن قتادہ
۲۴۔ ابوحبہ بن عمرو
۲۵۔ عبداللہ بن جبیر
۲۶۔ ابوسعد خیثمہ بن خیثمہ
۲۷۔ عبداللہ بن سلمہ
۲۸۔ سبیع بن حاطب
۲۹۔ عمرو بن قیس
۳۰۔ قیس بن عمرو
۳۱۔ ثابت بن عمرو
۳۲۔ عامر بن خلد
۳۳۔ ابوہبیرہ بن حارث
۳۴۔ عمرو بن مطرف
۳۵۔ اوس بن ثابت
۳۶۔ انس بن نضر
۳۷۔ قیس بن مخلد
۳۸۔ کیسان
۳۹۔ سلیم بن حارث
۴۰۔ نعمان بن عبدعمرو

۴۱۔ خارجہ بن زید
۴۲۔ سعد بن ربیع
۴۳۔ اوس بن ارقم
۴۴۔ مالک بن سنان
۴۵۔ سعید بن سوید
۴۶۔ عتبہ بن ربیع
۴۷۔ ثعلبہ بن سعد
۴۸۔ ثقف بن فروہ
۴۹۔ عبداللہ بن عمرو
۵۰۔ ضمرہ
۵۱۔ نوفل بن عبداللہ
۵۲۔ عباس بن عبادہ
۵۳۔ نعمان بن مالک
۵۴۔ مجذر بن زیادہ
۵۵۔ عبادہ بن حسحاس
۵۶۔ رفاعہ بن عمرو
۵۷۔ عبداللہ بن عمرو
۵۸۔ عمرو بن جموح
۵۹۔ خلاد بن عمرو بن جموح
۶۰۔ ابوایمن

۶۱۔ سلیم بن عمرو
۶۲۔ عنترہ
۶۳۔ سہیل بن قیس
۶۴۔ ذکوان بن عبدقیس
۶۵۔ عبید بن معلّٰی
۶۶۔ مالک بن تمیلہ
۶۷۔ حارث بن عدی
۶۸۔ مالک بن ایاس
۶۹۔ ایاس بن عدی
۷۰۔ عمرو بن ایاس

یہ ستر آدمی ہیں بنا بر روایت ابن ہشام جو سیرت نبی میں اس نے شمار کئے ہیں۔ (میزان)

ان میں پہلے چار مہاجر ہیں اور باقی سب کے سب انصار میں سے ہیں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور تحقیق تمہاری اللہ نے مدد کی بدر میں جبکہ تم کمزور تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ شکر گذار ہو

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ

جب آپ مومنوں کو فرما رہے تھے کیا تمہیں کافی نہیں کہ مدد کرے تمہاری تمہارا رب ساتھ تین ہزار

الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ

فرشتوں کے جو اتارے گئے ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور آجائیں تم پر (دشمن)

فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

اسی جلدی سے (یا اسی غصہ سے) تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا ربّ ساتھ پانچ ہزار فرشتوں کے جو اپنے کو علامت

مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ

لگائے ہوئے ہوں گے اور ایسا نہیں کیا تھا اللہ نے مگر تمہیں خوش کرنے کے لئے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ ۙ

اور نصرت نہیں ہوتی مگر اللہ کی طرف سے جو غالب حکمت والا ہے

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ ۔ جنگِ احد میں مسلمانوں پر اپنے احسان کا ذکر کرکے بطور تذکرہ کے جنگِ بدر کے احسان کو دہرایا۔ تاکہ مسلمانوں کے قلوب مضبوط ہوں۔ فرماتا ہے کہ جنگِ احد کے موقعہ پر بزدلی کا اظہار کرنے والے دو گروہوں کو جسطرح خدا نے ثابت قدمی کی توفیق مرحمت فرمائی پس مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے اس نے اس سے پہلے جنگِ بدر کے موقعہ پر بھی تو مسلمانوں کی مدد کی تھی جبکہ یہ تعداد میں بہت کم اور قوّتِ حرب میں کفار کی بہ نسبت بہت کمزور تھے۔ جنگِ بدر میں ۷۷ مہاجر اور ۲۳۶ انصار تھے جن کی کل تعداد ۳۱۳ تھی اور اس طرف کفار کی تعداد ایک ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس دن بھی عَلَم جناب امیر علیہ السّلام کے ہاتھ میں اور انصار کے علمبردار جناب سعد بن عبادہ یا بروایت سعد بن معاذ تھے۔

مِنْ فَوْرِهِمْ ۔ فور کا معنی جوش و غضب بھی ہے اور اس کا معنی جلدی بھی ہے پہلے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ جنگِ بدر میں کفار کو بری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ لہذا ان میں جذبۂ انتقام تھا اور پوری تیاری کرکے لڑائی پر

آمادہ تھے تو خدا فرماتا ہے کہ جس طرح میں نے تین ہزار فرشتوں سے جنگِ بدر میں تمہاری مدد کی تھی۔ اگر تم ثابت قدم رہو اور رسولؐ کی نافرمانی سے بچو تو بے شک وہ جوش و غصہ سے کر آجائیں۔ میں پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کروں گا اور دوسرے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ جب کفار قریش جنگِ احد سے واپس ہوئے تو راستہ میں پشیمان ہوئے کہ کاش! مدینہ پر لوٹ و غارت کی ہوتی چنانچہ انہوں نے واپس پلٹنے کا عزم کر لیا۔ ادھر جناب رسالتمآبؐ کو بذریعہ وحی اطلاع پہنچی تو آپ نے صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر تم کو زخم پہنچے ہیں تو وہ لوگ بھی تمہاری طرح زخمی ہیں لہذا گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں اور فرمایا اگر تم ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہاری پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ نصرت فرمائے گا پس مسلمان تیار ہو کر نکلے ادھر کسی نے کفار قریش کو مسلمانوں کے خروج کی اطلاع دے دی تو اب کفار گھبرائے کہ ممکن ہے مسلمانوں کے ساتھ دوسرے تازہ دم لوگ بھی شامل ہوں اور ہم پر غلبہ حاصل کر لیں پس مکہ کی طرف انہوں نے تیز رفتاری سے سفر کیا اور مدینہ کی طرف دوبارہ رجوع کی جرات نہ کی (مجمع البیان)

مُسَوِّمِیْنَ - حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جنگِ بدر میں ملائکہ کی علامت یہ تھی کہ ان کے عمامے سفید تھے اور انہوں نے ایک کنارا عمامے کا پیچھے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کے عمامے زرد رنگ کے تھے (مجمع) ایک روایت میں ہے کہ نازل ہونے والے فرشتے حضرت علیؑ کی صورت میں خدا نے بھیجے تھے۔

غزواتِ نبوی کی فہرست

وہ غزوات جن میں حضرت رسالتمآبؐ بنفسِ نفیس شریک تھے وہ یہ ہیں (۱) غزوہ ابوا (۲) غزوہ بواط (۳) غزوہ عشیرہ (۴) غزوہ بدر صغریٰ (۵) غزوہ بدر کبریٰ (۶) غزوۂ بنی سلیم (۷) غزوۂ سویق (۸) غزوہ ذی امر (۹) غزوہ اُحد (۱۰) غزوہ حمراء الاسد (۱۱) غزوہ بنی نضیر (۱۲) غزوۂ ذات الرقاع (۱۳) غزوہ بدر اخریٰ (۱۴) غزوہ دومۃ الجندل (۱۵) غزوہ خندق (۱۶) غزوہ بنی قریظہ (۱۷) غزوۂ بنی لحیان (۱۸) غزوہ بنی قرد (۱۹) غزوہ بنی مصطلق (۲۰) غزوۂ حدیبیہ (۲۱) غزوہ خیبر (۲۲) غزوہ فتح مکہ (۲۳) غزوہ حنین (۲۴) غزوہ طائف (۲۵) غزوۂ تبوک۔

ان غزوات میں سے چند غزوات میں آنحضرتؐ خود بنفسِ نفیس لڑائی میں شریک ہوئے اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ غزوۂ بدر کبریٰ جو بروز جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ کو پیش آیا تھا ۲۔ غزوہ اُحد جو شوال ۳ھ کو ہوا ۳۔ غزوہ خندق ۴۔ غزوۂ بنی قریظہ شوال ۴ھ میں ہوئے ۵۔ غزوہ بنی مصطلق ۶۔ غزوہ بنی لحیان (شعبان ۵ھ) ۷۔ غزوہ خیبر ۶ھ ۸۔ غزوہ فتح مکہ (رمضان ۸ھ) ۹۔ غزوہ حنین ۱۰۔ غزوۂ طائف (شوال ۸ھ) ان کے علاوہ چھوٹی جنگیں جن میں فوجی دستے بھیجے گئے ان کی تعداد ۳۶ بتلائی گئی ہے جو کتبِ تاریخ میں درج ہیں۔ (از مجمع البیان)

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا۟ خَآئِبِينَ ﴿١٢٧﴾

تاکہ کاٹ ڈالے ایک حصہ ان لوگوں سے جو کافر ہیں یا ان کو رسوا کرے پس پلٹ جائیں ناکام ہو کر

لَيْسَ لَكَ مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَـٰلِمُونَ ﴿١٢٨﴾

نہیں آپ کو اسی معاملہ میں کوئی دخل یا ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں

وَلِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن

اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ بخشے جسے چاہے اور عذاب دے

يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٩﴾ ع

جسے چاہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

لِيَقْطَعَ طَرَفًا ۔ ماقبل کے ساتھ اس کے اتصال کے متعلق چند اقوال ہیں۔ ۱۔ اس کے پہلے ملائکہ کے ذریعے نصرت کا ذکر تھا تو یہاں نَصَرَ فعل محذوف سے لام متعلق ہوگا یعنی نَصَرَكُمْ لِيَقْطَعَ الخ اللہ نے تمہاری نصرت کا یہ انتظام فرمایا تاکہ کفار کا ایک حصہ کاٹ دے جیسا کہ جنگِ بدر میں صنادید قریش میں سے ستر آدمی قتل اور ستر آدمی قید کر لئے گئے تھے ۲۔ فعل محذوف ماننے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ پچھلی آیت میں جو فعل نَصَرَكُمُ آچکا ہے اسی سے اس کا تعلق ہے اور معنی وہی ہوگا جو کیا گیا ہے ۳۔ بعض مبتدأ محذوف مانتے ہیں یعنی ذٰلِكَ التَّدْبِيْرُ لِيَقْطَعَ الخ طرف کا معنی کنارہ ہوتا ہے یہاں طرف اس لئے استعمال کیا گیا ہے اور وسطاً نہیں کہا گیا کیونکہ لڑائی طرف سے شروع ہو کر ہی وسط تک پہنچتی ہے جس طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ لڑو کفار میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے قریب ہیں اگرچہ سب کفار کے ساتھ لڑنا ہے لیکن چونکہ لڑائی قریب والوں سے شروع ہو کر دور والوں تک پہنچتی ہے اس لئے فرمایا کہ قریب والوں سے لڑو۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ ۔ الخ اس میں دو احتمال بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ یہ نصرت اللہ کی ہی جانب سے تھی اس میں تمہارا یا کسی اور کا کوئی دخل نہیں تھا ۲۔ اس فقرہ کو جملہ معترضہ قرار دیا جائے اور آیت کا اتصال اس طرح ہو کہ خدا چاہے تو ان کا قتل و قید سے ایک حصہ مار دے یا ان کو ذلیل و رسوا کر کے ناکام واپس پلٹا دے یا ان کو توبہ کی توفیق دے کر ان کی توبہ مقبول کرے یا ان پر بوجہ ظلم کے عذاب نازل کرے یہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے ان باتوں میں آپ کو دخل نہیں ہے۔

شانِ نزول اس کے متعلق بھی چند اقوال ہیں۔ ۱۔ جنگِ اُحد میں جب آپ کا دانت مبارک شہید ہوا اور منہ سے خون جاری ہوا تو فرمایا وہ قوم کس طرح فلاح کی اُمید رکھ سکتی ہے جس نے اپنے نبی سے یہ سلوک کیا جبکہ ان کو نبی اپنے

رب کی طرف ہی دعوت دیتا ہے پس ارشاد ہُوا کہ آپ کا کام ہے تبلیغ رسالت اور دین خدا کی ترقی کیلئے جہاد کرنا رہا ان کی فلاح یا عذاب کا قصّہ تو وہ میرے اختیار میں ہے آپ کا اس میں دخل نہیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے ہی آپ کا دانت شہید کیا تھا اور منہ مبارک کو زخمی کیا تھا چنانچہ وہ اسی سال میں آپ کی بددعا سے کافر و کر گیا۔ نیز آپ کے رُخ انور پر عبداللہ بن قمیہ عذلی نے زخم لگایا تھا آپ کی بد دُعا سے اس کا انجام یہ ہُوا کہ ایک جنگلی حیوان نے اسے قتل کر دیا ۲۔ جب مُسلمان جنگِ اُحد میں فراری ہوئے تو بعض کہتے ہیں کہ آپ نے ان پر بد دُعا کا ارادہ کیا تو یہ آیت اتری ۳۔ کہتے ہیں جب آپ نے جنگِ اُحد میں مسلمانوں کا بے دردی سے قتل دیکھا اور حضرت حمزہ کی لاش کا مُثلہ ملاحظہ فرمایا تو حضرت کو بہت رنج ہُوا اور دُکھ ہوا فرمایا ہماری باری آئے گی تو ہم ان کے ساتھ اس سے بڑھ کر کریں گے پس یہ آیت اُتری۔ ۴۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بیرمعونہ پر شہید ہونے والے صحابہ کے بارے میں اُتری کہ جنگِ اُحد کے پُورے چار ماہ بعد ماہِ صفر ۴ھ کو حضرت رسالتمآبؐ نے منذر بن عمرو کی سرکردگی میں ستر قاری قرآن بیرمعونہ والوں کو تعلیم قرآن کیلئے روانہ فرمائے تو عامر بن طفیل نے موقعہ پا کر ان سب کو شہید کر ڈالا جناب رسالتمآبؐ کو جب خبر پہنچی تو آپ کو بہت رنج ہُوا اور ایک ماہ تک ان کا سوگ منایا۔ تب بطور تسلّی کے خدا نے یہ آیت بھیجی کہ آپ اس معاملہ میں اس قدر رنجیدہ خاطر نہ ہوں سب کچھ میرے اختیار میں ہے میں جو چاہوں کروں اگر چاہوں تو ان کو عذاب میں مبتلا کر دوں اور اگر چاہوں تو ان کو توفیقِ توبہ دے کر ان کی توبہ قبول کر لوں آپ سلسلۂ تبلیغ کو جاری رکھیں اور پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملکیت ہے وہ اس میں ہر قسم کے تصرف کا سزاوار ہے خواہ وہ کسی کو بخش دے یا کسی کو عذاب دے شہداء بیرمعونہ کا واقعہ رکوع نمبر ۸ کی تفسیر میں ص۸۱ پر مکمل آئے گا۔

یہاں تک عام اقوال آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق بیان کئے گئے ہیں جو صاحب مجمع البیان نے ذکر کئے ہیں لیکن اختصاص مفید سے تفسیر برہان میں بروایت جابر بن یزید امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے معاملہ میں پریشان تھے۔ نیز تفسیر عیاشی سے منقول ہے کہ جابر نے حضرت باقر علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس طرف تو جا رہا ہے وہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ خدا نے آنحضرت کو ولایتِ علی کے اظہار کا حکم دیا تو آپ نے لوگوں کی دشمنی کا فکر کیا اور چونکہ حضرت علیؑ باقی لوگوں سے اپنے خصائلِ حمیدہ میں ممتاز تھے۔ مثلاً اسلام میں اوّل، معرفتِ خدا اور رسول میں البصر دشمنانِ دین کو قتل کرنے میں اقدم مخالفین خدا اور رسول پر اشد۔ علوم قرآنیہ وشرعیہ میں اعلم اور بے انتہا مناقب وفضائل میں سب سے اشرف تھے لہذا ان ہی کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بغض وحسد اور عداوت تھی۔ پس رسولِ خدا کو فکر لاحق ہوئی تب یہ آیت اُتری اور ارشاد ہوا کہ آپ کا کام ہے تبلیغِ رسالت باقی باتوں کی آپ فکر نہ کریں اور نہ آپ کو اس معاملہ میں دخل دینے کی ضرورت ہے آپ اپنا کام کریں اور بس۔

یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ اس آیت میں خدا نے فرمایا ہے کہ مغفرت اور عذاب اس کی مشیّت کے تابع ہیں یعنی جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کے غرور سے اس کے عذاب سے نڈر بھی نہ ہو جائے اور نہ کوئی شخص اس کی رحمت کی امید سے گناہوں میں لاپرواہ ہو کر سرکشی ہو اور دوسری طرف کوئی اس کی گرفت وعذاب کے ڈر سے اس

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ			
اے ایمان والو	نہ کھاؤ	سود دُگنے پر دُگنا (سود در سود)	اور اللہ سے
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ			
ڈرو تاکہ فلاح پاؤ	اور ڈرو آگ سے جو تیار کی گئی کافروں کے لئے		اور اطاعت کرو

کی رحمت سے مایوس بھی نہ ہو جائے اور گناہوں کی زیادتی دیکھ کر بخشش سے ناامید بھی نہ ہو بلکہ جہاں ایک طرف اس کی رحمت و مغفرت کی امید ہو وہاں دوسری طرف اس کے عذاب کا ڈر بھی ہو۔ نہ اعمال پر غرور رکھائے اور نہ گناہوں کی بخشش سے مایوس ہو اسی بناء پر حضرت صادق علیہ السلام کا فرمان ہے کہ لَوْ وُزِنَ رِجَاءُ الْمُؤْمِنِ وَخَوْفُهٗ لَاعْتَدَلَا۔ اگر مومن کی رجا اور خوف کو وزن کیا جائے تو دونوں برابر ہونے چاہئیں (مجمع) حضرت امیرؑ نے ہمام کے سامنے جو متقین کے اوصاف بیان فرمائے ہیں ان کا بھی یہی مطلب ہے۔

سوال:۔ جب خدا نے بخشش اور عذاب کو اپنی مشیت کے تابع کیا ہے تو پھر اعمالِ صالح یا اعمالِ بد کو تو بخشش و عذاب میں کوئی دخل ہی نہیں لہذا نیک عمل کرنے کا فائدہ اور بداعمال سے بچنے کا معنی کیا رہا؟ نیز اس کی رحمت جب اس کے غضب سے وسیع ہے تو وہ کیونکر کسی کے عذاب کو چاہے گا؟

جواب:۔ بے شک سزا و جزا اس کی مشیت کے تابع ہے لیکن اس کی مشیت حکمت کے عین مطابق ہے اور اس کی رحمت اگرچہ اس کے غضب سے وسیع ہے لیکن اس کے عدل و حکمت کا دائرہ اس کی رحمت سے بھی وسیع تر ہے پس اس کی بخشش و عذاب اس کی مشیت کے تابع ہے اور وہ عدل و حکمت کے موافق ہے لہذا بخشش کی مشیت وہاں ہوگی جہاں عدل و حکمت کا تقاضا ہوگا اور عذاب کی مشیت وہاں ہوگی جہاں عدل و حکمت کا مقتضیٰ ہوگا اور اس کی رحمت اس کے عدل و حکمت پر غالب نہیں ہو سکتی۔

رکوع نمبر ۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ گذشتہ آیت میں چونکہ فرمایا ہے کہ خدا جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے مشیت جو عدل و حکمت کے عین موافق ہے اس کے مواقع میں سے اہم ترین کا ذکر فرمایا ہے کہ اس کی مشیتِ بخشش اس کے لئے ہوگی جو حلال کھائے اور مشیتِ عذاب اس کے لئے ہوگی جو حرام کھائے اور حلال و حرام کے مسائل میں سے سود کا مسئلہ اہم ترین ہے لہذا اس کا ذکر فرمایا جو لوگوں میں عام اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے حرمتِ سود کی مصلحت خود اللہ ہی بہتر جانتا ہے البتہ مفسرین نے جو کچھ بیان ہے وہ یہ کہ اوّل تو اس سے انسانی معاشرہ میں عدل و انصاف ختم ہوتا ہے اور دوسرے ایک نادار کو قرض دے کر اسے بلامعاوضہ ایک عرصہ تک مہلت دینا حسنِ خلق کا بہترین مظاہرہ ہے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے (مجمع) سود کا گناہ اور اس کے بعض فروعی مسائل اسی تفسیر کی جلد ۳ میں ص ۱۶۹ تا ص ۱۷۲ بیان کئے جا چکے ہیں۔

وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اللہ و رسول کی تاکہ رحم کئے جاؤ اور جلدی کرو طرف بخشش اپنے پروردگار کے

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور جنت کے جس کا عرض آسمانوں اور زمین (کے برابر) ہے کہ تیار کی گئی ہے متقین کے لئے

سود کا حکم اگرچہ اس سے پہلے بھی گذر چکا ہے لیکن یہاں دوبارہ اس کے ذکر کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ پہلے مقام پر صریح نہی نہیں تھی اور یہاں صریح طور پر نہی کی گئی ہے اور اس سے بچنے پر اخروی فلاح و رستگاری کو معلق کیا گیا ہے۔ ۲۔ وہاں صرف سود کی حرمت کا عمومی بیان تھا اور یہاں سود کی خاص قسم یعنی سود در سود سے تاکیدی طور پر منع کیا گیا ہے۔

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ جہنم کا کافروں کے لئے ہونا اس کے منافی نہیں کہ غیر کافر لوگ جو فاسق و فاجر ہیں بھی جہنم میں جائیں گے بلکہ یہاں فردِ جلی کا ذکر کرکے غیر جلی فرد کو اس کے تابع کر دیا گیا ہے جس طرح جنت کے متعلق فرمایا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ حالانکہ یقیناً بعض وہ لوگ جن پر متقی کی لفظ عائد نہیں کی جاسکتی جیسے اطفالِ مومنین اور دیوانے لوگ بھی جنت میں جائیں گے اسی طرح قیامت کے روز مرتد لوگوں کے چہروں کا سیاہ ہونا ذکر فرمایا ہے حالانکہ کافر بھی ان کے ساتھ اس میں شریک ہوں گے۔ پس معلوم ہوا کہ ایک وصف کا ایک گروہ کے لئے ذکر کرنا اس کے لئے دلیل حصر نہیں بلکہ بعض اوقات فردِ جلی کو ذکر کیا جاتا ہے اور فردِ غیر جلی کو اس کے تابع قرار دے کر اس کی صراحت کو ترک کیا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ میں نے یہ دسترخوان امیر کے لئے بچھایا ہے حالانکہ اس امیر کے دوست احباب ساتھی نوکر چاکر اور جملہ لواحقین بھی اس کے ساتھ شریک ہوا کرتے ہیں۔

اِلٰى مَغْفِرَةٍ۔ بخشش کی طرف جلدی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بخشش کے اسباب کی طرف تیزی سے قدم بڑھاؤ اور وہ ہے اسلام و ایمان اور ادائے فرائض اور ترکِ محرمات یعنی اصولاً و فروعاً خدا اور رسولؐ کی اطاعت۔

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا۔ الخ کعب بن اشرف یہودی نے ایک مرتبہ خلیفہ ثانی پر اعتراض کیا کہ تمہارے قرآن میں ایک بہشت کی وسعت آسمانوں اور زمینوں کے برابر بیان کی گئی ہے تو پھر سات بہشت کہاں ہوں گے؟ خلیفہ لاجواب ہوا۔ اتنے میں حضرت امیر تشریف لائے تو یہودی نے پھر سوال دہرایا آپ نے فرمایا جب رات ہوتی ہے تو دن کہاں جاتا ہے۔ اور دن کے وقت رات کہاں جاتی ہے؟ یہودی نے کہا کہ اللہ کے علم میں آپ نے فرمایا اسی طرح ساتوں بہشت اللہ کے علم میں ہیں (حضرت کا جواب اقناعی تھا مقصد یہ تھا کہ خدا ہر شے پر قادر ہے جو ساتوں زمینوں اور آسمانوں کی وسعتوں کا خلق فرما سکتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ پر بھی قادر ہے اور ان ساتوں بہشتوں کا محلِ وقوع خود اسی کے ہی علم میں ہے) (ملخص از برہان)

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور بدحالی میں اور ضبط کرتے ہیں غصے کو اور درگذر کرتے ہیں

عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً

لوگوں سے اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنیوالوں کو اور وہ لوگ کہ جب کریں کوئی برائی یا ظلم کریں

اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ

اپنے نفسوں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں پس فوراً ہی بخشش طلب کرتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

گناہ سوائے اللہ کے اور وہ نہیں اصرار کرتے اوپر کئے ہوئے (گناہ) کے جان بوجھ کر

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

ایسے لوگوں کی جزا بخشش ہے اپنے پروردگار سے اور ایسے باغات کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں اور خوب جزا ہے عمل کرنے والوں کی

متقین کے اوصاف

۱۔ سخاوت :۔ اس سے پہلے بتلایا گیا ہے کہ مشیت ایزدی یہ ہے کہ متقین کو جنت میں جگہ دے اب متقین کے بعض اوصاف بیان فرما رہا ہے چنانچہ ان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ خوشحالی اور تنگدستی کی دونو حالتوں میں فی سبیل اللہ خرچ کیا کرتے ہیں۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ سخاوت جنت میں ایک درخت ہے اور دنیا میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں پس جس کسی نے اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ سے تعلق قائم کیا وہ شاخ اسے جنت میں کھینچ لے جائے گی اور بخل جہنم میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں منتشر ہیں جس نے اس کی کسی شاخ سے تمسک پکڑا وہ اسے جہنم میں لے جائے گی۔

حضرت امیرالمومنین سے منقول ہے کہ جنت سخیوں کا گھر ہے، سخی اللہ کے قریب جنت کے قریب اور لوگوں کے قریب ہوتا ہے اور جہنم سے دُور ہوتا ہے اور بخیل اللہ سے دُور، جنت سے دُور اور لوگوں سے دُور ہوتا ہے اور جہنم کے قریب ہوتا ہے راہ خدا

میں خرچ کرنے کے متعلق اسی تفسیر کی تیسری جلد میں بہت کچھ تاکید گذر چکی ہے اور انسان کی تمدنی زندگی کی اصلاح کی بھی واحد صورت یہی ہے اور خداوند کریم بھی سرمایہ داری کو قطعاً محبوب نہیں رکھتا اور ہم نے سخاوت کے فضائل کی بعض حدیثیں جلد ثالث صہ۱۲۳ پر درج کی ہیں۔ خداوند کریم مومنین کو توفیق دے۔

(۲، ۳، ۴) غصہ کو ضبط کرنا اور درگذر کرنا اور احسان کرنا۔

تفسیر برہان میں ارشاد مفید سے منقول ہے رشتہ داروں میں سے ایک شخص نے حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ گستاخانہ لہجہ میں کلام کیا اور آپ چپکے سب کچھ سنتے رہے وہ کہہ سنا کر چلا گیا تو آپ اپنے ہمنشینوں سے مخاطب ہوئے کہ جو کچھ یہ شخص مجھے کہتا اور کوستا رہا تم نے سن تو لیا ہے؟ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ہمراہ اس کے پاس چلو اور میرا جواب بھی سنو۔ انہوں نے عرض کی حضور! ہم تو چاہتے یہی ہیں کہ آپ اس کو کچھ کہیں پس آپ نے نعلین سنبھالی اور روانہ ہوئے اور اسی آیت مجیدہ کی تلاوت زبان پر جاری فرمائی۔ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ راوی کہتے ہیں کہ ہم سمجھ گئے کہ آپ اس کے ساتھ سخت کلامی نہ کریں گے جب وہاں پہنچے تو اس کو آواز دی اور فرمایا کہ اس کو کہو کہ علیؑ بن حسینؑ تجھ سے بات کرنا چاہتا ہے پس وہ شخص سر جھکائے باہر آیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ آپ مجھے اپنی باتوں کا بدلہ دینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا بھائی جان! ابھی ابھی جو کچھ تو نے مجھے کہا اگر مجھ میں وہ باتیں ہیں جو تو کہتا تھا تو میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں اور اگر تو نے ناحق الزام عائد کئے تھے تو خدا تجھے معاف کر دے۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے حضورؑ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور عرض کرنے لگا حضورؑ میں نے جو کچھ آپ کے حق میں کہا ہے۔ آپ اس سے پاک ہیں اور میں خود ہی ان کلمات کا سزاوار ہوں

نیز اسی کتاب میں اور مجمع البیان و تفسیر میزان میں درّ منثور سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام نماز کی تیاری فرما رہے تھے اور کنیز آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاق سے اس کے ہاتھوں سے لوٹا گرا اور آپ کے سر مبارک پر چوٹ آگئی آپ نے اس کی طرف سر بلند کیا فوراً اس کنیز نے زبان پر جاری کیا وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے غصہ کو ضبط کر لیا ہے پھر عورت نے پڑھا وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیری خطا بھی معاف کر دی پس اس عورت نے تلاوت کیا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ تو آپ نے فرمایا جا میں نے تجھے خوشنودیٔ خدا کیلئے آزاد کیا ہے۔

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے اللہ کا جو بندہ اپنے غصہ کو ضبط کرے خدا اس کو دنیا و آخرت میں زیادتی عزت عطا فرماتا ہے۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ جو شخص طاقت ہوتے ہوئے اپنے غصہ کو پی جائے اور اس کو استعمال نہ کرے تو خدا بروز محشر اس کو اپنی رضا کی دولت سے مالا مال کرے گا اور فرمایا کہ غصے کو ضبط کرنے والا اللہ کی راہ میں دشمن خدا سے جہاد کرنے والے کے برابر ہے اور آپ نے فرمایا طاقتور وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور و بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں کر لے اور عمدۃ البیان میں ہے آپ نے فرمایا کوئی گھونٹ اللہ کے نزدیک غصہ کے گھونٹ سے محبوب تر نہیں ہے اور جو شخص غصہ کو پی جائے خدا قیامت کے دن اس کے بدلہ میں اس کو حور العین عطا فرمائے گا۔ مجمع البیان میں

حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے جو شخص کسی کے جرم کو معاف کرے خدا اس کی عزت کو بڑھاتا ہے۔

عمدة البیان میں بعض تفاسیر اہلسنت سے نقل کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام اشراف عرب کی ایک جماعت کے ہمراہ دستر خوان پر کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ان کا غلام طعام گرم کا ایک پیالہ لایا۔ جب امام کے قریب آیا تو اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پیالہ طعام سمیت حضرت امام حسنؑ کے سر اور منہ پر گر پڑا! حضرت نے جب اس کی طرف نگاہ کی تو اس نے اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ۔ پڑھا آپ نے فرمایا میں نے غصہ کو ضبط کیا اُس نے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ کو زبان پر جاری کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے معاف کر دیا پھر اُس نے وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ پڑھا تو آپ نے فرمایا میں نے تجھے آزاد کیا اور تیری کفالت بھی اپنے ذمہ میں لی۔ اسی قسم کی ایک روایت ابھی امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق بھی نقل ہو چکی ہے نیز امام حسین علیہ السلام کے متعلق بھی ایک واقعہ اسی قسم کا بیان کرتے ہیں اور یہ کوئی اوپری بات نہیں بلکہ خانوادۂ عصمت کے جس فرد پر نظر کریں گے۔ خلق رسالت کا نمونہ نظر آئے گا۔ کیونکہ یہ سب کے سب محمدؐ ہیں۔

(۶،۵) گناہ سے توبہ کرنا اور اصرار نہ کرنا۔

متقیوں کے اوصاف میں سے ہے کہ جب گناہ کر بیٹھتے ہیں تو یاد آنے پر فوراً توبہ کرتے ہیں اور اس پر اصرار نہیں کرتے۔

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ :۔ اس کے معنی میں کئی احتمالات ہیں۔ ۱۔ گناہ سے توبہ کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے گناہ کو جانتے ہیں یعنی گناہ ان کو یاد ہے اگر ایک انسان کو کیا ہوا گناہ یاد نہیں رہا تو اس سے توبہ کرنے کا معنی ہی کوئی نہیں ۲۔ گناہ کو گناہ جان کر کیا تھا اور اب پشیمان ہو کر توبہ کرتے ہیں اور اس پر اصرار نہیں کرتے ورنہ اگر ایک شخص نے ایک کام کیا تھا اور اس کو اس کے فعل حرام ہونے کا علم ہی نہیں بلکہ اس کے خیال میں وہ حلال تھا تو اب اس سے توبہ کرنے کی کیا ضرورت؟ مثلاً ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کر لیا اور وہ عورت درحقیقت اس پر حرام تھی پس علم ہونے پر اس کو اپنے گھر سے نکال دے اس سے قبل جو کچھ ہو چکا ہے وہ اس کے لئے گناہ نہیں تھا پس اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ۳۔ توبہ کرتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے (مجمع البیان)

مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ اصرار کرنے کے بعد کوئی گناہ صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا اور توبہ کے بعد کوئی گناہ کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ خوشا حال وہ بندہ کہ جس وقت اپنے نامۂ اعمال کو کھولے تو نیچے ہر گناہ کے استغفار دیکھے۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر انسان گناہ کرے اور اس کے بعد استغفار نہ کرے یا اپنے دل میں توبہ کا قصد نہ کرے تو بھی اصرار میں داخل ہے تفسیر میزان میں بروایت درمنثور ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا۔ ابلیس نے قسم کھا کر کہا تھا اے پروردگار! جب تک بنی آدمؑ کے جسموں میں روح ہو گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا تو خداوند کریم نے فرمایا تھا۔ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں ان کے گناہ معاف کرتا

رہوں گا۔

تفسیر برہان و میزان و صافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب یہ آیت یعنی وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً نازل ہوئی تو ابلیس لعین نے مکہ کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے چیخ لگائی کہ تمام اس کے چیلے چانٹے اس کے گرد جمع ہو گئے اور دریافت کیا کہ تو نے ہمیں کیوں بلایا ہے؟ تو ابلیس نے کہا قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ہے اس کا علاج کیا ہو گا ایک عفریت بولا میں فلاں فلاں طریقہ سے اس پر عمل کرنے سے روکوں گا۔ ابلیس نے کہا کہ تیرا کام نہیں ہے ایک اور بولا میں فلاں طریقہ اختیار کروں گا۔ ابلیس نے کہا تیرا کام بھی نہیں۔ پھر وسواس خناس نے آواز بلند کی مجھے یہ عہدہ دیا جائے ابلیس نے پوچھا تو کیا کرے گا تو اس نے کہا میں ان کو وعدہ دے کر اور خواہشات کو بھڑکا کر گناہ کرا لوں گا۔ جب گناہ کر لیں گے تو ان کو استغفار [illegible] ل کر دوں گا ابلیس نے کہا بس تو ہی اس کام کے لئے موزوں تر ہے۔ پس اس نے قیامت تک کے لئے اس کو اس عہدہ پر مامور کر دیا۔

بہلول تائب کا واقعہ

انہی تفاسیر میں آیت مذکورہ کے شانِ نزول کے متعلق عبد الرحمٰن بن غنم دوسی سے روایت کی گئی ہے کہ ایک دفعہ معاذ بن جبل روتا ہوا خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوا۔ سلام کیا۔ آپ نے جواب کہا۔ رونے کی وجہ پوچھی۔ عرض کی یا رسول اللہ میں نے دروازہ پر ایک خوبصورت نوجوان کو اپنی جوانی پر زن پسر مردہ کی طرح روتے دیکھا ہے اور وہ آپ سے اذن دخول چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کو لا یئے۔ پس معاذ اس کو اندر لے آیا اس نے حضرت کو سلام کیا اور آپ نے رد سلام کیا اور گریہ کی وجہ دریافت فرمائی۔ اس نے عرض کی حضورؐ! میں نے ایسے گناہ کئے ہیں کہ اگر ان میں سے بعض کی بھی مجھ سے خدا گرفت کرے تو میرے لئے دوزخ واجب ہو جائے اور میں جانتا ہوں کہ مجھے معاف نہ کیا جائیگا اور ضرور مجھے سزا ملے گی پھر میں کیوں نہ روؤں۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے شرک کیا ہے؟ اس نے کہا معاذ اللہ! آپ نے فرمایا کوئی قتل کیا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا پھر تیرے گناہ اگر ساتوں زمینوں، تمام سمندروں، ریگ کے ٹیلوں اور دنیا کے تمام درختوں اور ان میں بسنے والی تمام مخلوق کے برابر بھی ہوں تو خدا معاف کر دے گا اس نے جواب دیا کہ میرے گناہ اس سے بڑے ہیں۔ فرمایا اگر آسمانوں اور ان کے ستاروں اور عرش و کرسی کے برابر ہوں تو بھی بخشے جا سکتے ہیں۔ اس نے کہا اس سے بڑے ہیں میرے گناہ۔ آپ نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا اے جوان کیا تیرے گناہ بڑے ہیں یا تیرا پروردگار! اس نے فوراً خالق کا سجدہ کیا اور سر اٹھا کر عرض کی حضور میرا رب ہر عظیم سے عظیم تر ہے پس آپ نے فرمایا کہ گناہِ عظیم کو وہ ربِ عظیم ہی بخش سکتا ہے۔ جوان نے عرض کی حضور! مجھے تو امید نہیں اور پھر چپ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے بتا تا کیوں نہیں۔ اس نے عرض کی حضور میں گورکن ہوں اور سات برس یہ پیشہ کیا ہے۔ مردوں کو قبروں سے نکال کر ان کے کفن اتار لیتا ہوں اور بیچ کر گذر اوقات کرتا ہوں۔ انصار میں سے ایک نوجوان لڑکی فوت ہوئی جب اس کو دفن کر کے واپس آ گئے تو میں رات کے پردہ میں پہنچا اسے قبر سے باہر نکال کر اس کا کفن اتارا اور واپس روانہ ہوا۔ راستہ میں مجھے شیطان نے پھندے ڈالنے شروع کئے کہ وہ کس طرح خوبصورت لڑکی تھی؟ یہاں تک کہ میں دوبارہ واپس آ کر اس سے زنا کا ارتکاب کر بیٹھا اور اسے پھر برہنہ چھوڑ کر واپس چلا پس پیچھے سے مجھے آواز آئی۔ اے جوان مجھے تو نے

مردوں کی فوج میں برہنہ چھوڑا ہے۔ اب میں حالت جنب میں بروز محشر کھڑی ہوں گی یقین جان میرا اور تیرا مقدمہ اللہ کے پیش ہوگا تیری جوانی کو جہنم کی بشارت ہو۔ پس حضورؐ میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر جہنم واجب اور جنت حرام ہے پس آپ نے سنتے ہی فرمایا ہٹ جا اے فاسق قریب ہے کہ تیرا عذاب ہمیں گھیر لے۔ حضور یہی فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کو نکال دیا گیا۔ پس وہ شخص گھر سے زادِ راہ لے کر ایک پہاڑ کے دامن میں کھردرا لباس پہنے اپنے دونوں ہاتھوں کو گردن سے باندھے عبادت میں مشغول ہوا اور مناجات میں یہی کہتا تھا۔ اے میرے پروردگار! تیرا بندہ بہلول تیرا قیدی ہے اور اس سے وہ لغزش ہوئی ہے جسے تو جانتا ہے اب میں پشیمان ہوں۔ تیرے نبی نے بھی مجھے اپنی بارگاہ سے نکال دیا ہے میں تجھ سے تیری عظمت و جلال کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ میری دعا کو رد نہ فرما اور مجھے اپنی رحمت سے مایوس نہ کر اور چالیس دن رات یہ مناجات کرتا رہا حتیٰ کہ جنگلی جانور بھی اس کے لئے گریہ کرتے تھے۔ آخر اس نے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور عرض کی میرے اللہ میری دعا اگر قبول اور میرا گناہ معاف ہے تو اپنے نبی کو بذریعہ وحی خبر بھیج ورنہ آگ بھیج کر مجھے جلا دے اور دنیا کا عذاب مجھے دے دے تاکہ قیامت کی رسوائی سے بچ جاؤں۔ پس خدا نے یہی آیت نازل فرمائی۔ گویا فاحشہ سے مراد ہے زنا اور ظلم نفس سے مراد تھی اس کی گورکنی اور کفن چوری۔ پس ارشاد ہوا۔ اے میرے حبیب! وہ تیری بارگاہ سے راندہ گیا تھا اب وہ کہاں جاتا وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اور میرے سوا گناہ کون بخش سکتا ہے؟ ایسے لوگ اگر اصرار نہ کریں تو ان کی جزا بخشش ہے اور جنت ہے پس حضور مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور صحابہ کو ہمراہ لے کر وہاں پہاڑ پر پہنچے دیکھا تو وہ دو پتھروں کے درمیان اپنے ہاتھ گردن سے باندھے کھڑا ہے اور روتے روتے اس کی پلکیں جھڑ گئی ہیں وہ مناجات میں کہہ رہا تھا میرے مالک! تو نے مجھے اچھا جسم اور اچھی صحت عطا فرمائی۔ اب مجھے آگ میں جلائے گا یا جوارِ رحمت میں جگہ دے گا تیرے بہت کچھ احسانات ہیں لیکن کاش میں سمجھ جاؤں آخر جنت میں مجھے بھیجا جائے گا یا جہنم میں۔ میرا گناہ زمین آسمان عرش و کرسی سے بڑا ہے لیکن کاش! مجھے علم ہو جائے کہ تو نے میرا گناہ معاف کیا ہے یا قیامت میں میرے لئے ذلت کا سامان ہے؟ یہ کہتا اور روتا تھا اور جنگلی جانور اس کے گرد جمع تھے اور پرندے اس کے سر پر موجود اور سب اس کی حالت سے متاثر ہو کر مشغول گریہ تھے پس حضورؐ نے پاس جا کر اس کے ہاتھ کھولے اور اس کے سر سے خاک کو جھاڑا اور فرمایا اے بہلول تجھے مبارک ہو کہ تو جہنم سے خدا کا آزاد کردہ ہے اور یہ آیت اس کو سنائی اور صحابہ سے فرمایا گناہوں کو اس طرح مٹاؤ جس طرح بہلول نے مٹایا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ

تحقیق گذر چکی ہیں تم سے پہلے مثالیں پس سیر کرو زمین میں (تاریخی حقائق کی) پھر دیکھو کیا انجام ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳۷﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۸﴾

(احکام خدا اور رسول کو) جھٹلانے والوں کا یہ (قرآن) بیان ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت و نصیحت ہے متقین کے لئے

قَدْ خَلَتْ :۔ جنگِ اُحد میں فرار کرنے والوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ گذشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرو اور نبیوں اور رسولوں کی نصرت سے کوتاہی کرنے والوں کے انجام دیکھو اور سبق حاصل کرو

سُنَنٌ ۔ سنّت کی جمع ہے اور اس کا اصطلاحی معنی ہے ایک وضع شدہ طریقہ جس پر لوگ چلیں پھر جس کا وضع کردہ ہوگا۔ اسی کی طرف اس کی نسبت ہوگی۔ جیسے سنّتِ رسولؐ اور سنّتِ ابلیسؑ وغیرہ اس مقام پر سُنن کے کئی معانی کئے گئے ہیں۔ ۱۔ یادگارِ عبرت ۲۔ امثال ۳۔ امتیں ۴۔ مضاف محذوف ہے دراصل تھا اہلِ سُنن ۵۔ منہاج و دستور۔ اس مقام پر ہر احتمال کے اعتبار سے معنی درست ہے۔

ربط واتصال

جنگِ احد کا ذکر فرمانے کے بعد اخلاق کی چند آیات آگئیں۔ جن میں صفاتِ بد سے بچنے اور صفاتِ حسنہ سے آراستہ ہونے کی امّتِ اسلامیہ کو دعوت دی گئی ہے کیونکہ یہی اخلاقی کمزوریاں ہی اُحد کے روز صحابہ کے فرار کی باعث ہوئیں۔ حرص وطمع۔ اور فرمانِ خدا و رسول سے لاپرواہی نے ان کو ثابت قدمی سے روک دیا تھا ورنہ شکست خوردہ فوج قریش کو واپس پلٹنے کی جرأت نہ ہوتی اور نہ خالد بن ولید پیچھے سے حملہ آور ہو سکتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ کو اس جنگ میں شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔ پس خدا نے اولاً سود اور سود در سود سے بچنے اور تقویٰ کے اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ایک طرف نافرمانی کرنے والوں کو جہنم کا خوف دلایا اور دوسری طرف اطاعت کرنے والوں کو بہشت کا وعدہ دیا اور انہیں متقین کے مقدس لقب سے یاد فرمایا اور پھر ان کی علامتیں بیان فرمائیں اور ان کے فضائل کا تذکرہ کیا اور غلطی ہو چکنے کے بعد ان کو توبہ کی طرف متوجہ فرما کر اپنی بخشش کا وعدہ فرمایا تاکہ ان کو مایوسی نہ ہو جائے۔ پھر گذشتہ امتوں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا درس دیا۔

انسان کی تمدنی زندگی کی اصلاح اور اتفاق و اتحاد کی بحالی کے لئے ذخیرہ اندوزی اور حرص و لالچ انتہائی طور پر مُضر ہیں اس لئے پہلے پہلے اس کے لئے اصلاحی حکم کا بیان فرمایا اور ہر حالت میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے والوں کی مدح فرمائی جس کا مقصد دلوں سے حبّ دنیا کا قلع قمع ہے پس جنگِ اُحد کے دن لوٹ میں گھسنے اور مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑنے والے حضرات کو اشارۃً سرزنش فرمادی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو پہاڑوں کی چوٹیاں دیکھنی پڑیں۔ دوسری طرف اتحاد و یکجہتی اور کامیابی و کامرانی کیلئے نہایت اہم اور سب سے ضروری بات ہے اپنے قائد و پیش رو کی پوری اطاعت اور چونکہ مسلمانوں نے اس جنگ میں خدا و رسول

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

نہ کمزور بنو اور نہ غم کھاؤ حالانکہ تم ہی غالب ہو (انجام کار) اگر تم ایمان رکھتے ہو (وعدۂ خدا پر)

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

(کوئی بات نہیں) اگر تمہیں زخم لگے ہیں تو اس قوم کو بھی زخم لگے ہیں (بدر میں) اس جیسے یہ دن ان کو ہم بدلاتے

بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ

ہیں لوگوں میں (بلحاظ مصلحت) اور اس لئے بھی تاکہ پرکھے اللہ ایمان والوں کو اور بنائے تم میں سے بعض کو شہید اور اللہ

لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۱﴾

نہیں چاہتا ظلم کرنے والوں کو اور تاکہ پاکیزہ کرے اللہ ایمانداروں کو (گناہوں کی کثافت سے) اور ہلاک کرے کافروں کو

کے وعدۂ نصرت کو پس پشت ڈال کر اپنی کمزوریوں کا مظاہرہ کیا تھا اس لئے ان آیات میں ان کو مخالفت پر جہنم اور اطاعت پر جنت کی بشارت سے تنبیہ کی گئی اور ان کو تقویت قلب کے لئے سابقہ لغزش سے توبہ کے بعد مغفرت کا وعدہ فرمایا اور آئندہ کے لئے ایسی غلطی کے ارتکاب سے باز رکھنے کے لئے بطور تسلی یا بطور عبرت و نصیحت کے گذشتہ امتوں کے واقعات سے سبق حاصل کرنے کی تلقین فرمائی اور کسی کی نصیحت کے لئے اور راہِ راست پر لانے کے لئے اس طرز بیان سے زیادہ مؤثر کوئی اور طریقہ افہام و تفہیم ہو سکتا ہی نہیں اور نہ انسان کی ہدایت کے لئے ظہور نقص کے بعد تکمیل نفس کے لئے اور رذائلِ نفسانیہ سے کنارہ کشی اور فضائل نفسیہ کے حصول کے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی علاج کارگر ہو سکتا ہے اور یہی قرآن کریم کا طرہ امتیاز ہے پس یہ آیات کریمہ جنگِ اُحد کے واقعہ کے تسلسل میں مخل نہیں کہی جا سکتیں چنانچہ بعد میں پھر اسی جنگ کے متعلق تذکرہ ہو رہا ہے

وَلَا تَهِنُوا ۔ جنگِ احد سے چلے جانے کے بعد جب کفار نے رستہ ہی میں واپس پلٹ کر مدینہ میں غارت گری کا پروگرام مرتب کیا اور رسول کو بذریعہ وحی اطلاع ملی اور ان کے تعاقب کا حکم صادر ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ جنگِ احد میں گئے تھے اب تعاقب کے لئے بھی انہی کو روانہ ہونا چاہیئے تو چونکہ مسلمان بہت کچھ زخمی تھے لہذا پریشان خاطر ہوئے پس ان کی تسلی کے لئے یہ ارشاد فرمایا اور چونکہ ان کو اپنی شکست کی وجہ سے بھی انتہائی پژمردگی لاحق تھی تو ساتھ بشارت بھی دے دی کہ بالآخر تم کامیاب ہو گے اور اسلام کا بول بالا ہوگا ۔ بشرطیکہ تمہیں خدا و رسولؐ کے عہد اور وعدۂ نصرت پر اعتماد ہو اور ثباتِ قدم کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دو ۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کا معنی مرتبہ و شرف کے لحاظ سے بلند ہونا بھی کیا گیا ہے ۔ (مجمع البیان)

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ ۔ حضرت امیر علیہ السلام کو تیر تلوار اور نیزہ سے جنگ احد میں ساٹھ سے زیادہ زخم لگے تھے حتّٰی کہ بعض روایات میں نوّے تک بھی تعداد لکھی ہے۔ انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ حضرت علیؑ کو لائے پس آپ دستِ شفا پھیرتے جاتے تھے اور زخم مندمل ہوتے جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کوئی زخم تھا ہی نہیں کہتے ہیں بعدِ اختتامِ جنگ ابوسفیان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور ایک گھنٹہ وہاں کھڑا رہا۔ جناب رسالتمآبؐ نے دعا مانگی۔ اے میرے اللہ! ان لوگوں کو ہم سے بلند ہونے کا حق نہیں۔ پس ارشاد ہوا۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۔ مرتبہ کے اعتبار سے تم ہی بلند ہو یا انجام کار تم ہی غالب و منصور ہو گے۔ پس ابوسفیان نے بلند ہو کر آواز دی کہ یہ دن بدر کے دن کا بدلہ ہے وہاں ہمیں شکست اور یہاں تمہیں تو ادھر سے جواب دیا گیا تو غلط کہتا ہے ہمارے مقتولین جنّت میں اور تمہارے جہنّم میں ہوں گے اس نے باوازِ بلند اور کفریہ کلمات بھی کہے اور ادھر سے ان کا دندان شکن جواب دیا گیا۔

مداولتِ ایّام کے مصالح

تِلْکَ الْاَیَّامُ ۔ دنوں کا ہیر پھیر کبھی ایک قوم کو فتح اور کبھی دوسری قوم کو۔ یہ ایک دستور ہے اگر خدا چاہتا تو مسلمانوں کو ہر جنگ میں فتح و نصرت دے سکتا تھا۔ لیکن ایسا کرنے میں اس کی مصالح کارفرما ہیں جن کو قرآن بیان فرما رہا ہے۔ پہلی مصلحت تو یہ تھی کہ خدا چاہتا ہے کہ دینِ اسلام دلیل و برہان اور حق و صداقت کی بدولت ہمہ گیر ہو۔ اگر فوجِ اسلام کو ہر جنگ میں فتح و کامرانی ہی نصیب ہوتی تو بہت سے لوگ صرف فتح و نصرت اور غلبہ و برتری کی خاطر ہی اسلام کے حلقہ بگوش ہو جاتے گو دل سے اسلام کو نہ بھی چاہتے۔ ویسے تو ہر مقام پر جناب رسالتمآبؐ کو فتح و نصرت نصیب ہوئی لیکن یہ ہیر پھیر ساتھ رہا تاکہ کہیں اسلام میں دخول کا سبب صرف غلبہ ہی نہ ہو جائے۔

وَلِیَعْلَمَ ۔ دوسری مصلحت کا ذکر ہے اور اس کا عطف پہلی مصلحت پر ہے جو بوجہ واضح و آشکار ہونے کے ذکر نہیں کی گئی پس معنی یہ ہوا کہ ہم ان دنوں کو بدلاتے رہتے ہیں تاکہ اسلام کی ہمہ گیری دلیل و حجّت کی بناء پر ہو نہ کہ زور و زر کی بناء پر اور تاکہ ایمان کا دعویٰ کرنیوالوں میں سے کھرے اور کھوٹے کی پرکھ ہو جائے اور مومن اور منافق میں امتیاز ہو جائے۔

وَیَتَّخِذَ ۔ یہ تیسری مصلحت ہے کہ خداوندکریم بعض مومنین کو مرتبۂ شہادت کرامت فرمانا چاہتا ہے یا یہ کہ وہ چاہتا ہے کہ ثباتِ قدمی سے ان کا مرتبہ بلند ہو تاکہ یہ لوگ اور لوگوں کے اعمال پر شاہد قرار دیئے جائیں اور صاحب تفسیر میزان نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ شہید کا پہلا معنی جدید اصطلاح ہے۔

وَلِیُمَحِّصَ اللّٰہُ ۔ یہ چوتھی مصلحت کا ذکر ہے اس آیت مجیدہ میں معنی کے لحاظ سے دو احتمال ہو سکتے ہیں (۱) تاکہ ایمان والوں کو آزمائے اور کافروں کو نابود کر دے یعنی ایّام کا دَور جب مومنوں کے خلاف ہوتا ہے تو ان کی آزمائش مطلوب ہوتی ہے اور جب کفّار کے خلاف ہوتا ہے تو ان کا صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنا مطلوب ہوا کرتا ہے (۲) تاکہ مومنوں کو گناہوں سے پاک کرے یعنی ایّام کا دَور مومنوں کے خلاف ان کے گناہوں کا کفّارہ ہوا کرتا ہے اور کفّار کے لئے زیادتیٔ عذاب کا موجب بہرکیف یہ مداولتِ ایّام اہل ایمان کے لئے گناہوں سے بچاؤ کا طریقہ ہیں یا تو اس لئے کہ یہ تکالیف ان کی سابقہ خطاؤں کے لئے کفّارہ بن جاتی ہیں اور ان کا مصائب

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا

کیا تم سمجھتے ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے جبکہ نہ پرکھ لے خدا ان کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا

مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ

اور نہ پرکھ لے صبر کرنے والوں کو اور تحقیق تم لوگ تو موت کی خواہش کرتے تھے اس سے پہلے

أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۴۳﴾ ع۵

کہ اس سے ملاقات کرو پس اب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں

وآلام میں صبر کرنا ان کی زیادتی درجات اور کثرتِ اجر کا موجب بن جاتا ہے اور ممکن ہے مقصد یہ ہو کہ جب مومن ایسے دشوار گذار مقامات پر صبر کا مظاہرہ کریں تو پھر خدا اپنے لطف وکرم سے ان کو آئندہ گناہوں سے بچنے کی خصوصی توفیق مرحمت فرما دیتا ہے۔

دخولِ جنّت کا معیار

أَمْ حَسِبْتُمْ۔ اس سے قبل مومنوں کے لئے جنت کی پیش کش کی گئی تھی اب فرماتا ہے کہ یہ مت سمجھئے کہ کچھ کئے بغیر ہم جنت میں جائیں گے بلکہ جنت میں جانے کے لئے آزمائشات سے نپٹنا اور مصائب وآلام پر صبر کرنا ضروری ہے۔

اقول:۔ یہ یا اس قسم کی آیات جہادِ ظاہری کے زمانہ تک محدود نہیں بلکہ ہر دَور میں انسان کے ہر سانس کے ساتھ مقامِ جہاد وابستہ ہے اور عقل ونقل سے یہ بات واضح ہے کہ جہادِ ظاہری سے جہادِ باطنی کہیں زیادہ سخت ہوا کرتا ہے بلکہ باطنی جہاد میں فتح یاب ہونے کے بعد ہی انسان ظاہری جہاد میں بھرتی ہونے کے قابل ہوا کرتا ہے۔ احکامِ خدا پر سختی سے عمل پیرا ہونا اور اطاعتِ خدا ورسول کے ماتحت نفسِ امارہ کی خواہشات کو کچلنا جہادِ عظیم ہے۔ نیز واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے بچنا اور اس بارہ میں ہر قسم کی تکالیف کا سہنا اور صبر کرنا انسان کی فتح عظیم ہے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ۔ کہتے ہیں جنگِ بدر کے بعد بعض لوگوں نے خواہش ظاہر کی تھی کہ کاش! ہم بھی شریکِ جہاد ہوتے اور ثباتِ قدم سے دشمن کا مقابلہ کرتے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوتے لیکن جب جنگ اُحد پیش آئی تو انہوں نے بُزدلی کا وہ شرمناک مظاہرہ کیا جو قیامت تک صفحاتِ تاریخ سے مٹ نہیں سکتا اور یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ

نہیں ہیں (حضرت) محمد مگر رسول بے شک (بذریعہ موت یا قتل) گذر چکے ہیں اس سے پہلے بہت رسول کیا پس اگر یہ مر بھی

أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ

جائیں یا قتل کئے جائیں تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں ؟ اور جو بھی پھر جائے الٹے پاؤں پس ہرگز نہ

يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

ضرر دے گا اللہ کو کچھ بھی اور عنقریب بدلہ دے گا اللہ شکر گذاروں کو نہیں ہو سکتا کسی نفس کے لئے

رکوع ۶

جنگِ اُحد میں مسلمانوں کا کردار

کفارِ قریش جب اُحد میں آئے تو اُن کے لشکر کی ترتیب اس طرح تھی کہ میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھا اور عورتیں دف بجاتی اور گاتی ہوئی ان کے ہمراہ تھیں چنانچہ ہندہ کے اشعار نَحْنُ بَنَاتُ الطَّارِقِ الخ آج تک صفحات تاریخ میں موجود ہیں جب حضرت امیرؑ کے ہاتھوں ان کے دس نشانچی مارے گئے اور مسلمانوں نے میدان جیت لیا تو زبیر کہتا ہے کہ میں نے اسی ہند کو دیکھا کہ اپنی سہیلیوں سمیت ساز و نغمہ کو بھول کر کودتی ہوئی پہاڑیوں پر چڑھ رہی تھی۔ لیکن اِدھر مسلمانوں نے فرمانِ نبویؐ کو بھلا کر جب لوٹ کی طرف ہاتھ بڑھائے اور درہ کو خالی چھوڑا تو خالد نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور کفار نے جب علم اپنا بلند دیکھا تو وہ بھی واپس آگئے چنانچہ اب مسلمانوں کو بھاگنے کی سوجھی عبداللہ بن قمئہ نے جناب رسالتمآبؐ کے دانت مبارک اور چہرہ انور کو زخمی کیا۔ مصعب بن عمیر آپ کی حفاظت کے لئے آگے بڑھا اور ابن قمئہ کے ہاتھوں شہید ہوا تو ابن قمئہ نے حضورؐ کی موت کی خبر اڑا دی۔ اسی جنگ میں قتادہ بن نعمان کی آنکھ نکل پڑی حتّٰی کہ رخسارہ پر لٹک آئی تو آپ نے اُسے اپنے مقام پر اپنے دستِ مبارک سے جوڑ دیا اور وہ ٹھیک ہو گئی ابی بن خلف جمحی جناب رسالتمآبؐ کی طرف بڑھا۔ بعض صحابہ نے اس کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے آنے دیجئے اور اس سے پہلے باہمی گفتگو میں آپؐ نے اس کو فرمایا تھا کہ میں ہی تجھے قتل کروں گا پس وہ جونہی قریب آیا آپ نے حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ اپنے گھوڑے سے زمین پر گرا اور ہلاک ہو گیا۔

بالجملہ جب آپ کی موت کی خبر مشہور ہوئی اور مروی ہے کہ ابلیسؔ نے یہ خبر مشہور کی تھی تو اب مسلمانوں کے چار

گروہ ہوگئے۔ ایک گروہ کہنے لگا کہ ہماری طرف سے کوئی آدمی عبداللہ بن ابی کے پاس جائے تاکہ وہ ابوسفیان سے ہمیں امان نامہ لے کر دلوائے۔ دوسرا گروہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر حیران و ششدر سا رہ گیا اور انہوں نے خاموشی اختیار کر لی اور تیسرا گروہ کہنے لگا کوئی بات نہیں۔ اگر حضرت محمدؐ قتل کئے گئے ہیں تو ہمیں اپنے آبائی مذہب پر پلٹ جانا چاہیئے اور چوتھا گروہ اپنے دین پر ثابت قدم رہا اور انہوں نے کہا اگر بالفرض حضرت محمد قتل بھی ہوگئے تو محمد کا پروردگار تو زندہ موجود ہے ہم کسی قیمت پر نہ کسی سے امان نامہ لیتے ہیں اور نہ اپنے دین کو چھوڑتے ہیں۔

سیرت ابن ہشام سے بروایت حضرت انس بن نضر جو انس بن مالک کے چچا تھے تفسیر میزان میں منقول ہے کہ وہ حضرت عمرؓ اور حضرت طلحہ کے پاس سے گذرے جبکہ مہاجرین اور انصار کی جماعت میں ایک جگہ بیٹھے تھے انسؓ نے کہا کہ تم لوگ کیوں بیٹھ گئے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ اب رسولؐ اللہ تو مارے گئے ہیں پس اس نے کہا کہ حضورؐ کی موت کے بعد ہمارا زندہ رہنا پھر تو فضول ہے پس اٹھو اور اسی راستہ پر جان کی بازی لگاؤ جس پر آپ مارے گئے ہیں یہ کہتے ہی واپس آیا اور میدان کارزار میں داخل ہو کر جام شہادت پی لیا۔

خداوند کریم ان لوگوں کی سرزنش فرما رہا ہے کہ تمہارے قدم دین میں مضبوط نہیں ہیں حضرت محمد مصطفےٰؐ دوسرے گذشتہ رسولوں کی طرح رسول ہیں جس طرح وہ بعض اپنی موت سے اور بعض قتل و شہادت کی موت سے گذر چکے ہیں۔ انہوںؐ نے بھی ایک دن ضرور گذر جانا ہے تو کیا تمہارا ایمان اس قدر کمزور ہے کہ اگر آپ دنیا سے رحلت فرما جائیں تو تم اپنا دین چھوڑ کر الٹے پاؤں اپنے پہلے طریقہ کفر کو اختیار کر لو گے؟ ہاں اللہ پر احسان کا بار مت رکھو تمہارا اسلام سے دست بردار ہو جانا مجھے نقصان دہ نہیں البتہ خود تمہارے اپنے لئے ہی دنیا و عقبیٰ کے خسارہ کا موجب ہو گا اور خدا شکر گذاروں کو ان کے شکر کی جزاء مرحمت فرمائے گا۔ اس آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ میں سے بعض لوگوں کا ایمان حضورؐ کی زندگی تک کے لئے ہی تھا ورنہ اس خدشہ کے اظہار اور اپنی بے نیازی کے اعلان کا کوئی مطلب ہی باقی نہیں رہتا اور ایسا ہوا بھی ضرور ہے چنانچہ ہم نے کتاب ہذا کی جلد اوّل یعنی مقدمہ تفسیر صـ۱۵۳ میں حضورؐ کے بعد بعض صحابہ کے مرتد ہونے کی بعض احادیث بخاری وغیرہ سے نقل کی ہیں اور قرآن مجید ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے حاشیہ پر مترجم نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے۔ تفسیر برہان میں کافی و عیاشی سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد لوگ دین سے مرتد ہو گئے سوائے تین آدمیوں کے راوی نے پوچھا وہ تین کون ہیں تو آپ نے فرمایا مقداد۔ ابوذر سلمان اس کے کچھ عرصہ بعد باقی کچھ لوگ بھی معرفت حاصل کر کے دین میں آگئے۔ ایک اور روایت میں آپ سے عمار کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں کسی وقت بھی شک نے جگہ نہیں لی وہ صرف یہی تین آدمی تھے۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب لوگ جنگ احد میں بھاگ گئے تو جناب رسالتمآبؐ نے آوازیں دیں کہ میں محمدؐ موجود ہوں نہ مجھے قتل کیا گیا ہے اور نہ میں مرا ہوں تو فلاں و فلاں نے مڑ کر دیکھا اور کہنے لگے اب

ہم سے تمسخر کر رہا ہے حالانکہ ہمیں شکست ہو چکی ہے صرف حضرت علیؑ اور ابو دجانہ سماک بن خرشہ باقی رہ گئے۔ آپ نے ابو دجانہ سے فرمایا کہ جاؤ میں نے تم سے بھی اپنی بیعت اٹھا لی ہے البتہ علی فَهُوَ اَنَا وَ اَنَا هُوَ یعنی وہ اور میں ایک چیز ہیں۔ تو ابو دجانہ نے عرض کی حضورؐ! کیا میری زوجہ یا فرزند مر رہا ہے یا میرا گھر اور مال تباہ ہو رہا ہے؟ میں کیوں جاؤں اور آپ کو چھوڑ کر کہاں جاؤں۔ بخدا میں تو اپنی بیعت کو خیر باد ہرگز نہ کہوں گا۔ پس آپ نے اُس کے حق میں دعائے خیر فرمائی چنانچہ ایک طرف وہ لڑتا تھا اور دوسری طرف حضرت علیؑ جہاد کرتے تھے۔ جب ابو دجانہ زخموں سے چور ہو کر گرا تو حضرت علیؑ اس کو اٹھا لائے تو اس نے بارگاہ رسالتؐ میں عرض کی قبلہ! کیا میں نے اپنی بیعت کی وفا کی ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں تو نے وفا کی ہے پس تنہا حضرت علیؑ مصروف جہاد ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ کی تلوار تین مقامات سے ٹوٹ گئی تو حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر تلوار کے ٹوٹنے کا ذکر کیا تو آپ نے اب ذوالفقار عطا فرمائی۔ حضرت رسالت پناہؐ نے دیکھا کہ حضرت علیؑ کے قدموں سے خون بہہ رہا ہے۔ آپ نے رو کر ان کے حق میں دعا فرمائی۔ پس حضرت علیؑ حاضر خدمت ہوئے تو عرض کی حضور! مجھے جہاد کرتے ہوئے ایک آواز سُنائی دیتی ہے اور جب میں کسی پہ حملہ کرتا ہوں تو میری تلوار لگنے سے قبل وہ گر جاتا ہے اور وہیں ختم ہو جاتا ہے تو آپ نے فرمایا جبرئیل میکائیل اور اسرافیل ملائکہ کی صفوں کے ساتھ آئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد جبرئیل کے وہ کلمات جو پہلے گذر چکے ہیں نقل کئے اور جب کفار واپس مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو جبرئیل نے بحکم خدا ان کا تعاقب کیا (اور یہی رعب تھا جس کا تذکرہ ہو چکا ہے) کفار کے کانوں میں جب گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز پہنچتی تو وہ سمجھتے تھے کہ پیچھے سے اسلام کا لشکر آ رہا ہے پس وہ تیز رفتاری اختیار کر لیتے تھے اور اسی خوف و ہراس کے عالم میں وہ داخل مکہ ہوئے۔

ادھر جنگ ختم ہوئی تو جناب رسالتمآبؐ نے مدینہ کا رُخ کیا اور علم حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھا وہ آگے آگے چل رہے تھے جب ایک ٹیلے سے اُترے تو لوگوں نے دیکھ لیا۔ حضرت علیؑ نے آواز دی اے لوگو! یہ محمدؐ مصطفیٰ زندہ موجود ہیں، نہ قتل ہوئے اور نہ مرے ہیں۔ انصار کی عورتیں اپنے صحن خانہ اور گھروں کے دروازوں پہ دیکھ رہی تھیں۔ پس مرد بھی جمع ہو گئے خوشامدیں کرتے اور توبہ کا اظہار کرتے تھے۔ انصار کی عورتوں نے حضورؐ کی موت کی خبر سُن کر بال پریشان کر کے رخساروں اور پیشانیوں پر پیٹ لیا تھا اور گریبان چاک کر ڈالے تھے جب حضورؐ پر ان کی نگاہ پڑی تو خاموش ہو گئیں آپ نے انکو گھروں میں واپس جانے اور پردہ سنبھالنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ خدا نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے دین کو تمام دینوں پہ غلبہ عطا فرمائے گا۔ اور یہ آیت اتری۔ ملخصاً۔

دلیل ماتم

معارج النبوۃ رکن چہارم میں ہے کہ جب آنحضرتؐ کی موت کی خبر مدینہ مشہور کر دی گئی تو جناب خاتون جنّت سر پیٹتی ہوئی اور روتی ہوئی باہر آئیں اور یتیمی کے آثار ان کی حالت سے ظاہر تھے اور تمام زنانِ ہاشمیہ گریہ زاری کرتی ہوئیں اور سر پیٹتی اور نوحہ کرتی ہوئی باہر آئیں کہ ان کے رونے پیٹنے کی آواز فلک تک پہنچتی تھی جناب بتول معظمہ کا ماتمی جلوس

أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ۗ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا

کہ مرجائے بغیر اذن اللہ کے یہ حتمی مقرر شدہ بات ہے اور جو شخص چاہے بدلہ دنیا کا تو ہم

نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٥﴾

اس کو اسی سے دیتے ہیں اور جو چاہے بدلہ آخرت کا تو ہم اس کو اسی سے دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے

کے ساتھ سر پیٹتے ہوئے اور نوحہ کرتے ہوئے جانا آئندہ کے لئے کھلا ہوا ثبوت ہے کہ دین کے تاجدار کے غم میں اس طرح کے ماتمی جلوس بدعت نہیں ہوا کرتے بلکہ اولادِ پیغمبرؐ کی سنت ہے نیز جناب رسالتمآبؐ کو اگر ناگوار ہوتا تو آپ منع ہی فرما دیتے۔ پس آپ کا منع نہ فرمانا جوازِ عزاداری کی تائید مزید ہے۔

نکتۂ علمیہ صیغۂ فعل اور صیغۂ صفت کے استعمال میں یہ فرق ہے کہ فعل کی دلالت صرف حدوث پر ہوا کرتی ہے۔ جس میں دوام و استمرار کا معنی نہیں پایا جاتا اور صیغۂ صفت کی دلالت دوام و استمرار پر ہوا کرتی ہے مثلاً جہاں یَصْبِرُ کا استعمال ہو تو اس کی دلالت صرف صبر کے ساتھ تلبس پر ہے اور اگر صَابِرٌ کہا جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس میں صبر کی صفت پختگی اور استمرار کے رنگ میں پائی جاتی ہے یُؤْمِنُ کا معنی یہ ہے کہ اس کا صفت ایمان کے ساتھ تلبس ہے اور مومن کا معنی یہ ہے کہ اس میں صفت ایمان کی پختگی کے ساتھ ہے یَتَّقِیْ اور مُتَّقِی نیز یَشْکُرُ شَاکِرٌ کے معانی میں بھی یہی فرق ہے۔ خداوند علیم و حکیم نے جزائے خیر کا وعدہ شاکرین سے کیا ہے یعنی وہ لوگ جن میں یہ صفت دیمومیت اور استمرار کی صورت میں ہو اور گویا ان میں شکر کا ملکہ پیدا ہو گیا ہو جو تادم مرگ قابل زوال نہ ہو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب انسان کا ظرفِ ایمان دولتِ خلوص سے پُر ہو پس شاکر وہی ہو سکتا ہے جو مخلص ہو اسی لئے ابلیسؔ نے جہاں بندوں کو گمراہ کرنے کا دعویٰ کیا تو صاف کہہ دیا کہ تیرے مخلص بندے میرے پھندے میں نہ آسکیں گے (سورۂ حجر) اور دوسرے مقام پر کہا کہ تیرے اکثر بندوں کو میں شاکر نہ رہنے دوں گا۔ (سورہ اعراف) یہاں خدا فرماتا ہے کہ سَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ۔ اور اسی نکتہ کی بنا پر اَلَّذِیْنَ یَشْکُرُوْنَ نہیں فرمایا اور اس کے برعکس یَکْفُرُ اور کَافِرٌ یا یُشْرِكُ اور مُشْرِكٌ میں بھی یہی معنوی فرق موجود ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ۔ کہتے ہیں یہ آیت مجیدہ جہاد کی طرف ترغیب دینے کے لئے ہے کہ جب اللہ کے اذن کے بغیر کسی انسان پر موت آسکتی ہی نہیں تو پھر قتل کے خوف سے جہاد ترک کرنے کا مطلب ہی کیا ہے؟ کیونکہ بزدلی آئی ہوئی موت کو ٹال نہیں سکتی اور جہاد مقررشدہ میعاد سے قبل موت کو لا نہیں سکتا (مجمع)

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا۔ جو شخص اپنا عمل صرف دنیاوی منافع کے لئے کرے یا جو شخص جہاد میں صرف مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جائے تو ایسے شخص کے لئے بدلہ صرف دنیاوی ہے اور وہ آخرت کے ثواب سے محروم

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ

اور بہت پیغمبر (گذرے ہیں) کہ لڑیں ان کے ہمراہ ہو کر جماعتیں کثیر پس وہ نہ سست ہوئے بوجہ ان مصائب کے جو

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

ان کو راہِ خدا میں پہنچے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور اللہ صابرین کو دوست رکھتا ہے

ہوگا چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ مَنْ طَلَبَ الدُّنْيَا بِعَمَلِ الْاٰخِرَةِ فَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ یعنی جو شخص عملِ آخرت کے ذریعہ سے دنیا کا طالب ہو گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا (مجمع)

جنگِ اُحد میں حضرت علیؑ کا کردار

وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ :- مجمع البیان میں بروایت ابان بن عثمان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کو اُحد کے دن ساٹھ زخم لگے حضرت رسالتمآبؐ نے امّ سلیم اور امّ عطیہ کو زخموں کی مرہم پٹی پر متعین فرمایا تو انہوں نے آخر خدمتِ نبویؐ میں عرض کی حضورؐ جب ہم ایک جگہ کا علاج کرتی ہیں تو دوسرا زخم پھٹ جاتا ہے لہذا ہمیں اس سے خطرہ محسوس ہوتا ہے پس آپ بنفسِ نفیس خود تشریف لائے اور دوسرے مسلمان بھی عیادت کی غرض سے حاضر ہوئے زخم اس قدر کشادہ اور قریب قریب تھے کہ سب مل کر ایک ہی زخم بنا ہوا تھا پس حضورؐ اپنے دستِ شفا کو اُوپر پھیرنے لگے اور فرماتے جاتے تھے کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں یہ تکالیف و آلام برداشت کئے اس نے اپنا حق ادا کر دیا پس آپ جس زخم پر ہاتھ پھیرتے تھے وہ زخم بالکل مندمل ہو جاتا تھا اور حضرت علی علیہ السلام کی زبان پر جاری تھا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ اُوَلِّ الدُّبُرَ شکر ہے خدا کا کہ میں نے فرار نہیں کیا اور میدانِ کارزار سے کنارہ نہیں کیا پس خداوند کریم نے قرآن میں دو جگہ حضرت علیؑ کی شکر گذاری کو سراہا ایک اس سے پہلی آیت چنانچہ فرمایا - وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ اور دوسری یہ آیت کہ فرماتا ہے وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ اور تفسیر میزان میں ہے کہ صیغہ صفت کے ساتھ پورے قرآن مجید میں شاکر کا اطلاق کسی شخص پر نہیں ہوا جس کی خدا نے مدح کی ہو - سوائے ان بزرگوار ہستیوں کے جو جنگِ احد میں ثابت قدم رہے اس لئے کہ یہ دونو آیتیں باتفاق مفسرین جنگِ اُحد کے واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ بھی اربابِ تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت علیؑ جنگِ احد میں ثابت قدم رہے پس حضرت علیؑ ہی وہ ذات ہے جس میں شکر کی صفت پختگی دوام اور ملکہ کی حیثیت سے ہے جس کو بالفاظ دیگر اخلاص کہا جا سکتا ہے جیسے کہ بیان ہو چکا ہے -

مَعَهٗ - ترکیبِ نحوی کے لحاظ سے نبیؐ کی وصف ہے یا قاتل کے فاعل سے حال ہے -

رِبِّيُّوْنَ :- اس میں چند اقوال ہیں - یہ جمع ہے رِبِّيٌّ کی اور یہ مثل رَبَّانِيٌّ کے ہے اس کا معنی ہے وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ

منقص ہوں اور ان کا شغل کسی دوسری طرف نہ ہو یعنی اللہ کی عبادت سے ہی تمسک رکھتے ہوں (۲) ربّیؒ کی جمع ہے جس کا معنی ہے ایک ہزار اور جمع کی صورت میں اس کا معنی کئی ہزار ہوگا (میزان) (۳) اس کا معنی ہے علماء و فقہا (۴) اس کا معنی ہے بہت سی جماعتیں (۵) امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے دس ہزار (۶) ربّیؒ تابع کو کہتے ہیں اور ربّانیؒ والی کو کہتے ہیں۔ (مجمع)

قرأت کے اعتبار سے ابن عباس نے قُتِلَ پڑھا ہے اور ابن مسعود نے قَاتَلَ پڑھا ہے تو ابن عباس کی قرأت کے مطابق قُتِلَ کا نائب فاعل یا تو ربّیّون ہوگا اور یا ضمیر ہوگی جو نبی کی طرف راجع ہے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ نبیوں کے ہمراہ ہو کر لڑنے والوں میں سے قتل ہو جانے والوں کے بعد جو لوگ بچ گئے تھے ان میں بزدلی یا سستی پیدا نہ ہوئی اور وہ پہلے کی طرح مصروفِ جہاد رہے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ بہت سے نبی گذرے ہیں کہ بوقتِ جہاد ان کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں ان کے صحابی موجود تھے لیکن جب وہ نبی قتل ہو گیا تو اُن کے بعد بھی ان کے ہمراہی مصائب سے گھبرا کر سست نہ ہوئے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دشمن کے سامنے دب کر رہے بلکہ وہ اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے باقاعدہ مصروفِ جہاد رہے پس نبی یا اس کے ہمراہیوں کی یہ شان ہے کہ وہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں۔ یہاں خدا اُحد والوں کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ بالفرض اگر نبی قتل ہو بھی جاتا جیسا کہ میدانِ اُحد میں جھوٹی افواہ پھیلا دی گئی تھی۔ تب بھی مسلمانوں کو بزدل نہیں ہونا چاہیے تھا جیسا کہ انبیاء کے ساتھ رہنے والوں کی شان ہے کہ وہ نبیوں کے قتل ہو جانے کے بعد کمزوری کا احساس نہیں کرتے چنانچہ دورِ سابق میں بہت سے نبیوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے اور ان کے ساتھی ثابت قدم رہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی معنی مروی ہے۔

حضرت علیؑ کا امتیاز

تفسیر برہان میں اختصاص مفید سے ستر منقبت والی حدیث میں سے یہ حصہ منقول ہے کہ من جملہ مناقب علیؑ کے جن میں آپ کو اختصاص حاصل ہے ایک یہ ہے کہ آپ میں دمن واستکانت نہیں تھی۔ چنانچہ جنگ اُحد میں آپ کو اتنی ایسے زخم لگے تھے کہ دوائی ایک زخم میں ڈالی جاتی تھی تو وہ دوسرے زخم سے نکل آتی تھی۔ جب جناب رسالتمآبؐ عیادت کے لئے تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت علیؑ چمڑے کے بستر پر پڑے تھے اور آپ کا جسم خون سے بالکل رنگین تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ کی راہ میں اس قدر تکلیف پہنچے تو سزاوار ہے کہ اللہ بھی اس کے ساتھ وہ کرے جو اس کی ذات کے شایان ہے تو حضرت علیؑ نے چشم گریاں سے عرض کی۔ میرا ماں باپ آپ پر فدا ہو۔ میں اس بات پر اللہ کی حمد بجا لاتا ہوں کہ میں نے آپ سے پشت نہیں پھیری اور فرار نہیں کیا۔ میرا ماں باپ آپ پر نثار ہو مجھے بتایئے کہ میں درجۂ شہادت سے محروم کیوں ہوا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اس درجہ پر بھی آپ انشاء اللہ فائز ہوں گے۔ پس فرمایا کہ ابوسفیان کو پھر حمراء الاسد پر ہماری انتظار ہے تو حضرت امیر علیہ السلام نے نہایت اطمینان و سکون سے عرض کی حضور! میرا ماں باپ آپ پر نثار۔ خدا کی قسم اگر میں چلنے کے قابل نہ ہوں گا اور دوسرے لوگ مجھے اُٹھا کر لے جائیں

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ

اور انہوں نے کوئی بات نہ کہی مگر یہ کہا اے پروردگار ہمارے گناہ بخش دے اور

اِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۷﴾

ہماری کوتاہی اپنے معاملہ میں اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہماری نصرت فرما کافر لوگوں پہ

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ

پس دیا ان کو اللہ نے ثواب دنیا کا اور بہترین ثواب آخرت کا اور اللہ

یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

گے تو یہ منظور ہے اور آپ کو تنہا بھیج کر گھر میں رہنا ہرگز پسند نہیں کروں گا - پس خداوند کریم نے قرآن مجید کی یہی آیت بھیجی وَكَاَیِّنْ مِّنْ نَّبِیٍّ الخ اور اس سے پہلے وہ آیت بھیجی جو گذر چکی ہے وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ الخ باین ہمہ آپ نے اپنے زخموں کی تکلیف کی شکایت تک نہ کی - یہاں تک کہ وہ دو عورتیں جو علاج اور تیمارداری پہ مامور تھیں اُن سے رہا نہ گیا اور بول اُٹھیں کہ حضور! ہمیں علیؑ کے زخم تشویشناک معلوم ہوتے ہیں اور ہمیں ڈر لگتا ہے کیونکہ ایک زخم میں جب ہم کپاس داخل کرتی ہیں تو وہ دوسرے زخم سے نکل آتی ہے اور باوجود اس کے حضرت علیؑ درد کی شکایت منہ پہ نہیں لاتے -

وَمَا كَانَ الخ - خداوند کریم گذشتہ انبیاء کے ہمراہیوں کی ثبات قدمی اور دعاؤں کی نقل فرما کر اصحاب جناب رسالتمآبؐ کو سبق دے رہا ہے کہ تمہیں بھی یہی کردار ادا کرنا چاہیے -

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ - دنیا کے ثواب سے مراد فتح و نصرت اور حصول غنیمت اور آخرت کے ثواب سے مراد جنت و مغفرت ہے -

اقول :- اس جنگ میں ثابت قدم رہنے والوں اور استحقاق جزا رکھنے والوں کو خدا نے شاکرین، صابرین اور محسنین کے مقدس خطابات سے نوازا ہے اور چونکہ حضرت علیؑ ہی ثابت قدم رہے تو یہ خطابات قرآنی انہی کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں - روایات میں حضرت علیؑ کے زخموں کی تعداد ساٹھ سے لے کر نوے تک ہے اور ان روایات میں جمع ممکن ہے - لہذا یہ منافات نہ سمجھنی چاہیے -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کی اطاعت کروگے جو کافر ہیں تو وہ تمہیں پھیر دیں گے الٹے پاؤں

فَتَنقَلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۱۵۰﴾

پس تمہارا انجام خسارہ ہوگا بلکہ اللہ تمہارا مولا ہے اور وہی بہتر مددگار ہے

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ

عنقریب ڈالیں گے ہم ان لوگوں کے دلوں میں جو کافر ہیں رُعب اس لئے کہ انہوں نے شریک کیا اللہ کا

يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۖ وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۱﴾

اس کو کہ نہیں نازل کی اس نے اس پر کوئی دلیل اور ان کی بازگشت دوزخ ہے اور بُرا ٹھکانا ہے ظلم کرنے والوں کا

رکوع نمبر ۷

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا - مجمع البیان میں حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب مسلمان ہزیمت خوردہ جنگ اُحد سے واپس آئے تو منافقین نے اُن کے کان بھرنے شروع کر دیئے کہ دیکھئے تم اپنی سابق برادری سے جا ملئے اور انہی کا دین اختیار کر لیجئے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے ہزیمت خوردہ مسلمانوں سے یہ باتیں کہی تھیں تاکہ ان کے ساتھ ظاہرا اظہار ہمدردی کرکے آئندہ کے لئے ان کو جہاد کرنے سے باز رکھیں پس خدا نے ان کی شرارتِ باطنی اور خبث قلبی کا پردہ چاک فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی تاکہ مسلمان ان کے اس دھوکا میں نہ آسکیں۔

سَنُلْقِي - مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق ہے کہ جب کفارِ قریش جنگ سے واپس ہوئے - تو ابوسفیان نے جاتے ہوئے کہا کہ ہم نے مسلمانوں کو قتل کیا اور ان کو خوب مار بھگایا لہذا ہمیں واپس پلٹ کر مدینہ میں غارت کرنی چاہیئے - پس خدا نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب ڈال دیا اور انہیں واپس پلٹنے کی جرأت نہ ہوسکی چنانچہ اس کی بھی قدرے تفصیل گذر چکی ہے - روایت میں ہے کہ کفارِ مکہ میں اس طرح داخل ہوئے جس طرح کوئی شکست خوردہ انسان ہوتا ہے انہیں یہ ڈر تھا کہ کہیں جناب رسالتمآبؐ اور ان کے صحابی ہمارا تعاقب کرکے ہمیں قتل نہ کر ڈالیں اور حضورؐ نے فرمایا کہ میری ایک ماہ کی مسافت کے برابر رعب سے نصرت کی گئی ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

اور تحقیق پورا کیا تمہارے ساتھ اللہ نے وعدہ اپنا جبکہ تم ان کو قتل کر رہے تھے اس کے اذن سے یہاں تک کہ جب تم

تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ

بزدل ہوئے اور جھگڑ پڑے معاملہ میں اور بے فرمان ہوئے بعد اس کے کہ اس نے دکھائی تمہیں وہ چیز جسے تم چاہتے تھے تم میں سے

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ

بعض چاہتے تھے دنیا کو اور بعض چاہتے تھے آخرت کو پس تم کو پھیر دیا ان سے تاکہ تمہیں آزمائے

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور تحقیق اس نے معاف کر دیا تمہیں اور اللہ صاحب فضل ہے ایمان والوں پر

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ - خدا نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر تم صبر کروگے اور نافرمانی سے بچوگے اور کافر فوراً یا اپنے جوش کے ساتھ ابھی آجائیں تو خدا تمہاری ملائکہ بھیج کر امداد فرمائے گا۔ یا اس وعدہ سے وہ وعدہ مراد ہے جو جناب رسالتمآب نے فرمایا تھا کہ عبداللہ بن جبیر کے ساتھ دُرے پر ثابت رہنا اور اگر تم نے درّہ کو نہ چھوڑا تو ہم غالب ہو کر رہیں گے۔ (مجمع)

حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ - اظہارِ بزدلی اور باہمی جھگڑا اور نافرمانی سے مراد یہی ہے کہ جب کفار بھاگ گئے اور مسلمان لوٹ میں پڑ گئے تو عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے جھگڑا شروع کر دیا بعض ثابت قدمی کی طرف تھے اور بعض لوٹ کو پسند کر رہے تھے۔ پس آخرکار ان سے نافرمانی سرزد ہوئی اور ان سے درّہ چھوٹا جس کی بدولت شکست کا سامنا کرنا پڑا یہاں اِذَا شرطیہ کی جزا محذوف ہے کہ جب تم نے بزدلی کی تو تمہیں مصائب میں گرفتار ہونا پڑا۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ - یعنی تمہاری نافرمانی اور بزدلی کے بعد بطور آزمائش کے خدا نے تمہاری فتح و غلبہ کا رُخ ان سے پھیر دیا پس وہ غالب آگئے یا یہ کہ مقام حمراء الاسد سے جب کفار نے واپسی کا قصد کیا تھا تو خدا نے ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا اور مسلمانوں کو ان کے تعاقب کے حکم سے روک دیا۔ مجمع البیان میں بروایت واحدی سہل بن سعد انصاری سے منقول ہے کہ جب رسالتمآب اُحد سے پلٹے اور اُن کا دانت مبارک شہید ہو چکا تھا اور سر پاک پر بھی زخم تھا تو جناب بتول معظمہ آپ سے خون دھوتی تھیں اور حضرت امیر علیہ السلام پانی ڈالتے تھے لیکن خون نہیں رُکتا تھا پس بی بی پاک اٹھیں اور انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس کو جلا کر اس کی راکھ کو زخم پر رکھا پس خون رُک گیا۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ

جب تم بھاگے جاتے تھے اور نہ پرواہ کرتے تھے کسی کی حالانکہ رسول بلا رہا تھا تم کو پیچھے سے

فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ

پس دیا (خدا نے) تمہیں ایک غم بدلے غم کے تاکہ تم غمگین نہ ہو اوپر اس چیز کے جو تم سے فوت ہوئی

وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

اور نہ اس پر جو تمہیں پہنچی اور اللہ آگاہ ہے جو تم عمل کرتے ہو

فرار صحابہ بروز اُحد

اِذْ تُصْعِدُوْنَ (۱) اصعاد اور صعود میں یہ فرق ہے کہ اصعاد ہموار زمین میں جانے کو کہتے ہیں اور صعود بلندی پر چڑھنے کو کہا جاتا ہے جیساکہ حماسی کے شعر میں ہے۔ هَوَيَّ مَعَ الرَّكْبِ الْيَمَانِيْنَ مُصْعِدُ :۔ بعضوں نے یہاں تُصْعِدُوْنَ کی بجائے تَصْعَدُوْنَ پڑھا ہے تاکہ اس کا مصدر صعود ہو جائے کیونکہ بھاگنے والے اس روز پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے اور فراء کا قول ہے کہ اصعاد ہر سفر کی ابتدا کو کہا جاتا ہے جیسے کہ انحدار اس کے مقابلہ میں واپسی پر بولا جاتا ہے۔

وَلَا تَلْوُوْنَ :۔ لَوٰی يَلْوِيْ لَيًّا کے باب سے ہے اس کا معنی ہے گردن مروڑ کر پیچھے کی طرف التفات کرنا اور اس معنی میں اس کا استعمال ہمیشہ نفی کے صیغہ سے ہی ہوا کرتا ہے (مجمع)

فِيْ أُخْرَاكُمْ :۔ اُخریٰ اولیٰ کے مقابلہ میں ہوتا ہے گویا لوگ کئی جماعتوں میں ہو گئے تھے اور سب سے آخری گروہ میں حضورؐ تھے باقی سب لوگ آگے آگے دوڑے جا رہے تھے پس آپ پیچھے سے سب کو بلا رہے تھے اور ان سے کوئی مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا (میزان) بیضاوی میں ہے کہ حضرت یہ بھی فرماتے تھے کہ جو واپس آئے گا میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں لیکن کوئی نہیں سنتا تھا۔

فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ :۔ پس اس نے تم کو ایک غم دے دیا بجائے اس غم کے جو تم کو پہنچنے والا تھا وہ مذموم تھا یعنی لوٹ و غنیمت کے ہاتھ سے چلے جانے کا غم اور فتح کا شکست سے بدل جانے کا غم۔ پس اس کے بدلہ میں تم کو خدا نے حسرت و ندامت کا غم دے دیا تاکہ اس غم سے تمہاری خلاصی ہو جائے لہذا دوسرے غم کے ساتھ باء جارہ عوض کے لئے ہوگی گویا یہ غم اللہ نے اس غم مذموم کے بدلہ میں ان کو دے دیا اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ باء جارہ سببیت کے لئے ہو اور معنی یہ ہو کہ خدا نے تمہیں بھاگنے کا غم دے دیا بسبب اس غم کے جو تمہارے باہمی جھگڑے اور نافرمانی سے درّہ کو چھوڑنے کے بعد تمہیں لاحق ہوا تھا کہ کفار تم پر ہر طرف سے حملہ آور ہو گئے تھے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ

پھر نازل فرمایا تم پر غم کے بعد امن۔ (یعنی نیند جو چھا گئی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک گروہ کو

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

تو فکر دامن گیر ہو رہا تھا اپنی جانوں کا گمان کرتے تھے اللہ پر ناحق گمان

الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

جاہلیت کا کہتے تھے کیا ہمارے لئے اس بارہ میں کچھ ہے۔ (فتح و نصرت) فرمایئے معاملہ

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ

سب اللہ کے بس میں ہے وہ چھپاتے ہیں اپنے دلوں میں جو نہیں ظاہر کرتے آپ پر کہتے ہیں اگر ہوتا ہمارے لئے

لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ

اس بارہ میں کچھ (فتح و غلبہ) تو ہم قتل نہ کئے جاتے یہاں فرمایئے اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں تب بھی

الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ

ضرور نکلتے وہ جن پر لکھا جا چکا ہے قتل ہونا طرف اپنی خوابگاہوں کے اور تاکہ آزمائے خدا تمہارے سینوں

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

کی باتوں کو اور تاکہ خالص کرے تمہارے دلی ارادوں کو اور خدا جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کو

ثُمَّ اَنْزَلَ۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب کفار نے واپس آنے اور مدینہ کے لوٹنے کی دھمکی دی اور خدا نے ان کے تعاقب کا حکم دیا تو مومنین لڑنے کے لئے تیار ہو گئے پس خدا نے ان پر امن وسکون کو طاری کیا کہ ان کو نیند آگئی اور منافقین قتل اور لوٹ مار کے ڈر سے بے چین رہے اور ان کی آنکھوں سے نیند اڑ گئی تھی۔ مروی ہے کہ صف بستہ حالت میں ان پر نیند کا غلبہ ہوا تھا کہ تلواریں ہاتھ سے گر پڑتی تھیں اور پھر اٹھا لیتے تھے (صافی)

صاحب تفسیر میزان نے کہا ہے کہ اس مقام پر مومنوں کے دو گروہ ہو گئے تھے ایک خالص اور پختہ عقیدہ والے جنہوں نے

فرار کرنے کے بعد جونہی ان کو حضورؐ کے زندہ ہونے کی اطلاع پہنچی تو فوراً واپس حاضر خدمت ہوئے اور توبہ اور پشیمانی کا اظہار کیا چنانچہ خدا نے ان کو معاف فرما دیا پس یہ امن و سکون انہی کے لئے تھا اور دوسرا گروہ وہ تھا جن کا ایمان متزلزل تھا جن کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ اگر نبی قتل ہو جائے یا مر جائے تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے وہ دین اسلام کے حلقہ بگوش تو دل سے تھے لیکن ان کا خیال یہ تھا کہ خدا کا دین غالب و منصور ہی رہے گا اور کبھی خدا اپنے دین اور نبی کو غلبہ سے محروم نہیں رکھے گا اور نیز نبی قتل نہیں ہوا کرتا یا اس پر موت طاری نہیں ہو سکتی۔ پس ان لوگوں کا خلوص نبی علیہ السلام کی حین حیات تک ہی تھا۔ بشرطیکہ اسلام والوں کو کسی مصیبت و تکلیف سے دوچار نہ ہونا پڑے اور ہمیشہ فتح و غلبہ اور غنیمتوں سے ہاتھ رنگے جاتے رہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب ہم حق پر ہیں تو ہمیشہ غلبہ ہی غلبہ ہمارے ساتھ ہوگا جبھی تو انہوں نے شکست کھانے کے بعد کہہ دیا هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ (غلبہ و فتح) ہے؟ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ خداوند کریم نے اپنی حکمت کاملہ سے موجوداتِ عالم میں اسباب کا نظام چلایا ہوا ہے یا شکست کیلئے مخصوص اسباب ہوا کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ تھا کہ خدا دین حق کی بلاقید و شرط ہی نصرت فرماتا ہے اور یہی ان کا ظن جاہلیت کا ظن کہا گیا ہے کیونکہ وثنی گروہ کا یہ خیال تھا کہ حوادث میں سے ہر نوع مثلاً رزق، حیات، موت اور لڑائی وغیرہ اور اسی طرح انواع موجودات میں سے انسان، زمین، پہاڑ اور سمندر و دریا وغیرہ ہر شے کیلئے جُدا جُدا ایک رب موجود ہے جو ان کے نظام کو قائم رکھتا ہے اور وہ اپنے ارادہ میں ہمیشہ غالب ہی غالب ہوتا ہے لہذا وہ ان ارباب کی عبادت کرتے تھے تاکہ ان کیلئے موجب رزق و جالب سعادت ہوں۔ پس جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کوئی نبی اپنی دعوت میں مغلوب نہیں ہوتا یا وہ قتل نہیں ہو سکتا یا اس پر موت نہیں آسکتی تو اس نے اللہ پر ناحق گمان کیا اور گویا اس نے اللہ کا شریک قرار دیا کیونکہ گویا اس نے نبی کو بھی ایک وثنی رب مقرر کیا حالانکہ خدا واحد و لاشریک ہے اور سب معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہے چنانچہ اس سے پہلے بھی ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اے میرے حبیب! اس بارے میں آپ کو کوئی اختیار نہیں بلکہ سب کچھ میرے اختیار میں ہے جو چاہوں کروں۔ پس جو لوگ اس موقعہ پر نیند اور سکون سے محروم رہے وہ اسی قسم کا عقیدہ رکھتے تھے۔ (ملخص از میزان)

قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ:۔ وہ چونکہ یہ سمجھتے تھے کہ دین حق ہمیشہ غالب ہی ہوتا ہے لہذا جب جنگ میں معاملہ کو برعکس دیکھا تو کہنے لگے اگر غلبہ و فتح ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم قتل نہ کئے جاتے اب چونکہ غلبہ ہمارے ہاتھ میں نہیں تو گویا ہم دین حق پر نہیں کیونکہ دین حق اور غلبہ تو لازم و ملزوم ہیں اور اس کو خدا فرما رہا ہے کہ یہ بات انہوں نے دل میں چھپائی ہوئی ہے جسے ظاہر نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کا اعتقاد یقیناً کفر ہے پس ان کی تہدید میں فرماتا ہے کہ لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہر شخص کی موت کی اجل اس کی تاریخ موت اور محل موت مقرر شدہ ہے اس کے آگے کوئی بڑھ نہیں سکتا پس اگر تم اپنے گھروں میں بیٹھ بھی رہتے تب بھی جن جن کی موت حتمی تھی انہوں نے ضرور اپنی اپنی قتلگاہوں کی طرف آنا ہی تھا اور ہم نے تمہارے غلبہ کو اُن سے اس لئے پھیر دیا تھا کہ تمہارے سینوں کی باتیں ظاہر ہوں اور کھرے اور کھوٹے کی صاف پہچان ہو جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ

تحقیق وہ لوگ جو بھاگ گئے تم میں سے جس دن فریقین میں لڑائی ہوئی صرف ان کو شیطان ہی نے پھسلایا تھا بوجہ ان کے

مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ ع

بعض کرتوتوں کے اور تحقیق معاف کر دیا اللہ نے ان سے کیونکہ اللہ بخشنے والا صاحب حلم ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ بھاگنے والوں کے متعلق ہے کہ دنیاوی حرص اور غنیمت کے طمع اور رسولؐ کی نافرمانی کی بدولت ہی ان پر شیطان نے قبضہ پالیا اور آخر کار میدانِ جہاد کو چھوڑ بھاگے۔ فلک النجات میں تاریخ خمیس صـ۴۳۱ مطبوعہ مصر سے منقول ہے

قَالَ اَبُوْبَکْرٍ لَمَّا صَرَفَ النَّاسُ یَوْمَ اُحُدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَکُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَاءَ۔

ترجمہ:۔ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں جب احد کے دن لوگ جناب رسالتمآبؐ کو چھوڑ بھاگے تو میں سب سے پہلا واپس آنے والا تھا اور ازالۃ الخفاء ج۱ صـ۶۸ سے منقول ہے کہ عَنْ کُلَیْبٍ قَالَ خَطَبَنَا عُمَرُ فَکَانَ یَقْرَءُ عَلَی الْمِنْبَرِ اٰلَ عِمْرَانَ ثُمَّ قَالَ تَفَرَّقْنَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ یَوْمَ اُحُدٍ فَصَعَدْتُ الْجَبَلَ۔

ترجمہ:۔ کلیب راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر ایک مرتبہ خطبہ میں سورۂ آلِ عمران پڑھ رہے تھے تو فرمایا کہ احد کے دن ہم رسولؐ اللہ کو چھوڑ گئے تھے اور میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا۔

اور مدارج النبوۃ صـ۱۹۷ سے منقول ہے کہ جب مسلمان رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر بھاگے تو حضورؐ کو غصہ آیا حتیٰ کہ پیشانی نورانی سے عرق کے قطرات مروارید کے دانوں کی طرح گر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ علیؑ پہلو میں کھڑے ہیں۔ فرمایا یا علیؑ تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بھاگا؟ تو عرض کی لَا اَکْفُرُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ میں ایمان لانے کے بعد کفر نہیں کر سکتا۔ گویا اس روایت کی رُو سے حضرت علیؑ کے نزدیک فرار کرنے والے کافر ہو گئے تھے۔

اور نیز تفسیر درمنثور سیوطی سے بروایت ابن جریر کلیب سے منقول ہے کہ حضرت عمر نے جمعہ کے خُطبہ میں یہی آیت یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ الخ تلاوت فرمائی تو کہنے لگے اُحد کے دن جب ہم بھاگے تھے تو میں پہاڑ پر چڑھ گیا تھا اور میں پہاڑی بکرے کی طرح پہاڑ پر کود رہا تھا لفظ یہ ہیں وَقَدْ رَاَیْتُنِیْ اَنْزُوْ کَاَنِّیْ اَرْوِیَۃٌ اس وقت لوگ کہہ رہے تھے کہ محمدؐ قتل ہو گیا ہے تو میں نے کہا خبردار میرے سامنے کوئی محمدؐ کے قتل کا نام نہ لے ورنہ میں اسے قتل کر دوں گا اور تفسیر کبیر جلد ۲ صـ۳، ۷، ۴ مطبوعہ مصر میں ہے کہ جب لوگ اُحد کے دن بھاگے تو کچھ واپس مدینہ میں پہنچ گئے سب سے پہلے سعد بن عثمان نے مدینہ میں پہنچ کر خبر دی کہ جناب رسالتمآبؐ قتل ہو گئے ہیں اس کے بعد باقی لوگوں نے پہنچنا شروع کر دیا۔ جب وہ اپنی عورتوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہنا شروع کر دیا کیا تم رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر بھاگ آئے ہو۔ حتیٰ کہ وہ ان کے منہ پر

خاک ڈالتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تم چرخہ لے کر گھر بیٹھ رہو۔ قفال کہتا ہے جہاں تک اخبار سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کچھ لوگ بھاگ گئے جن میں سے بعض مدینہ آ گئے اور بعض ادھر ادھر چلے گئے اور اکثر لوگ پہاڑ کی طرف چلے گئے اور وہاں جمع ہو گئے اور بھاگنے والوں میں سے حضرت عمر بھی تھے۔ لیکن وہ پہلے بھاگنے والے نہیں اور اتنے دور بھی نہیں گئے تھے بلکہ وہیں پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور حضرت عثمان بھی بعض انصار کے ہمراہ بھاگے لیکن یہ بہت دور نکل گئے تھے۔ اور تین روز کے بعد واپس ہوئے تھے۔ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا۔ آپ تو بہت دور نکل گئے تھے؟ اختصار کے پیش نظر اصل عبارت عربی کو ترک کر دیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ اس فقرہ میں اعتذار و ندامت کے بعد ان کی معافی کا تذکرہ ہے اور خطاب عام ہے لہٰذا معافی کا معنی تمام لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے فرار کیا تھا اور اس میں دونوں گروہ شامل ہیں وہ بھی جن پر امن و سکون کی نیند طاری کر دی گئی اور وہ بھی جو اس سکون سے محروم رہ گئے تھے۔ البتہ پہلے گروہ کو جس مدحیہ رنگ میں خطاب فرمایا ہے جس طرح آیتِ گذشتہ کے لب و لہجہ سے ظاہر ہے اس گروہ کے متعلق اس خصوصیت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ صرف یہ ہے کہ خدا نے ان کی اس لغزش کو دامن عفو میں جگہ دے دی ہے پس ان کو اس پر سزا نہ دے گا کیونکہ وہ صاحب حلم ہے پہلے گروہ کے متعلق اس سے پہلے یہ ارشاد تھا کہ یہ تمہاری شکست تمہاری آزمائش کے لئے تھی اور خدا نے تمہیں پھر معاف کر دیا اور خدا مومنین پر صاحبِ فضل ہے آیت ۱۵۲۔ پھر فرمایا تمہارا یہ غم اللہ کے اسی فضل و کرم کے پیش نظر اس غم مذموم کے بدلے میں تمہیں دیا گیا جو عنقریب تمہیں لاحق ہونے والا تھا۔ آیت ۱۵۳ اور پھر غم کے بعد تمہیں امن و سکون دیا گیا۔ اور نیند غالب کر دی گئی الخ یہ معافی کے الفاظ اور اس کے ساتھ ساتھ مدحیہ جملے اسی پہلے گروہ کے لئے مخصوص ہیں جن کا ایمان دلوں میں پختہ تھا لیکن ان سے لغزش ہو گئی تھی اور بعد میں فوراً سمجھ گئے اور تائب ہو گئے تھے لیکن دوسرا گروہ جو رسولؐ کے متعلق دو ٹوک عقیدہ رکھنے والا تھا اور رسولؐ کے قتل یا موت کے منکر تھے اور دین کے ہمدرد اس لئے تھے کہ دین غالب ہے پس شکست کا منہ دیکھتے ہی اپنے دلی اور مخفی رازوں کو آشکار کرنے لگ گئے تھے ان کو بھی معافی دے دی گئی لیکن یہ معافی فضل پر مشتمل نہیں۔ اس لئے بعد میں ذو فضل کا استعمال نہیں فرمایا بلکہ یہ معافی اس کے حلم کے پیش نظر ہے جیسا کہ آیت کا اختتام بتا رہا ہے گویا اس لغزش پر ان کو سزا نہ دی جائے گی جو کہ اس کے حلم کا تقاضا ہے ورنہ یہ لوگ مدح کے قابل نہیں تھے اور اسی قسم والوں پر سابقہ آیت میں ارتداد کا خطرہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر رسولؐ پر موت آ جائے یا قتل کئے جائیں تو یہ لوگ دین سے پھر جائیں گے اور کتب صحاح میں مروی ہے کہ بہت سے صحابہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد مرتد بھی ہو گئے تھے جیسا کہ ہم نے مقدمہ تفسیر میں بعض روایات کو مع حوالہ جات نقل کیا ہے اور صرف وہی ثابت قدم رہے جن کے دلوں میں ایمان راسخ تھا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ

اے ایمان والو! نہ ہو موافق ان کے جو کافر ہوئے اور کہا اپنے بھائیوں کے حق میں

اِذَا ضَرَبُوْا فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا

جبکہ وہ چلے (کاروبار کیلئے) زمین میں یا تھے وہ غازی (پس مرگئے یا مارے گئے) اگر ہوتے

مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ

ہمارے پاس (اور سفر کو نہ جاتے) تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ کرے اللہ یہ بات باعث حسرت ان کے دلوں

وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

میں اور اللہ جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو بصیر ہے

رکوع نمبر ۸

لَا تَكُوْنُوْا ۔ کہتے ہیں یہ آیت عبداللہ ابن ابی سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری جو منافقین تھے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ ان کے بعض ساتھی جب سفر تجارت یا کسی دوسرے دنیاوی کاروبار کی خاطر یا جنگ کی خاطر باہر جاتے اور مرجاتے یا مارے جاتے تھے تو ان کے بارے میں یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ دیکھو ہم گھر میں بیٹھے ہیں لہٰذا ہمیں کچھ بھی نہیں ہوا اگر وہ بھی ہماری طرح گھر بیٹھے رہتے تو وہ بھی موت اور قتل سے بچ جاتے۔ پس خدا مومنین کو اس مقولہ کی اتباع سے منع فرما رہا ہے کہ جب تم اُن کے اس مقولہ کو درخور اعتنا نہ سمجھو گے تو اپنے جی میں خود پچھتائیں گے کیونکہ جب وہ تمہارا عمل اپنی توقع کے خلاف پائیں گے تو انہیں حسرت وندامت ہوگی۔

لِاِخْوَانِهِمْ ۔ کی لام جارہ عن کے معنی میں ہے اور لِيَجْعَلَ کی لام لَا تَكُوْنُوْا کے متعلق ہے اور بعضوں نے اس لام کو عاقبت کے لئے قرار دے کر اس کو قَالُوْا کے متعلق کہا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ کافر لوگ اپنے سفر کرنے اور مارے جانے والے بھائیوں کے حق میں یہ بات کہتے ہیں تاکہ مومنوں کو جہاد سے روک دیں اور چونکہ مومنوں نے ان کی اس بات سے اثر نہ لیا اور جنگ کے لئے نکل پڑے اور فتح وکامرانی بھی ان کو نصیب ہوئی اور مال غنیمت بھی ہاتھ آگیا تو ان کے دلوں میں وہ بات الٹا باعث حسرت بن گئی کیوں کہ انہوں نے تو مومنوں کو روکنے کے لئے کہی تھی لیکن عاقبت وانجام کے لحاظ سے وہ ان کے لئے باعث حسرت بن گئی اور آیت کی طرز بتلاتی ہے کہ مومنین کے دلوں میں اس قسم کے وساوس پیدا ہونے بھی

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ

اور اگر تم قتل ہو جاؤ راہِ خدا میں یا مرجاؤ تو البتہ بخشش اللہ کی اور رحمت بہتر ہے

مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

اس (مال) سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مرجاؤ یا قتل کیے جاؤ البتہ اللہ کی طرف ہی تمہارا حشر ہوگا

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

پس ساتھ مہربانی خدا کے آپ نرم ہیں ان کے لیے ورنہ اگر آپ بدخلق سخت دل ہوتے تو یہ لوگ

لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

بھاگ جاتے آپ کے پاس سے پس ان سے درگذر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کیجیے اور ان کو شریک

فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾

مشورہ بنائیے پس جب عزم کرلیں تو اللہ پہ بھروسہ کریں تحقیق اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

تھے کیونکہ جنگِ اُحد میں بڑے بڑے اکابر شہید ہوگئے تھے پس خدا نے ان کو اس خیال اور بدظنی سے روک دیا کہ ایسا ہرگز خیال نہ کرو۔ اس جنگ میں ستر شہداء میں سے صرف چار مہاجر اور باقی ۶۶ انصار قتل ہوئے تھے جن کی فہرست ص۴۲ پر پہلے گذر چکی ہے اس سے اندازہ خوب ہوتا ہے کہ اس دن لڑائی میں زیادہ حصہ لینے والے انصار تھے اور مہاجرین نے ہی بھاگنے میں سبقت لی تھی۔ واللہ اعلم

فِي سَبِيلِ اللَّهِ :۔ تفسیر برہان میں کتب معتبرہ سے بطرق متعددہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جابر نے آپ سے اسی آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم سبیل اللہ کو جانتے ہو؟ اس نے عرض کی حضور! جب تک آپ کی زبان دُرفشاں سے نہ سُن لوں مجھے بذاتِ خود کوئی علم نہیں پس آپ نے فرمایا علیؑ اور اس کی ذرّیت سبیل اللہ ہیں اور جو شخص علیؑ کی ولایت میں قتل کیا جائے اس کی موت فی سبیل اللہ واقع ہوتی ہے۔

حکمِ مشورہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ :۔ کلامِ سابق میں چونکہ قدرے توبیخ و سرزنش تھی فرار کرنے والوں کے لئے۔ لہٰذا اب کلام کا رُخ تبدیل کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ بفضلِ خدا آپ رحم دل اور نرم خو واقع ہوئے ہیں ورنہ اگر آپ میں سختی اور بدخلقی کا مظاہرہ ہوتا تو یہ لوگ کب کے آپ سے بھاگ گئے ہوتے پس ان سے درگذر کیجیے

اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور جو کام کرنا ہو ان سے مشورہ لیجئے۔
آپ اگرچہ وحی سے مؤید و مسدّد تھے لیکن مشورہ لینے کے چند فوائد ہیں (۱) ان کی دلجوئی مطلوب تھی تاکہ وہ سمجھیں کہ ہماری باتوں کو بھی سرے سے ٹھکرایا نہیں جاتا۔ (۲) امت کے لئے سنت قائم کرنا مطلوب تھا کہ وہ اپنے کاموں کو باہمی مشورہ سے سرانجام دیا کریں اور اسی میں اپنی توہین نہ سمجھیں۔ (۳) صحابہ کی عزت مطلوب تھی۔ (۴) امتحان مطلوب تھا تاکہ خیرخواہ و بدخواہ کا باتوں میں پتہ چل جائے۔

مکارم اخلاق پیغمبرؐ

باوجودیکہ آپ میں بلندی و برتری کے تمام اسباب موجود تھے (۱) قوم میں بلند (۲) حسب میں برتر (۳) سخاوت میں اپنی مثال خود (۴) شجاعت میں بے نظیر (۵) ذہن و ذکا میں اکمل (۶) تمام فصحاء عرب سے فصیح تر اور باایں ہمہ آپ میں فروتنی اور انکساری اس درجہ تک تھی کہ (۱) اپنے پھٹے ہوئے کپڑے کو اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے تھے (۲) اپنی نعلین کی اصلاح خود بنفس نفیس فرماتے تھے (۳) گدھے کی سواری کیا کرتے تھے (۴) اونٹ کو گھاس خود ڈالتے تھے (۵) غلاموں کی دعوت کو بھی شرف قبولیت بخشتے تھے (۶) زمین پہ بیٹھتے تھے (۷) زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے (۸) اور دین خدا کی دعوت میں قطعاً سختی یا کج روی سے پیش نہ آتے اور تھکان بھی محسوس نہ فرماتے تعریضاً و کنایتہً تمام مومنین کو اس آیت مجیدہ میں درگذر مجرم کے حق میں دعائے مغفرت، باہمی مشورہ اور سخت کلامی اور بدخوئی سے اجتناب کی دعوت بالعموم دی گئی ہے اور آخر میں توکل اور اللہ کی ذات کی طرف معاملات کی تفویض کا حکم بھی دے دیا گیا ہے خداوند کریم مجھے اور تمام مسلمانوں اور بالخصوص دعوئ ایمان رکھنے والوں کو سیرت پیغمبر پہ چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے

تفسیر برہان میں کتب معتبرہ سے امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک بدوی بنی عامر کے قبیلہ کا آیا اور اس نے جناب رسالتمآبؐ کے متعلق پوچھا۔ آپ موجود نہ تھے لوگوں نے کہا وہ تفریح کے لئے باہر گئے ہیں۔ وہ ڈھونڈتا رہا۔ آپ نہ ملے کسی نے کہا منیٰ میں ہیں کسی نے کہا عرفات میں ہیں لیکن اس کو کہیں بھی نہ مل سکے پھر بتلایا گیا کہ وہ مشعر الحرام میں ہوں گے اس نے دریافت کیا کہ حضورؐ کا حلیہ مجھے بتایا جائے تاکہ ہر ایک سے سوال نہ کرتا پھروں تو بتایا گیا کہ آپ نہ طویل قامت ہیں نہ پست قد۔ اور نورانی چہرہ۔ بال گھنے۔ پیشانی کشادہ اور ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان کی جگہ سفید۔ ناک بلند۔ جبین مبین وسیع۔ داڑھی گھنی۔ دانت کھلے نچلے ہونٹ پر خال۔ گردن پاک چاندی کی طرح چمکدار۔ کندھے چوڑے پیٹ سینے کے برابر۔ انگلیاں لمبی اور ان کے پورے موٹے سرنگوں ہو کر چلتے ہیں۔ جب مڑ کر دیکھیں تو پورے جسم کو موڑتے ہیں۔ ہاتھ آپ کے بہت نرم ہیں۔ جب کھڑے ہوں تو جب تک پاس والا نہ پیچھے ہٹے آپ پیچھے نہیں ہٹتے اور بیٹھیں تو اس وقت تک اپنی جگہ نہیں چھوڑتے جب تک کہ ساتھی پہلے اپنی جگہ نہ چھوڑیں پس یہ علامتیں اس بدوی نے یاد کر لیں اور تلاش کے لئے روانہ ہوا اور آخر کار اس نے دیکھ کر آپ کو پہچان لیا۔ اس نے اپنی ناقہ کو حضورؐ کی ناقہ سے آگے کر لیا لوگوں نے منع کرنا چاہا کہ یہ سوءِ ادب ہے تو آپ نے فرمایا تم کچھ نہ کہو یہ شخص باادب ہے فرمایا۔ اعرابی تیرا کیا مطلب ہے؟ اس نے

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي

اگر تمہاری مدد کرے اللہ تو کوئی بھی غالب نہیں ہوگا تم پر اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو کون ہے جو تمہاری مدد

يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

کرے گا اس کے بعد چاہیئے کہ اللہ پر ہی بھروسہ رکھیں ایمان والے

کہا حضورؐ آپ کے فرستادہ ہمارے پاس پہنچے ہیں اور وہ ہمیں نماز، زکوٰۃ حج اور غسلِ جنابت وغیرہ کے بجالانے کا حکم دیتے ہیں مجھے اپنی قوم نے تسلّی کے لئے بھیجا ہے اور میں آپ سے قسم اٹھوا کر پوچھوں گا لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ ناراض نہ ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا میں غصہ نہیں کرتا میرے تورات و انجیل میں یہ اوصاف درج ہیں کہ محمد اللہ کا رسولؐ مجتبیٰ و مصطفٰے ہے نہ بدگو نہ سخت گیر ہے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ احسان سے دیتا ہے اور مجھے ہی قرآن میں فرمایا کہ اگر آپ سخت گیر اور بدکلام ہوتے تو لوگ آپ کے اردگرد سے ہٹ جاتے۔ پس جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لے۔ اُس نے کہا جس خدا نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا ہے کیا آپ اسی کے رسول ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! مجھے اُسی نے بھیجا ہے پھر اس نے کہا جس ذات کے حکم سے آسمان قائم ہیں اس کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی اور اُس نے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دے کر آپ کو بھیجا ہے؟ آپ نے جواب دیا۔ ہاں مجھے اسی نے بھیجا ہے غسل جنابت اور باقی حدود کا حکم بھی اسی کی جانب سے ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! پس اس نے کہا ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے رسولوں، کتابوں، یوم آخر، بعث، میزان، موقف اور جملہ حلال و حرام پر بھی ایمان لائے ہیں پس آپ نے اس کے حق میں دعائے مغفرت کی

مسئلہ:۔ توکّل کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے بلکہ آیت مجیدہ صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ جب کوئی اہم کام باہمی مشورہ سے طے ہو جائے تو پھر اللہ پر توکّل کر کے اسے کر گزرو یعنی مطلوب تک رسائی کے لئے اس کے اسباب ظاہریہ کی چھان بین مل جل کے کرو اور جب اس میں ایک نتیجہ تک پہنچ جاؤ تو پھر تمہارا کُلّی اعتماد صرف انہی ظاہری اسباب پر نہ ہونا چاہیئے بلکہ اللہ پر توکّل کر کے آگے بڑھو کیونکہ بہرحال مطلوب تک رسائی اسی کی ہی توفیق سے ہُوا کرتی ہے پس انسان پر کوشش واجب ہے اور کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

إِنْ يَنْصُرْكُمْ:۔ اللہ کی نصرت دو طرح پر ہے ایک ظاہری غلبہ کے لئے اور دوسری اظہارِ حق کے لئے دلیل و برہان کے طور پر۔ نصرت کی دوسری قسم تو ہمیشہ مومنین کے لئے ہوتی ہے اور اس میں خدا کبھی مومنوں کو اپنی نصرت سے محروم نہیں فرماتا لیکن نصرت کی پہلی قسم سے مومنین بعض اوقات محروم کر دیئے جاتے ہیں تاکہ امتحان و آزمائش کے وقت ثباتِ قدم اور صبر سے ان کے درجات میں ترقی ہو اور نیز تاکہ مومنین توکّل کا غلط معنی ذہن نشین نہ کرلیں کہ ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ

اور نہیں نبی کا کام خیانت کرنا اور جو بھی خیانت کرے گا لائے گا خیانت کردہ چیز کو بروز قیامت

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

پھر پورا دیا جائے گا ہر نفس کو اپنا کیا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا

بیٹھ جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ بہر حال ہم غالب ہی ہوں گے بلکہ ان کو اسباب ظاہریہ سے کسی وقت غفلت نہ کرنی چاہیئے اور غلبہ ونصرت کے لئے اپنی پوری قوت کو عمل میں لانا چاہیئے اور ہر وقت خدا و رسولؐ کے احکام کو اپنا شعار بنانا چاہیئے اور پھر اللہ پر بھروسہ بھی ہو۔ چنانچہ جنگِ اُحد میں ناکامی انہی فروگذاشتوں کا نتیجہ تھی اور مومنین کے صبر و ثباتِ قدم کا امتحان بھی تھا۔

وَمَا كَانَ :۔ آیتِ مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں ۔ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے یہ کہہ کر درہ چھوڑ دیا تھا کہ شاید مال غنیمت صرف لوٹنے والوں کے لئے ہوگا اور ممکن ہے کہ جناب رسالتمآب غنیمت کے جمع کردہ مال کو تمام مجاہدین پر تقسیم نہ کریں ۔ پس یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ مشرکین نے آپ سے خواہش کی تھی کہ قرآن مجید میں جہاں ہمارے دین کی مذمت اور ہمارے خداؤں کی تذلیل کا بیان ہو آپ اس کو ظاہر نہ کیا کریں تو یہ آیت اُن کی تردید میں اُتری ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں جن کا ذکر ناغیر ضروری ہے ۔

آیت مجیدہ میں نبی کی شان کو خیانت سے اجل ظاہر کیا گیا ہے حالانکہ ہر مومن کی شان اس سے اجل ہونی چاہیئے اور ضمنی طور پر تمام مومنین کو اس سے باز رہنے کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ دوسرے فقرے میں اس کو عام بھی کر دیا گیا ہے اور حکم کی اہمیت کے پیشِ نظر نسبت نبی کی طرف دی گئی ہے کہ جب ایک ناشائستہ فعل کا وبال کسی نبی سے ٹل نہیں سکتا تو کوئی دوسرا اس سے کس طرح بچ سکے گا ۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اونٹ کی خیانت کرے گا وہ بروزِ محشر اونٹ کو اپنی گردن کے اُوپر اٹھا کر لائے گا کہ وہ رینگتا ہوگا اور جو گھوڑے کی خیانت کرے گا وہ گھوڑے کو گردن پر اٹھا لائے گا کہ وہ ہنہناتا ہوگا ۔ شاید اس مثال سے مراد یہ ہو کہ اس کو بروز محشر مجمع عام میں رسوائی نصیب ہوگی اور اس پر ایک علامت لگا دی جائے گی جس سے اس کے جرم کی نوعیت تمام اہل محشر پر ظاہر ہوگی اور یہ بات صرف خیانت کے جرم کے ساتھ مختص نہیں بلکہ بروز محشر ہر گناہ کے لئے ایک علامت مقرر ہوگی جس سے وہ پہچانا جائے گا بشرطیکہ بغیر توبہ کے اس کی موت واقع ہوئی ہو پس تمام اہلِ محشر اس کی علامت کو دیکھ کر اس کے گناہ سے مطلع ہوں گے اور اس کی علّت عذاب بھی ہر ایک پر ظاہر ہوگی جس طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے ۔ يَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ

کیا جو شخص پیچھے چلے رضائے خدا کے مثل اس کے ہے جو پلٹا ہو ساتھ ناراضگی خدا کے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو؟

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۳﴾

اور وہ بری بازگشت ہے یہ (لوگ مختلف) درجے رکھتے ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ آگاہ ہے اس چیز سے جو وہ کرتے ہیں

اِنْسٌ وَّلَا جَانٌّ (اس دن کسی جن و انسان سے اس کا گناہ پوچھا نہ جائے گا) علامتوں سے ہی معلوم ہو جائے گا اور ظلم نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنی نیکیوں سے بدلہ کم نہ ملے گا بلکہ ہر نیکی کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کو اپنی برائیوں سے سزا زیادہ نہ ملے گی پس بعض نیکیوں کی جزا کو دگنا یا دس گنا کرنا یا بعض برائیوں کی سزا کا معاف کرنا منافی عدل نہ ہوگا بلکہ عین اس کا فضل و کرم ہوگا۔ حدیث نبوی میں ہے کہ جو شخص تادم مرگ تین چیزوں سے پاک رہے وہ جنت میں داخل ہوگا وہ تین یہ ہیں (۱) تکبر (۲) خیانت (۳) قرضہ (تفسیر رازی)

اَفَمَنِ اتَّبَعَ :- تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عمار سے فرمایا کہ اس سے مراد آئمہ ہیں اور مومنین کے لئے درجات ہیں۔ یعنی ہماری ولایت کی بدولت ان کے اعمال میں زیادتی اور درجات میں بلندی ہوتی ہے اور کَمَنْ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے علی بن ابی طالبؑ اور باقی آئمہ طاہرین علیہم السلام کے حق کا انکار کیا جس کی وجہ سے وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔

اَقُوْلُ :- آیت مجیدہ کے الفاظ میں عموم ہے اور معصوم نے تاویل کے طور پر اس کے بعض افراد کی ایک واضح نشانی بیان فرمادی ہے۔

هُمْ دَرَجٰتٌ ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی تفسیر کے ماتحت هُمْ کا مرجع مَنِ اتَّبَعَ ہے اور عمومی معنی کے اعتبار سے ضمیر کے مرجع میں بھی تعمیم ہوگی اور درجات سے مراد صاحبانِ درجات ہیں یعنی اس کا مضاف ذو محذوف ہے پس اس کے معنی میں دو قول ہیں (۱) اللہ کے برگزیدہ لوگ اور اللہ کے مبغوض لوگ مختلف درجات رکھتے ہیں یعنی قسم اوّل کے لئے جنت اور اس کی نعمتیں ہوں گی اور قسم ثانی کے لئے عذاب جہنم اور ذلت ہوگی (۲) جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ہر ایک کے مراتب الگ ہوں گے کیونکہ جنت کے طبقات جُدا جُدا ہیں چنانچہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اہل جنت اعلیٰ علیین کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح زمین والے آسمانی ستاروں کو دیکھتے ہیں (مجمع)

اسی طرح جہنم کے درکات ہیں جو ایک دوسرے سے پست ہیں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ کم از کم عذاب قیامت کے روز اس شخص کا ہوگا جس کو جہنم کا جوتا پہنایا جائے گا جس کی حرارت سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔ (تفسیر رازی)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ

تحقیق احسان فرمایا اللہ نے مومنوں پر کہ بھیجا ان میں ایک رسول انہی

اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ

میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو تعلیم دیتا ہے کتاب و

الْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

حکمت کی اگرچہ وہ تھے اس سے پہلے کھلی گمراہی میں

تنبیہ :۔ اصطلاح میں اہل جنت کے لئے درجات اور اہل جہنم کے لئے درکات کا استعمال ہوا کرتا ہے امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک درجہ آسمان و زمین کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوگا (برہان)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ :۔ جناب رسالتمآبؐ اگرچہ عالمین کے رسولؐ تھے لیکن صرف مومنین کے لئے ان کی بعثت کو اس لئے مخصوص فرمایا کہ ان سے استفادہ صرف مومن ہی کرتے ہیں اور چونکہ بعض لوگوں نے آپؐ کی نسبت خیانت کی طرف دی تھی جیسا کہ بیان ہو چکا ہے تو اس آیت مجیدہ میں مزید وضاحت کے طور پر فرماتا ہے کہ یہ رسولؐ تمہارے اپنے میں سے ہے اور اپنی پوری زندگی میں اعلانِ رسالت سے پہلے ہی اپنی قوم پر صداقت ۔ دیانت و امانت کے لحاظ سے ان کا ڈنکا بج چکا ہے تو پھر ایسے شخص سے خیانت ، کیسے صادر ہو سکتی ہے بلکہ یہ تو اللہ کا احسان عظیم و فضل جسیم ہے کہ اس نے ایسا رسولؐ بھیجا جو تمہاری دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کا ضامن ہے ۔

مِنْ اَنْفُسِهِمْ :۔ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ وہ تمہاری قوم میں سے ہے جو تمہارے لئے مزید شرف کا موجب ہے یا یہ کہ اس سے مراد تمہاری جنس سے ہے یعنی جن و ملک کی جنس سے نہیں تاکہ ان کی تعلیم و تربیت کو تم آسانی سے سمجھ سکو اور قبول کر سکو ۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ :۔ تفسیر رازی میں ہے کہ نفس انسانی کے لئے دو قوتیں ہیں ۔ (۱) نظریہ (۲) عملیہ اور خداوند کریم نے اپنے حبیب پر قرآن نازل فرمایا تاکہ انسان ان ہر دو قوتوں میں کمال حاصل کر سکے پس تلاوتِ آیات سے مراد ہے قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لئے اعمال کی تبلیغ اور تزکیہ سے مراد ہے قوت نظریہ کی تکمیل کے لئے معارف ، حقائق کی تعلیم اسی طرح کتاب کی تعلیم سے مراد ہے احکام ظاہریہ شرعیہ کا درس اور حکمت سے مراد ہے احکام شرعیہ کے محاسن و اسرار کی تعلیم اور اس میں شک نہیں کہ حضورؐ انسان کے اعمال و عقائد ہر دو کی اصلاح کے لئے تشریف لائے تھے پس عقائد و تعلیم فرمائے جو ہر عقل سلیم کے لئے قابل قبول ہیں اور اعمال کا وہ درس دیا جو انسانی زندگی کے ہر پہلو میں انسانیت کے وقار کی بلندی کے باعث ہیں ۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ

کیا جب تمہیں پہنچے مصیبت کہ تم پہنچا چکے ہو اس سے دگنی تو کہتے ہو یہ کہاں سے آگئی

هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۱۶۵) وَمَآ

فرما دیجیے یہ تمہاری اپنی طرف سے آئی ہے تحقیق اللہ اوپر ہر شے کے قدرت رکھنے والا ہے اور جو

اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۶۶)

تکلیف پہنچی تمہیں جس دن لڑے دو گروہ پس وہ اللہ کے علم میں ہے اور تاکہ پرکھے ایمان والوں کو

کردار نفسی اور معاملاتِ خانگی کے علاوہ اقتصادیات معاشیات اور تمدنی اصلاحات کے لئے وہ ناقابلِ تنسیخ و ترمیم قوانین و ضوابط نافذ فرمائے جو ادیانِ عالم میں دینِ اسلام کی سربلندی و برتری کا امتیازی نشان ہیں

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ ۔ جنگِ بدر میں کفار کے ستر آدمی قتل کئے گئے تھے اور ستر آدمی قید ہوئے تھے جن کا فدیہ لیا گیا تھا اور جنگِ احد میں مسلمانوں کے ستر آدمی قتل ہوگئے تو مسلمانوں کو بہت دکھ ہوا جس کی خدا حکایت فرما رہا ہے اور ان کو تسلی دے رہا ہے مسلمان کہتے تھے کہ ہم پر مصیبت کیوں آگئی حالانکہ ہم حق پر بھی ہیں اور ہم میں اللہ کا رسولؐ بھی موجود ہے تو خدا فرماتا ہے کہ یہ مصیبت تمہاری اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے ہے اور اس کی کئی ایک وجوہ بیان کی گئی ہیں ۔

(۱) مدینہ سے نکلنے سے پہلے رسولؐ نے فرمایا تھا کہ یہاں شہر میں رہ کر لڑیں تو انہوں نے آپؐ کی مخالفت کرتے ہوئے باہر جا کر لڑائی کی جس کا نتیجہ وہ ہوا جو ہوا ۔

(۲) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ بدر کے دن جو کافر قید ہوئے تھے ان کے قتل کا حکم تھا لیکن انہوں نے فدیہ لینا منظور کیا تھا تو حکم ہوا تھا کہ اگر فدیہ لو گے تو آئندہ سال تمہارے بھی اسی قدر آدمی قتل کئے جائیں گے تو انہوں نے کہا تھا اب فدیہ لے کر فائدہ اٹھالیں اگر آئندہ سال ہم قتل ہوئے بھی تو درجہ شہادت ہوگا لہذا ہمیں یہ بات منظور ہے

(۳) جنگِ احد میں عبداللہ بن جبیر کے ساتھیوں نے درّہ چھوڑ دیا تھا جس کا نتیجہ مسلمانوں کا قتل ہوا پس یہی کوتاہیاں ہیں جن کا اشارہ آیت مجیدہ کر رہی ہے کہ تمہیں جس قدر مصیبت پہنچی ہے وہ سب تمہاری اپنی طرف سے ہے ۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ ۔ یعنی تمہیں جو تکلیف پہنچی ہے اللہ کے نزدیک اس کی کئی مصلحتیں ہیں (۱) فَبِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی اس کا اللہ کو علم ہے اور درحقیقت اللہ کے نزدیک اسی میں ہی بہتری ہے (۲) وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ یعنی یہ تکلیف بطور آزمائش کے تھی تاکہ کھرے کھوٹے پرکھے جا سکیں اور مومنوں کے ایمان کا پتہ چل جائے ۔ مقصد یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے دبے گانے میں فرق

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ

اور تاکہ پرکھے ان کو جو منافق ہیں اور ان کو کہا گیا کہ آؤ لڑو راہ خدا میں یا دفع کرو (دشمنوں کو)

قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ

تو کہنے لگے اگر ہم لڑنا جانتے تو ضرور تمہارے پیچھے چلتے وہ اس دن کفر کے زیادہ قریب ہیں

لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

ایمان سے وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ

يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ

پوشیدہ کرتے ہیں جنہوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اور خود بیٹھے رہے کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے

قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

فرما دیجئے کہ ہٹا دو اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم سچے ہو تو

معلوم ہو جائے ورنہ اللہ کو تو پہلے ہی سے معلوم ہے۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ ۔ یعنی وہ لوگ جو ظاہری اسلام کا لباس اوڑھ کر اندرونی طور پر کافروں سے ملے ہوئے ہیں ایسے منافقوں کا بھی عام پتہ چل جائے۔

قِيلَ لَهُمْ :۔ کہتے ہیں جب جنگِ احد کے لئے فوج اسلام تیار ہوئی تو عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی جن کی تعداد تقریباً تین سو تھی وہ الگ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم خواہ مخواہ کیوں اپنے آپ کو قتل کریں پس عبداللہ بن عمرو انصاری نے ان کو دعوت جہاد دی اور کہا کہ اگر تم لڑنا پسند نہیں کرتے تو کم از کم ہمارے ساتھ رہ کر اپنی ناموس کی تو حفاظت کرو۔ تو جواب میں کہنے لگے کہ ہمیں لڑنا نہیں آتا ورنہ ہم ضرور شریک جہاد ہوتے۔ اور ان کا یہ قول بھی صرف بہانہ تھا جس کو خدا بیان فرما رہا ہے کہ وہ منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتی پس وہ اس فعل سے اپنا پردہ چاک کر بیٹھے کیونکہ مومنوں کو بھی اب کفر کے قریب نظر آنے لگے (چنانچہ اس سے پہلے ان کے دلی حال کی مومنوں کو خبر نہ تھی۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا :۔ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے اُحد کے مقتولین کے متعلق یہ کہا تھا کہ اگر وہ ہماری مانتے تو قتل نہ ہوتے خدا اُن کے اس قول کی بھی مذمت فرما رہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے جس سے وہ آگے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ

اور نہ خیال کرو جو لوگ قتل کیے گئے راہ خدا میں مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے

رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ

پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔ خوش ہیں ساتھ دیئے ہوئے اللہ کے فضل کے اور بشارت حاصل کرتے

بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ہیں ان لوگوں کے متعلق جو نہیں ملحق ہوئے ان سے ان کے پیچھے کہ نہ خوف ہے ان پر اور نہ

هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ

وہ غمگین ہیں بشارت حاصل کرتے ہیں ساتھ نعمت کے جو اللہ کی جانب سے ہے اور فضل کے اور تحقیق

لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾ ع ۸

اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیک کام کرنے والوں کا

یا پیچھے نہیں ہو سکتی۔ پس موت کے ڈر سے جہاد کو چھوڑنا سراسر غلطی ہے۔

شہداء بئر معونہ

وَلَا تَحْسَبَنَّ :- اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کے چند اقوال ہیں (۱) شہدائے بدر کے متعلق نازل ہوئی جو کل چودہ آدمی تھے جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے (۲) شہدائے احد کے بارے میں اتری جن کی کل تعداد ستر تھی جن میں صرف چار مہاجر تھے (۱) حضرت حمزہؓ (۲) مصعب بن عمیر (۳) عثمان بن شماس (۴) عبداللہ بن حجش اور باقی ۶۶ انصار تھے جن کی پوری فہرست رکوع نمبر ۴ کی تفسیر ص ۲۱ پر بیان ہو چکی ہے (۳) اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ شہدائے احد و بدر سب کو یہ آیت شامل ہے چنانچہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ شہدائے بئر معونہ کے حق میں اتری جن کا واقعہ تفسیر مجمع البیان میں اس طرح منقول ہے کہ ابو براء عامر بن مالک جو بنی عامر کا سردار تھا مدینہ میں جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں کوئی چیز بطور ہدیہ کے لایا۔ آپ نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہاں اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا ہدیہ قبول ہو تو مسلمان ہو جا پھر آپ نے چند آیات قرآنیہ کی تلاوت بھی فرمائی یہ سن کر ابو براء نہ تو اسلام لایا اور نہ اسلام سے نفرت کا اظہار کیا اور عرض کی حضورؐ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں بجا ہے اگر اپنی جانب سے کچھ آدمی اہل نجد کی طرف تبلیغ اسلام کے لئے روانہ فرمائیں تو امید ہے کہ وہ قبول کر لیں گے آپؐ نے فرمایا

مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ان کو مار نہ ڈالیں ۔ اس نے عرض کی کہ وہ ایسا نہ کریں گے کیونکہ میں ان کا ہمسایہ ہوں (یعنی وہ میری رعائت کرتے ہوئے ان کی ایذا رسانی نہ کریں گے) پس آپ نے بنی ساعدہ کے ایک شخص منذر بن عمیر نامی کو ستر چیدہ چیدہ مسلمانوں کے ہمراہ روانہ فرمایا جن میں حارث بن صمہ، حرام بن ملحان عروہ بن اسماء نافع بن بدیل اور عامر بن فہیرہ شامل تھے اور اور یہ واقعہ جنگ احد کے چار ماہ بعد ماہ صفر ۴ھ کا ہے یہ لوگ چل کر بیئر معونہ پر پہنچے تو آپس میں مشورہ کیا کہ پیغام رسالتؐ کون پہنچائے گا؟ چنانچہ حرام بن ملحان نے کہا کہ یہ کام میرے ذمہ ہے اور میں کروں گا پس اس نے حضرت رسالتمآبؐ کا مکتوب عامر بن طفیل کو دیا لیکن اس نے آپؐ کے خط کو نظر انداز کر دیا پھر حرام بن ملحان نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہوئے بیئر معونہ والوں کو دعوت اسلام دی اتنے میں ایک شخص نے اس پر نیزہ کا وار کیا جو اس کے پہلو کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا اور اس نے اپنی کامیابی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے جان جان آفریں کے حوالہ کر دی پس عامر بن طفیل نے بنی عامر کو باقی مسلمانوں پر حملہ کی دعوت دی لیکن انہوں نے ابو براء کے عہد کا لحاظ رکھتے ہوئے انکار کر دیا پس عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے دوسرے قبائل کو پکارا تو انہوں نے فوراً مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا ادھر انہوں نے بھی تلواریں علم کر لیں اور لڑتے ہوئے سب کے سب شہید ہو گئے صرف کعب بن زید بچ گیا تھا جو بعد میں جنگ خندق میں شہید ہوا، عمرو بن امیہ ضمری اور ایک دوسرا انصاری شخص جن کا قیام اپنے ساتھیوں سے علیحدہ تھا انہوں نے پرندوں کی آمد سے حادثہ کی نوعیت کو معلوم کیا اور جب پہنچے تو وہ اپنے خون میں لت پت تھے انصاری نے کہا کہ منذر بن عمرو کو قتل ہوتے ہوئے دیکھ کر میں تو واپس نہ جاؤں گا چنانچہ وہ اکیلا لڑ کر وہیں شہید ہو گیا اور عمرو بن امیہ ضمری گرفتار ہو گیا جب اس نے اپنا قبیلہ مضر بتایا تو عامر بن طفیل نے اس کی پیشانی کے بال نوچ کر (غلام بنا کر) اپنے باپ کی طرف سے آزاد کر دیا اور اس نے مدینہ پلٹ کر سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ یہ مصیبت ابو براء کی طرف سے آئی ہے اور مجھے پہلے سے ہی اس کا ڈر تھا چنانچہ ابو براء کی عہد شکنی پر حسان بن ثابت اور کعب بن مالک نے اشعار کہے ۔ یہ بات ابو براء پر بھی شاق گذری اور حسان اور کعب کے اشعار ابو براء کے لڑکے ربیعہ نے سنے تو اس نے عامر بن طفیل کو قتل کر دیا پس خداوند کریم نے شہداء بیئر معونہ کے حق میں یہ آیت بھیجی پھر کیف آیت مجیدہ کا شان نزول خواہ کسی ایک واقعہ سے تعلق رکھتا ہو لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں اور قیامت تک کے لئے زندہ ہیں اور اس کے افراد قیامت تک ہوں گے البتہ مدارج و مراتب کا فرق ضرور ہو گا ۔

یَسْتَبْشِرُوْنَ :- یعنی شہداء تو خود جنت میں ہوتے ہیں لیکن جب ان کو پیچھے زندہ رہنے والے مومن بھائیوں کے متعلق خبر پہنچتی ہے کہ وہ ایمان و عمل صالح کی دولت سے مالا مال مصروف جہاد ہیں اور خوف و حزن سے آزاد ہیں تو وہ اور زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں خوف طبیعت کی اس پریشانی کا نام ہے جو آنے والے مصائب کے تصور سے لاحق ہو اور حزن طبیعت کی اس پریشانی کا نام ہے جو کسی محبوب چیز کی مفارقت کی وجہ سے لاحق ہو پس ایمان والوں کو آنے والے عذاب کا خوف اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو کر جاتے ہیں اور موت کی وجہ سے دنیا کی مفارقت کا حزن نہیں ہوتا کیونکہ نعمات جنت دنیاوی نعمات سے بدرجہا اتم اور اعلیٰ و ارفع ہیں

ثواب شہداء

تفسیر مجمع البیان میں امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے خطبہ

میں لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے رہے تھے کہ ایک نوجوان نے کھڑے ہو کر جہاد کا ثواب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ غزوہ ذات سلاسل سے واپسی پر میں جب جناب رسالتمآبؐ کے پیچھے ناقہ عضباء پر سوار تھا اور میں نے آپ سے یہی سوال کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا جب مجاہد تیاری کرتا ہے تو خدا جہنم سے اس کی آزادی فرض کر دیتا ہے اور ملائکہ پر مباہات فرماتا ہے جب وہ اپنے عیال سے وداع کرتا ہے تو گھر اور اس کی دیواریں اس کے لئے گریہ کرتی ہیں اور وہ اپنے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے خدا چالیس فرشتوں کو موکل کرتا ہے۔ اس کی ہر نیکی دگنی شمار ہوتی ہے اس کی ہر دن کی عبادت ایسے ایک ہزار عابد کی عبادت کے برابر ہوتی ہے جنہوں نے ہزار ہزار سال عبادت میں گذارے ہوں جن کا ایک دن پوری دنیا کی زندگی کے برابر ہو جب وہ دشمنوں کے مقابل ہوتے ہیں تو ان کے ثواب کو کوئی جان ہی نہیں سکتا اور مصروف جہاد ہوں تو ملائکہ ان کیلئے دست بدعا رہتے ہیں اور ایک منادی ندا کرتا ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے پس نیزہ و تلوار کا زخم ان کو موسم گرما کے ٹھنڈے پانی سے بھی محبوب تر ہوتا ہے اور جب پشت زین سے زمین پر آئیں تو ان کا سر حور عین کے دامن میں ہوتا ہے جوان کو جنت کے انعامات کی بشارت سناتی ہیں زمین ان کو مرحبا کہتی ہے اور نعمات خداوندی کا مژدہ سناتی ہے اور آواز قدرت آتی ہے کہ اس کے پس ماندوں کا میں کفیل ہوں جو ان کو راضی کرے گا اس نے مجھے راضی کیا جو ان کو ناراض کرے گا اس نے مجھے ناراض کیا ان کے ارواح سیر جنت کرتے ہیں اور میوہ ہائے جنت کھاتے ہیں۔ ہر شہید کو فردوس بریں میں سے ستر محل عطا ہوتے ہیں۔ جن کی وسعت یمن و شام کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہوتی ہے اور ان کا نور مشرق و مغرب پر حاوی ہوتا ہے ہر محل کے ستر دروازے کہ ہر ایک میں ستر تختے سنہری ہوتے ہیں اور ہر دروازے پر ساٹھ ساٹھ پردے ہوتے ہیں۔ نیز ہر محل میں ستر خیمے اور ہر خیمہ میں ستر تخت سونے کے جن کے پائے موتی و زبرجد کے ہوتے ہیں اور ہر تخت پر چالیس فرش کہ ہر ایک کی موٹائی چالیس ہاتھ ہوتی ہے اور ہر فرش پر ایک حور عین جلوہ گر ہوتی ہے جس کے ستر ہزار خادم اور ستر ہزار کنیزیں ہوتی ہیں۔ جن کے چہرے نورانی اور زیور طلائی ہوتے ہیں۔ اور سر پر موتیوں کے تاج ہوتے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں ابریق و جام ہوتا ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ان کے راستہ میں بروز محشر نبی آئیں گے تو ان کی شان و عظمت دیکھ کر وہ بھی پیادہ ہو جائیں گے پس جب اپنے مسکن پر پہنچیں گے تو ان میں سے ہر ایک اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں میں سے ستر ستر ہزار کی شفاعت کر سکیں گے۔ پس وہ دستر خوان کرامت پر میرے اور ابراہیمؑ کے ساتھی ہوں گے۔ اسی طرح شہداء کے ثواب کے متعلق بہت کچھ احادیث وارد ہیں اور اس قسم کی احادیث کی تہ تک پہنچنا ہمارے ناقص عقول کے لئے مشکل ہے ہاں خلاصہ کے طور پر اتنا کہنا کافی ہے کہ جن لوگوں نے دین حق کی نصرت میں اپنی جان تک قربان کر دی وہ اللہ کے نزدیک ایسے انعامات و اکرامات کی سزاوار ہیں جن کا تصور تک نہیں ہو سکتا جب عام شہیدوں کی یہ شان ہے تو جو تمام شہیدوں کا سردار ہو گا اس کے مرتبہ کی عظمت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے بیشک ان کے لئے جوانان جنت کی سرداری زیبا ہے۔ الحسن والحسین سیّدا شباب اہل الجنّة۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ

جن لوگوں نے قبول کیا اللہ اور اس کے رسول (کی دعوت) کو بعد اس کے کہ لگے ہوئے تھے ان کو زخم

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ

ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے اجر عظیم ہے وہ جن کو کہا لوگوں نے تحقیق

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا

لوگ جمع ہو چکے ہیں تمہارے لئے پس ڈرو ان سے تو ان کا ایمان زیادہ ہوا اور کہنے لگے ہمیں کافی ہے

اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿١٧٣﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ

اللہ اور وہ خوب جائے اعتماد ہے پس پلٹے ساتھ نعمت کے اللہ سے اور فضل کے کہ

يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿١٧٤﴾

نہ چھوا ان کو تکلیف نے اور تابع ہوئے رضائے خدا کے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

رکوع نمبر ۹

جب ابوسفیان اور اس کے ساتھی واپسی پر مقام روحاء تک پہنچے تو انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ ہم نے مسلمانوں کا قتل عام کر کے نہ ان کو لوٹا نہ حضرت محمدؐ کو قتل کیا۔ پس وہیں سے واپسی کا ارادہ کیا۔ جب یہ خبر حضورؐ کو پہنچی تو آپ نے صحابہ کو جمع فرمایا اور حکم دیا کہ کفار کا تعاقب کیا جائے اور جو لوگ شریک جنگ احد تھے انہیں کو دوبارہ تیار ہونا چاہیے پس آپ ستر صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے جو کہ اکثر زخمی تھے۔ جب حمراء الاسد پر پہنچے تو ادھر سے معبد خزاعی کا گزر ہوا اور قبیلہ خزاعہ پورے کا پورا آپ کا ہمدرد تھا اور مکہ میں بھی ان کا آپ سے میل جول رہتا تھا اگرچہ یہ شخص مشرک تھا لیکن اس نے حضورؐ سے سابقہ ہمدردی کی روایت کو دہرایا۔ وہاں سے گزر کر ابوسفیان کے پاس پہنچا اس نے احوال پرسی کی تو اس نے بیان کیا کہ حضرت محمد مصطفےٰ ایک لشکر گراں کے ساتھ تیرے تعاقب میں ہے اور وہ ابھی پہنچنے والے ہیں پس کفار قریش پر رعب طاری ہوگیا اور وہیں سے مکہ کا رخ کیا ادھر جناب رسالتمآبؐ نے حمراء الاسد پر پہنچ کر صحابہ سے فرمایا کہ کون ہے؟ جو اب کفار کی خبر لائے؟ سب خاموش رہے لیکن حضرت علی علیہ السلام نے باوجود کافی زخموں کے لبیک کہی۔ آپ نے فرمایا دیکھنا اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوں تو سمجھنا کہ ان کا رخ مدینہ کی طرف ہے

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ

بجز اس کے نہیں کہ یہ شیطان ڈراتا ہے (مومنوں کو) اپنے دوستوں سے پس ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر

كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ

تم مومن ہو اور تمہیں غم نہ کھانا چاہیئے ان کا جو تیزی کرتے ہیں کفر میں تحقیق وہ ہرگز

لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ

ضرر نہیں دے سکتے اللہ کو کچھ بھی چاہتا ہے اللہ کہ نہ کرے ان کا حصہ آخرت میں

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ

اور ان کے لئے عذاب بڑا ہے تحقیق جن لوگوں نے خرید کیا کفر کو ایمان کے بدلے میں ہرگز

لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۷﴾

ضرر نہیں دے سکتے اللہ کو کچھ بھی اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے

اور اگر اونٹوں پر سوار ہوں تو وہ مکہ کی طرف جا رہے ہوں گے حضرت علیؑ گئے اور واپس آکر بتایا کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر جا رہے تھے پس آپ نے صحابہ کو واپسی کا حکم دیا اور خدا کی نعمت کا شکر ادا فرمایا۔

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ - آیت مجیدہ کا ایک معنی وہ ہے جو نیچے آیت کے مذکور ہے اور دوسرا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ شیطان اپنے دوستوں کو جو منافق ہیں جہاد سے ڈراتا ہے اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے جس کی وجہ سے وہ رسولؐ کی اتباع چھوڑ کر گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں پس مومنوں کو خطاب ہو رہا ہے کہ تم ہرگز کفار سے خوف نہ کیا کرو۔ تحت اللفظی ترجمہ کے ماتحت يُخَوِّفُ کا مفعول اوّل مومنین محذوف ہے اور اس معنی کے لحاظ سے اس کا مفعول ثانی اعداء محذوف ماننا ہوگا۔

وَلَا يَحْزُنْكَ :- بعض کہتے ہیں کہ ایک قوم مرتد ہو گئی جس کا جناب رسالتمآبؐ کو غم تھا اور بعض کہتے ہیں کہ عامۃ الکفار کے کفر سے آپ ملول خاطر ہوتے تھے پس بطور تسلی کے یہ ارشاد فرمایا۔

لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ - اس کو دوبارہ تکرار سے بیان فرمایا ہے کیونکہ پہلی آیت میں صرف جناب رسالتمآبؐ کی تسلی مقصود تھی کہ مسارعت فی الکفر کرنے والوں پر غم نہ کیجئے کیونکہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ وہ اپنی عاقبت بگاڑ رہے ہیں اور دوسری آیت میں زیادہ تعمیم فرما دی کہ جو لوگ بھی کفر کو اختیار کرتے ہیں وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے خواہ وہ کفر میں مسارعت کرنے والے ہوں یا ایسے

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا

اور یہ خیال نہ کریں وہ لوگ جو کافر ہیں کہ ہمارا مہلت دینا ان کی بہتری کے لئے ہے تحقیق

نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللَّهُ

ہمارا ان کو مہلت دینا اس کا انجام یہ ہے کہ وہ گناہوں میں زیادتی کرتے ہیں اور ان کیلئے ذلت آمیز عذاب ہے یہ نہیں کہ اللہ چھوڑ دے

لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ

مومنوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو یہاں تک کہ وہ تمیز دے پلید کو

الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي

پاک سے اور یہ بھی نہیں کہ اللہ تمہیں مطلع کرے غیب پر البتہ اللہ چن لیتا ہے اپنے

مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تُؤْمِنُوا

رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے

وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے

نہ ہوں اور یہ آیت پہلی آیت کے معنی کی تعلیل ہے یعنی جب مطلق کافر بالعموم اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو یہ مسارعت کرنے والے ان کا کیونکر کچھ بگاڑیں گے۔ تفسیر مجمع البیان میں مضرت اور اساءت کے درمیان یہ فرق بیان کیا گیا ہے کہ اساءت ہمیشہ قبیح ہوا کرتی ہے اور مضرت کبھی قبیح اور کبھی حسن ہوتی ہے جب استحقاق یا امتحان یا نفع عظیم کے لئے ہوا کرتی ہے۔

لِيَزْدَادُوا إِثْمًا :- اہلسنت کے امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں لام کو لام غرض قرار دیا ہے یعنی خدا کا کفار کو مہلت دینا اور ان کی عمروں کو لمبا کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ گناہوں میں ترقی کریں تاکہ عذاب کے حقدار اور زیادہ بنیں گویا ان کے گناہ خدا کے ارادہ سے ہوا کرتے ہیں لیکن مذہب امامیہ کے اصول کے ماتحت فعل قبیح کیلئے کسی کو مہلت دینا بھی بُرا ہے اور خدا جملہ برائیوں سے پاک ہے بلکہ خدا مہلت دیتا ہے کہ ان کی توبہ اور اعمال صالحہ کے مواقع زیادہ سے زیادہ دستیاب ہوں لیکن وہ لوگ خود اپنے اختیار سے راہِ حق کو چھوڑتے چلے جاتے ہیں جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان پر گناہوں کا بوجھ زیادہ ہوتا جاتا ہے اور وہ مستحق عذاب مہین کے ہو

جاتے ہیں پس اس صورت میں یہ لام غرض کے لئے نہیں بلکہ لامِ عاقبت ہے۔

عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ :- یا تو یہ خطاب کفار و منافقین کے لئے ہے کہ خدا مومنوں کو مبہم حالت میں نہیں چھوڑے گا بلکہ اے گروہ کفار و منافقین وہ تو ایسے مواقع امتحان و آزمائش کے لئے لائے گا جس سے کھرا کھرا اور کھوٹا کھوٹا ہو جائے گا اور مومن و منافق ایک دوسرے سے صاف طور پر ممتاز ہو جائیں گے یا یہ کہ خطاب مومنین کو ہے اور غیب سے خطاب کی طرف التفات کیا گیا ہے جس طرح کلام فصحاء میں بلکہ خود قرآن مجید میں اسی طرح ہوا کرتا ہے پس مقصد یہ ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو خدا ان کے زبانی دعوے پر نہیں چھوڑے گا بلکہ حسب موقع ان میں سے طیب و خبیث کو الگ کر دیتا ہے جس طرح جنگِ اُحد میں ہوا۔

مسئلہ علمِ غیب

وَمَا كَانَ اللّٰهُ :- یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مومن و منافق کی تمیز کے لئے خدا مومنوں کو لوگوں کے دِلی حالات کا علم کیوں نہیں دے دیتا تاکہ وہ اس علم کے ذریعہ سے کھوٹے کی خود پہچان کر لیتے اور جنگ و جدال کی جان لیوا مصیبتوں سے ان کی گلو خلاصی ہو جاتی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امتحان و آزمائش سے جس طرح مومن و منافق کی تمیز ہوتی ہے اسی طرح صبر و ثبات سے مومنوں کے درجات میں اضافہ ہوتا ہے اور ثانیاً مصلحت خداوندی یہ ہے کہ انجام کا علم اس نے لوگوں سے پوشیدہ کر رکھا ہے اور نظامِ عالم کی بہتری اسی میں ہے چنانچہ اس آیت مجیدہ میں ارشاد ہے کہ خدا ایسا نہیں کرتا کہ تمہیں علمِ غیب عطا کر دے۔ وہ صرف اسی کی اپنی ذات کے شایانِ شان ہے البتہ وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس کو غیب کی باتوں سے مطلع فرماتا ہے اور اس کے بعد یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول اپنی امت کو علومِ غیبیہ کی اطلاع دیتے رہیں بلکہ امت پر فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہر بات پر ایمان لائیں اور ان کے ہر فرمان کو دل میں جگہ دے کر اطاعت شعاری کی کوشش کریں پس امت کو خدا و رسولؐ کے کسی فیصلہ پر بھی کیوں کہنے کی اجازت نہیں کیونکہ ہر حکم کی مصلحت بتانا ان کے عہدہ میں نہیں ہے۔

مطلب کی مزید وضاحت کے لئے یوں سمجھئے کہ طبقاتِ موجودات میں سے حیوان کو نبات و جماد پر فوقیت ہے کیونکہ اس میں ایک حِس موجود ہے جس سے وہ تہی دامن ہیں اور انسان کو عام حیوان سے برتری حاصل ہے کہ اس میں ایک ایسا جوہر موجود ہے جس سے وہ خالی ہے پس روحِ نباتی سے وہ شعور غائب ہے جس کو روحِ حیوان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اگر روحِ نبات کے مقابلہ میں شعورِ حیوانی کو پھیلایا جائے تو ایسا معلوم ہوگا کہ نبات کے مقابلہ میں حیوان کے پاس علمِ غیب کا ایک بے پناہ ذخیرہ موجود ہے جسے روحِ نباتی اپنے تصوّر میں بھی نہیں لا سکتا۔ اسی طرح روحِ حیوانی سے ایک شعور غائب ہے جس کو روحِ انسانی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے اور اگر روحِ حیوانی کے سامنے شعورِ انسانی کو بسط دیا جائے اور علوم و فنون میں اس کی دسترس و مہارت اور عقلی دنیا میں اس کی عظیم الشان فتوحات اور تسخیرِ موجودات کے لئے اس کے مناسب موزوں اور برمحل اقدامات اور بظاہر ناشدنی امور پر اس کا ہمہ گیر تسلط وغیرہ کو سامنے لایا جائے تو ظاہر ہے کہ روحِ حیوانی کے مقابلہ میں انسان کلی طور پر علمِ غیب کا مالک نظر

آتا ہے اور اس کی ان غیبی فتوحات کا روح حیوانی تصور تک نہیں کر سکتا۔

اب آگے بڑھیئے انبیاء میں روح القدس اور شعور قدسی کا جو جوہر موجود ہے اس سے یقیناً عام انسان کوتاہ دست ہے۔ منازلِ ارتقاء کی ترتیب سے روحِ نبات روحِ حیوان اور روحِ انسان میں ان کے مختص شعور کے لحاظ سے فرق کی جو پوزیشن ہے اسی لحاظ سے شعور انسانی اور شعورِ قدسیٔ نبوتی میں فرق کا اندازہ لگائیے پس ماننا پڑے گا کہ ان کا شعور اپنے مقام پر اگر پھیلے تو انسان کے مقابلہ میں ان کی علمی وسعتوں کا کیا مقام ہوگا؟ انسان یہی سمجھے گا کہ ان کے پاس علوم غیبیہ کے ذخائر موجود ہیں جو میرے تصور سے بالاتر ہیں۔

انبیاء میں بھی اپنے مقام پر فرق موجود ہے۔ کوئی نبی ایک قوم کے لئے کوئی قبیلہ کے لئے بعض صرف کنبہ والوں کے لئے بعض تھوڑے عرصہ کے لئے اور بعض زیادہ مدت کے لئے بہر کیف ہر ایک کی پوزیشن الگ الگ ہے بعض صرف نبی ہیں اور بعض نبی بھی ہیں اور رسول بھی ان میں سے تھوڑے اولوالعزم ہیں اور زیادہ غیر اولوالعزم۔ پس جس نبی کا دائرہ نبوت جس حد تک ہے وہ نبی اس حد تک اپنی تمام امت کے افراد کے مقابلہ میں شعور کلی کا حامل ہوتا ہے اور امت کے افراد کا شعور مجموعی اس نبی کے شعور قدسی کے مقابلہ میں ہیچ ہوتا ہے اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ چونکہ عالمی رسول ہیں لہذا ان کا روحِ قدسیٔ نبوتی اپنے قدسی شعور کے لحاظ سے عالمین پر حاوی ہونا چاہیئے اور تمام موجودات خواہ انسان ہوں یا جن و ملک اول خلقت سے لے کر آخرِ خلقت تک ان کے انفرادی و اجتماعی شعور کے مقابلہ میں ان کا شعور قدسی اور ان کے علوم و معارف محیط حیثیت کے حامل ہونگے اور ان کے پھیلاؤ کی حدود امکانی کمالات کے آخری نقطہ تک ہوں گی جن کا تصور تک عام انسانی عقول نہیں کر سکتے پس ان کی علمی وسعتوں کا احاطہ سوائے ذات واجب الوجود کے اور کسی کے بس کا روگ نہیں لہذا عام انسانی شعور کے مقابلہ میں چونکہ ان کا قدسی نبوتی شعور ہمہ گیر ہے جس کی بناء پر عام انسان اسے علوم غیبیہ کا عالم کہہ سکتا ہے جس طرح عام حیوان کے مقابلہ میں انسان عالم الغیب اور روحِ نباتاتی کے مقابلہ میں عام حیوان ادراکاتِ غیبیہ کے حامل ہیں۔

ماتحت کے لئے جو مسائل لاینحل ہوا کرتے ہیں وہ مافوق کے لئے اپنے ذاتی جوہر کے لحاظ سے درجۂ اہمیت سے ساقط ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس کے وجود کے لوازم ہوتے ہیں۔ مثلاً نبات کے لئے شعور حیوانی کے ادراکات اگرچہ ایک عقدۂ لاینحل ہیں لیکن وہ روحِ حیوانی کے لئے جزو زندگی کی حیثیت سے ہیں جس کی اہمیت ان کے درجہ اعتبار سے ساقط ہے چہ جائیکہ ان کا مافوق ان کی اہمیت سے انکار کرنے اور اسی طرح روحِ حیوانی کے لئے وہ غیر ممکن افکار و مسائل جن پر انسان حاوی ہے وہ حیوانی شعور سے بالاتر ہیں لیکن وہ عقولِ انسانیہ کی ذاتی استعداد کے نتائج ہیں جو نہ ان کے لئے چنداں اہم اور نہ معرضِ تعجب ہیں البتہ جن نئی ایجادات پر انسان محوِ حیرت ہو کر انگشت بدنداں نظر آتا ہے وہ صرف اس لئے کہ عقولِ انسانیہ نے اس طرف اس سے پہلے اقدام نہیں کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کل کی ایجاد آج باعثِ تعجب نہیں کیونکہ ذہن اس سے مانوس ہو چکا ہے اور اسے اپنے احاطۂ قدرت میں داخل سمجھ چکا ہے حالانکہ کل وہ بھی تعجب کا باعث تھی پرسوں کے مقابلہ میں۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ ہر آئندہ کی ایجاد گذشتہ کمالات

کو عادی کرتی ہوئی چلی جا رہی ہے اور انسان اسے شعورِ انسانی کا عام کرشمہ سمجھتا جا رہا ہے اب جہاں یہ انسانی کمال آخری حد کو پہنچے گا وہاں سے نبوتی کمال کی حدود شروع ہوں گی پس جس مسئلہ کو انسان لاینحل کہے گا اور عام عقول سے اس کی فتح ناممکن ہوگی وہ روحِ نبوتی کے شعورِ قدسی کے لئے اپنی خداداد استعداد کے ماتحت اس کا تمام فعل ہوگا جسے انسان غیب سے تعبیر کرے گا لیکن ذاتِ اقدس الٰہیہ جو ہر شے پر محیط ہے اس کے سامنے روحِ نبوتی اور اس کے شعورِ قدسی کی تمام وسعتیں اسی طرح ہیچ ہیں جس طرح نبی کے لئے عام انسانی کمال اور انسان کے لئے عام حیوانی کمال۔ بلکہ مخلوق اور خالق کے درمیان کوئی نسبت قائم ہو ہی نہیں سکتی۔

اب آسانی سے سمجھ میں آسکے گا کہ خدا کسی کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا مگر جس کو منتخب کرے اپنے رسولوں میں سے۔ یعنی ان کو ان غیبی چیزوں پر اطلاع دیتا ہے جو عام انسانوں کے افہام سے بالاتر ہوں اور وہ غیوب ہیں جو روحِ نبوتی کے حدود کے اندر ہیں اور شعورِ انسانی کی حدود سے باہر اور جس مقام پر فرمایا! کہ سوائے میرے اور کوئی غیب نہیں جانتا بلکہ علم غیب صرف میرا ہی خاصہ ہے اس سے مراد وہ غیوب ہیں جو شعورِ نبوتی کی حدود سے بالاتر اور ذاتِ اقدس الٰہیہ کی شایانِ شان ہیں اور وہ ہر شے پر محیط ہے اور اس کی وسعتیں غیر محدود ہیں۔ اس کا احاطہ نہ انسان کر سکتا ہے نہ جن و ملک اور نہ نبی و مرسل بلکہ کسی ہستے اس کے تصور کا بھی امکان نہیں پس انسان اپنی نارسا عقل کے فیصلہ سے کہہ بیٹھتا ہے کہ نبی کلی غیب کا علم رکھتا ہے ورنہ علومِ الٰہیہ کے مقابلہ میں ان کے علوم ایک جزدی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان کے علوم کو اس ذاتِ واجب الوجود کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں دی جا سکتی

دورِ حاضر میں حضرت رسالتمآب کے علم کلی و جزوی کا مسئلہ عام ہے جس کو حقیقت ناشناس لوگوں نے اچھال رکھا ہے اور اپنے تئیں عالم کہلانے والوں نے اسی میں اپنا علمی کمال سمجھا ہے تاکہ عوام سے داد و تحسین حاصل کر کے اپنے اقتدار ناپائیدار کو فروغ دیں حالانکہ ایسے لوگ علومِ حقیقیہ اور معارفِ ربانیہ سے کوسوں دور ہوتے ہیں اور بڑی دریدہ دہنی سے عام جاہل طبقہ کو جن کا جہل جہلِ بسیط ہوتا ہے عوام کالانعام سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنے جہلِ مرکب کو کلاہ و دستار یا جبہ و قبا کے نیچے مخفی کر کے عالم بلکہ علّامہ کہلواتے پھرتے ہیں حالانکہ کالانعام کی لفظ جس طرح ان کو زیب دیتی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

میں نے اس مسئلہ کو اپنی حد تک آسان کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ نبی کے علوم ہماری نارسا عقول کے مقابلہ میں کلی حیثیت رکھتے ہیں عام انسانی عقول نہ ان کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان کی حدود کا تصور کر سکتے ہیں لیکن خداوند کریم کے محیط علم کے مقابلہ میں ان کی حیثیت بالکل جزوی ہے اب خدا ہی جانتا ہے کہ اس نے ان کو کس قدر دیا اور کیونکر دیا اور اس کا فیصلہ ہماری عقول سے بالاتر ہے ہمارا کام ہے ان پر ایمان لانا تسلیم کرنا اور اطاعت کرنا۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَهُمْ

اور نہ خیال کریں وہ جو بخل کرتے ہیں ساتھ اس کے جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے کہ وہ (مال) ان کا انجام اچھا ہے

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلِلَّهِ

ان کے لئے بلکہ وہ برا ہے ان کے لئے عنقریب طوق پہنایا جائے گا ان کو اس کا جس کا انہوں نے بخل کیا بروز قیامت اور اللہ

مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٨٠﴾ ع

کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو آگاہ ہے

زکوٰۃ نہ ادا کرنے کا عذاب

وَلَا يَحْسَبَنَّ :- تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اپنی زکوٰۃ مال سے تھوڑا سا حصہ بھی ادا نہ کرے گا تو اس کو بروز محشر دوزخ کا اژدھا بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا جو حساب وکتاب کے خاتمے تک اس کے گوشت کو نوچتا رہے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ وہ اس کے دماغ کو کھاتا رہے گا اور یہ آیت زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کے حق میں ہے۔

ایک حدیث میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص زکوٰۃ مال ادا نہیں کرتا بروز محشر تمام حیوانات کو محشور کر کے اس پر مسلط کیا جائے گا کہ حساب خلائق کے ختم ہونے تک بعض اس کو اپنے سینگوں سے ماریں گے بعض دانتوں سے کاٹیں گے اور بعض اپنے پاؤں کے نیچے اس کو روندیں گے اور جو شخص زکوٰۃ غلہ ادا نہ کرے تو وہ زمین جس پر وہ غلہ پیدا ہوا تھا ساتوں طبقوں سمیت اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ آیت مجیدہ کی تفسیر میں معصومین علیہم السلام نے صرف مانع الزکوٰۃ کے متعلق فرمایا ہے ورنہ تمام حقوق مالیہ واجبہ کا ادا نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور حق خمس بھی اسی قبیل سے ہے ممکن ہے معصوم نے بخل کے ایک فرد کو بطور تمثیل کے بیان کیا ہو۔

وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ :- اس میں بخل کرنیوالوں کو مزید تنبیہ فرمائی ہے کہ جس کا تم بخل کرتے ہو وہ درحقیقت ہے تو اللہ کی ملکیت، اور تمہاری رہائش اس زمین پر یا تمہاری ان چیزوں کی ملکیت بالکل عارضی ہے جب مال سب اس کا ہے تو تمہارا بخل کرنا کیا معنی رکھتا ہے یہ ایسا ہے جیسے ایک غنی اپنی رعایا کے کسی بندے کو اپنے کھانے اور دوسروں پر تقسیم کرنے کیلئے کچھ دے دے اور کہے کہ تیرے کھانے اور تیری جائز تقسیم پر خوش ہوں گا اور تیرے بخل پر تجھے سزا دوں گا اور بہر صورت جب تو میرے پاس پہنچے گا تو اپنی کو میں تجھ سے سنبھال لوں گا اور نافرمانی پر سزا بھی دوں گا تو کسقدر بے عقل ہوگا وہ انسان جو اس قسم کی ہدایات کے بعد بھی اس مال میں بخل کرے اور حقوق واجبہ ادا نہ کرنے والوں کی بعینہٖ یہی کیفیت ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ

تحقیق سنی اللہ نے بات ان کی جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ فقیر اور ہم غنی ہیں

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

ہم محفوظ کریں گے اس کو جو انہوں نے کہا اور ان کا قتل کرنا نبیوں کو ناحق اور ہم کہیں گے چکھو عذاب جلنے کا

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ج

یہ بوجہ اس کے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور تحقیق اللہ نہیں ظلم کرنے والا بندوں پر

رکوع نمبر ۱۰

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ :- شانِ نزول - کہتے ہیں جب مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا پ ۲ رکوع ۱ اتری تو حیی بن اخطب یہودی نے طعن کرتے ہوئے کہا کہ پھر تو اللہ فقیر ہے کہ ہم سے قرض مانگتا ہے اور ہم دولت مند اور غنی ہیں - اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت نے بنی قینقاع کی طرف ایک شخص کو دعوتِ اسلام ادائے زکوٰۃ اور اقامتِ نماز کی تبلیغ کے لئے بھیجا تو ان کے معلم فنحاص بن عازوراء نے کہا کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہم غنی اور اللہ فقیر ٹھہرا چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی - (مجمع البیان ملخصاً)

سَنَكْتُبُ :- یعنی ملائکہ کرام ان کا یہ کلمہ ان کے صحائف اعمال میں لکھ لیں گے اور وہ محفوظ رہے گا اور یہ بداعمالی سے روکنے کا انتہائی کارگر طریقہ ہے کیونکہ جب ایک شخص کو معلوم ہو کہ میری ہر بات میرے نامۂ اعمال میں محفوظ ہے جس کو قیامت کے روز تمام خلائق کی موجودگی میں پڑھا جائے گا اور مجھے شرمندگی ہوگی تو وہ حتی الوسع گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا -

قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ :- رسالتمآب کے زمانہ کے یہودیوں نے اگرچہ انبیاء کو قتل نہیں کیا تھا بلکہ ان کے اسلاف نے یہ کام کیا تھا لیکن یہ لوگ چونکہ ان کے اس کرتوت سے راضی تھے لہذا انبیاء سلف کا قتل ان کی طرف منسوب کیا گیا چنانچہ وارد ہے کہ اگر قتل مشرق میں ہو اور مغرب میں کوئی رہنے والا اس کے فعل پر راضی ہو جائے تو وہ بھی قاتل کی طرح مجرم قرار دیا جائے گا - بناءبریں امام حسین علیہ السلام کو جن لوگوں نے قتل کیا تاقیامت ان لوگوں کے اس فعل بد پر راضی ہونے والے امام حسین علیہ السلام کے قتل میں شریک ہوں گے اور حضرت حجت علیہ السلام جب ظاہر ہوں گے تو ان سب سے انتقام لیں گے -

قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ :- ہر جرم کی نوعیت جداگانہ ہوا کرتی ہے اور تمام اعضاء اپنی نوعیت کے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن چونکہ کسی شے کے بھیجنے کیلئے ہاتھ ایک اہم حیثیت رکھتا ہے لہذا ہاتھوں کی طرف تقدیم جرم کو منسوب کیا گیا اور مراد اس

ٱلَّذِينَ قَالُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ عَهِدَ إِلَيۡنَآ أَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأۡتِيَنَا

جنہوں نے کہا تحقیق اللہ نے عہد لیا ہے ہم سے کہ نہ ایمان لائیں کسی رسول پر یہاں تک کہ لائے

بِقُرۡبَانٍ تَأۡكُلُهُ ٱلنَّارُۗ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّن قَبۡلِي بِٱلۡبَيِّنَٰتِ

ہمارے پاس قربانی جس کو کھا جائے آگ فرما دیجئے تحقیق آئے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے واضح نشانیاں لے کر

وَبِٱلَّذِي قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوهُمۡ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ﴿۱۸۳﴾

اور ساتھ اسی نشانی کے جو تم نے کہی پس کیوں تم نے ان کو قتل کیا اگر تم سچے ہو؟

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدۡ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّن قَبۡلِكَ جَآءُو بِٱلۡبَيِّنَٰتِ

پھر اگر آپ کو جھٹلائیں (تو غم نہ کرو) تحقیق جھٹلائے گئے بہت رسول آپ سے پہلے جو لائے تھے واضح نشانیاں

وَٱلزُّبُرِ وَٱلۡكِتَٰبِ ٱلۡمُنِيرِ ﴿۱۸۴﴾

اور کتاب روشن

سے تمام اعضاء کے مجرم ہیں۔

کسی قوم کے فعل پر راضی ہونیوالا انہی میں سے شمار ہوگا

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا ۔ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی قربانیوں کی قبولیت کی علامت یہ تھی کہ قربانی کرکے اسے رکھ دیتے تھے پس آسمان سے آگ اترتی اور جس کی قربانی مقبول ہوتی تھی وہ اس کو جلا دیتی تھی اور جس کی قربانی مقبول نہ ہوتی تھی اس کو آگ چھوڑ دیتی تھی پس ان لوگوں نے حضرت رسالتمآبؐ سے بھی وہی نشانی طلب کی لیکن ارشاد قدرت ہوا کہ ان کے مزاج اپنے اسلاف کے مزاجوں کے بالکل موافق ہیں اور یہ لوگ ان کے افعال پر بالکل راضی ہیں جب ان کے پاس ہر قسم کے معجزات آئے اور یہی مطلوبہ نشانی بھی ان کے سامنے موجود تھی لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے بلا دریغ انبیاء کو قتل کر ڈالا تو ان لوگوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ صرف بہانے بناتے ہیں۔

تفسیر برہان میں کافی و عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے قدریہ اور خوارج پر لعنت بھیجی اور اس کے بعد مرجیہ پر دو دفعہ لعنت کی راوی نے مرجیہ پر دوبارہ لعنت بھیجنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمارے قاتلین کو مومن کہتے ہیں۔ پس تا قیامت ان کے لباس ہمارے خون سے آلودہ رہیں گے جس طرح کہ رسالتمآب

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کا اور تحقیق تمہیں پورا اجر دیا جائے گا بروز قیامت پس

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ

جو بچایا گیا نار سے اور داخل کیا گیا جنت میں پس وہ کامیاب ہوا اور نہیں زندگانی دنیا مگر سامان

الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۫ وقف وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

دھوکے کا البتہ تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور اپنے نفسوں میں اور ضرور سنو گے ان سے جنہیں کتاب دی گئی

مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ

تم سے پہلے اور ان سے جو مشرک ہیں اذیت بہت اور اگر صبر و تقویٰ اختیار کرو گے

کے زمانہ کے یہودیوں کو انبیاء ماسلف کے قتل کا مجرم قرار دیا گیا ہے حالانکہ قتل کرنے والوں اور ان کے درمیان پانچسو سال کی مدت کا فاصلہ تھا یہ چونکہ ان کے فعل پر راضی تھے۔ لہذا خدا نے ان کو بھی انبیاء کا قاتل فرمایا۔

فَمَنْ زُحْزِحَ ۔ تفسیر برہان میں بروایت تفسیر قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ قیامت کے دن جناب رسالتمآبؐ کو گلابی حلّہ پہنایا جائے گا اور آپ عرش کی دائیں جانب قیام فرمائیں گے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کو سفید حلّہ پہنایا جائیگا اور وہ عرش کے بائیں جانب کھڑے کئے جائیں گے پھر حضرت علیؑ کو گلابی حلّہ پہنا کر جناب رسالتمآبؐ کے دائیں طرف جگہ دی جائیگی اور حضرت اسمٰعیلؑ کو سفید حلّہ پہنا کر حضرت ابراہیمؑ کے بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا پھر حضرت حسن مجتبیٰؑ کو گلابی حلّہ میں حضرت علیؑ کے دائیں طرف جگہ ملے گی اس کے بعد حضرت حسین علیہ السلام اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے آئمہ طاہرین علیہم السلام کو گلابی حُلّہ ہائے بہشت پہنائے جائیں گے وہ سب بالترتیب ایک دوسرے کے دائیں جانب قیام فرما ہوں گے اور ان کے سامنے ان کے شیعوں کو کھڑا کیا جائے گا پھر جناب فاطمہؑ اور اس کی ذریت اور شیعہ عورتیں آئیں گی پس یہ سب داخل جنت ہوں گے بلاحساب بطنان عرش سے جناب رب العزت کی طرف سے ندا آئے گی اے محمدؐ تیرا بہترین باپ ہے ابراہیمؑ اور بہترین بھائی ہے علیؑ بن ابی طالب اور بہترین سبط ہیں حسنؑ و حسینؑ اور بہترین جنین ہے محسن اور بہترین آئمہ ہیں تیری ذریت اور ان کا نام لیا جائے گا۔ اور بہترین شیعہ ہیں تیرے شیعہ آگاہ رہو۔ یہی ہیں کامیاب ہونے والے اور اس آیت کا یہی مطلب ہے (ملخصاً)

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۔ مجمع البیان میں ہے کہ جنت میں ایک چھڑی رکھنے کی جگہ دنیا اور اس کی تمام نعمات سے بہتر ہے۔

اَذًى كَثِيْرًا ۔ یہودی لوگ جناب رسالتمآبؐ کی اور مومنین کی ہجو کرتے تھے اور زبانی اذیتیں دیتے تھے پس خداوند کریم ان کو

ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ

تو یہ جواں مردی کا کام ہے — اور جب لیا اللہ نے عہد ان سے جنہیں کتاب دی گئی کہ اس کو ضرور بیان کروگے

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ

لوگوں کیلئے اور نہ چھپاؤ گے اس کو ڈال دیا انہوں نے اس (عہد) کو اپنی پشت کے پیچھے اور خرید لی اس کے بدلے قیمت تھوڑی پس بری

مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا

ہے وہ چیز جو خرید لیتے ہیں — نہ خیال کرو ان کو جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اس کے جو کیا انہوں نے اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے

بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

ایسی بات پر جو انہوں نے نہیں کی پس نہ خیال کرو کہ وہ نجات یافتہ ہیں عذاب سے — اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

اور اللہ کے لئے ہے ملک آسمانوں کا اور زمین کا — اور اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے

تلقین صبر و تقویٰ فرما رہا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ :- کتب سابقہ میں چونکہ جناب محمد مصطفیٰ کی رسالت اور دین اسلام کی حقانیت کا اعلان تھا لیکن اہل کتاب کے علماء رشوتیں اور ہدیے لے کر چھپانے کے درپے ہوتے تھے پس یہ آیت ان کی مذمت میں اتری۔ بلکہ ہر وہ عالم جو جان بوجھ کر مسائل حقہ پر پردہ ڈالے وہ اس آیت کا مصداق ہو سکتا ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ اللہ نے جاہلوں سے سیکھنے کا عہد بعد میں لیا اور اہل علم پر سکھانے اور تعلیم دینے کا عہد پہلے لے لیا۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ :- کہتے ہیں کہ علماء یہود جب اپنے عوام کی تعظیم کرتے اور ان کو عالم کہتے تھے تو وہ خوش ہوتے تھے یا یہ کہ منافقین جب جہاد میں حاضر ہونے سے گریز کرتے تھے اور پھر مسلمانوں کے سامنے اپنی عذر خواہی کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہمیں سچا مسلمان سمجھا جائے اور ہماری تعریف کی جائے یا یہ کہ خیبر کے یہودی حاضر بارگاہ رسالت ہوئے اور کہا کہ ہم آپ کو پہچانتے اور آپ پر ایمان رکھتے ہیں تو مسلمانوں نے ان کی تعریف کی پس آیت مجیدہ میں خداوند کریم ان کی مذمت فرما رہا ہے اور ظاہر آیت اگرچہ بعض افراد کو شامل ہے لیکن اس کی تاویل قیامت تک جاری ہے اور جو لوگ ایسی صفات کے حامل ہیں وہ ہر زمانہ میں اس آیت کے مصداق ہوتے جا رہے ہیں اور عوام کی بہ نسبت علماء پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور ان کی بازپرس بہ نسبت عوام کے سخت تر ہوگی۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

تحقیق پیدا کرنے میں آسمانوں اور زمین کے اور اختلاف شب و روز میں (البتہ توحید کی) دلیلیں ہیں

لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا

صاحبانِ عقل کے لئے جو یاد کرتے ہیں اللہ کو قیام و قعود میں

وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا

اور پہلوؤں کے بل اور سوچتے ہیں آسمانوں اور زمینوں کی خلقت

مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

کے بارے میں (پھر کہتے ہیں) اے رب تو نے یہ نہیں پیدا کیا بے سود۔ تو پاک و منزہ ہے پس ہمیں بچا عذاب دوزخ سے

مَنْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَىٰ

رکوع نمبر ۱۱

توحید

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ :۔ ا۔ تفسیر برہان میں ہے مَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ ۔ کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کو آسمان و زمین کی خلقت، شب و روز کا اختلاف اور گردش فلک اور شمس و قمر کی رفتار وغیرہ یہ نہ بتاسکیں کہ ان کے پیچھے ایک بڑی قوت کارفرما ہے تو وہ آخرت میں اندھا اور راہ گم کردہ محشور ہوگا۔

۲۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے تھے اپنے دلوں کو فکر سے بیدار کرو۔ رات کو سجدہ میں بسر کرو اور اللہ سے ڈرو۔

۳۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تمام عبادتوں سے بہتر عبادت ہے اللہ اور اس کی قدرت میں تفکر کرنا۔

۴۔ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عبادت نماز و روزہ کی زیادتی کا نام نہیں ہے بلکہ عبادت توحید میں فکر کا نام ہے۔

۵۔ جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ اللہ کے نزدیک اس شخص کی قدر و منزلت زیادہ ہے جو کھائے کم اور فکر زیادہ کرے اور مبغوض ترین انسان وہ ہے جو زیادہ کھا کر سونے میں گذار دے اور فرمایا کہ خلق خدا میں تفکر کیا کرو اور خود ذاتِ خدا میں فکر نہ کرو کیونکہ تمہارے بس سے باہر ہے۔ الحدیث

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ بہتر انسان کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس کا بولنا ذکر، خاموشی فکر اور نظر برائے عبرت ہو۔

۷۔ حضرت رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھوں کو عبادت سے حصہ دیا کرو اور وہ یہ کہ قرآن میں نظر کرو اور پھر اس میں فکر کرو

اور عجائبات دیکھ کر ان سے عبرت حاصل کرو۔

۸۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ دو مختصر رکعتیں جو فکر سے پڑھی جائیں وہ بد دلی کی رات بھر کی نماز سے بہتر ہیں۔ حضرت لقمان تنہائی پسند تھے چنانچہ ایک دفعہ ان سے کہا گیا کہ آپ تنہا بیٹھا کرتے ہیں اگر لوگوں کے ساتھ بیٹھیں تو وہ آپ کی دل لگی کا باعث ہوگا تو آپ فرماتے تھے کہ تنہائی میں بیٹھنا فکر کے لئے زیادہ مفید ہے اور فکر کی زیادتی جنت کا راستہ ہے (ان احادیث میں فکر سے مراد توحید کے بارے میں فکر ہے)

۹۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں حمد اس اللہ کے لئے جس نے اپنی خلق کو اپنے وجود کی اور اپنی حادث مخلوق کو اپنی ازلیت کی دلیل قرار دیا اور مخلوق کی ایک دوسری سے مشابہت کو اس کی دلیل بنایا کہ اس کی تشبیہ و مثال کوئی نہیں، مشاعر اس کو چھو نہیں سکتے اور پردے اس کو ڈھانپ نہیں سکتے کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ صانع اور مصنوع دو الگ چیزیں ہیں حاد محدود سے جدا ہے اور رب و مربوب میں فرق ہے وہ یکا و تنہا ہے بغیر تاویل عدد کے وہ خالق ہے بغیر حرکت و کوفت کے سمیع ہے بغیر آلہ کے بصیر ہے بغیر آنکھ کے اور شاہد ہے بغیر مس کے۔ ہر شے سے جدا ہے لیکن نہ ساتھ دوری مسافت کے ظاہر ہے لیکن نہ یہ کہ دیکھنے میں آسکتا ہے اور باطن ہے نہ اس لئے کہ باریکی کی صفت اس میں پائی جاتی ہے چیزوں سے الگ ہے کہ اس کا قہر و غلبہ ہر شے پر حاوی ہے اور دوسری چیزیں اس سے جدا ہیں کہ وہ اس کے سامنے خاضع و خاشع ہیں جس نے اس کی وصف کی (صفت کو ذات سے الگ مانا) تو گویا اس نے حد بندی کی اور جس نے حد بندی کی گویا اس نے اس کو محدود جانا اور جس نے اس کو محدود جانا اس نے اس کی ازلیت کی نفی کی جو یہ کہے کہ وہ کیا ہے؟ تو گویا وہ اس کو موصوف جانتا ہے یعنی صفت کو ذات سے الگ تصور کرتا ہے جو یہ کہے کہ وہ کہاں ہے؟ تو وہ گویا اسے مکان کا پابند سمجھتا ہے اور وہ اسوقت سے عالم ہے۔ جب معلوم کا وجود نہ تھا۔ وہ اس وقت سے رب ہے جب مربوب کوئی نہ تھا اور وہ اس وقت سے قادر ہے جب کسی مقدور کا صفحہ ہستی پر نام و نشان نہ تھا۔

۱۰۔ مجمع البیان میں تفسیر ثعلبی سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ رات کو اٹھ کر مسواک کرکے یہ آیات پڑھا کرتے تھے اور نیز آپ سے مروی ہے کہ ویل ہے اس شخص کیلئے جس نے ان آیتوں کو صرف منہ میں چبایا اور فکر نہ کیا۔

دلیل بر وجودِ خدا

انسان جب آسمان و زمین کے وجود اور ان میں نت نئے حادث ہونے والے عجائب و غرائب کا مطالعہ کرے تو یقین پیدا ہوتا ہے کہ جو چیز حوادث کا محل و مقام ہے وہ خود بھی حادث ہے تو ماننا پڑے گا کہ آسمان و زمین کا وجود ازلی نہیں بلکہ ایک وقت میں یہ نہ تھے پھر ہو گئے لہٰذا ضروری ہے کہ ان کو کسی نے پیدا کیا ہو۔ پس ان کا حدوث و وجود ان کے خالق کے وجود کی دلیل ہے جو قادر ہے اور ان کے وجود میں عجیب و غریب مصالح اور ان کا نظم و نسق خالق کے علم و حکمت کی ناقابلِ تردید برہان ہے اور نیز ان کا حدوث خالق کے قدم کا پتہ دیتا ہے کیونکہ اگر وہ بھی حادث ہو تو اس کے لئے ایک اور موجد کی ضرورت ہوگی اور یہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا۔ پس انتہا ایک ایسے موجد پر ہوگی جو قدیم ہے اسی طرح شب و روز کا اختلاف بھی وجودِ خدا کی دلیل ہے کیونکہ ایک مقدار معین پر دن و رات کا تعاقب جس سے کبھی یہ

آگے پیچھے نہیں ہو سکتے پھر بلحاظ موسم ایک کا بڑھنا اور دوسرے کا گھٹنا اس طرح کہ بڑھنے والے کی زیادتی گھٹنے والے کی کمی سے برابر ہی ہوتی ہے اور یہ سلسلہ کبھی کم و بیش نہیں ہوتا پس یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا صانع قادر حکیم دانا و بینا ہے۔

نہایت مناسب ہے کہ اس مقام پر دَور حاضر کے ایک مفکر کے نتائج فکر کو پیش کر دوں چنانچہ ایک پروفیسر اس عنوان پر کہ کیا زمین پر زندگی کی نمود محض اتفاق ہے؟ لکھتا ہے۔

عصر جدید سائنس کا دَور ہے اگرچہ آفتاب سائنس ابھی طلوع ہوا ہے تاہم نئی دریافت یہ تصدیق کرتی ہے کہ یہ دنیا کا تخلیقی کارنامہ ایک حکیم مطلق یعنی خالق و پروردگار کا ہی مرہونِ منت ہے۔ ڈارون کے بعد کی اس ایک صدی میں انسان نے عظیم الشّان ایجادات کی ہیں اور ہم ایک ایسے سرچشمۂ علم سے بہرہ یاب ہوئے ہیں جہاں سائنس اپنے عجز کے اقرار کے ساتھ خدا پر ایمان کو مستحکم کرتی ہے اور ہم خدا کی حقیقت سے قریب سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں (مشاہدۂ قدرت اور جدید سائنسی علوم (ریاضی، طبیعات، جغرافیہ، فلسفہ اور علم حیوانات وغیرہ) سے ان چند دلائل نے میرے خدا پر ایمان کو تازہ کر دیا ہے شائد آپ بھی ان سے اتفاق کریں۔

۱۔ حساب کے لافانی قانون کی رُو سے ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہماری یہ کائنات ایک عظیم انجنیئر کے ہاتھوں سے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی تھی فرض کیجئے آپ دس سکّے لے کر ان پر ترتیب وار ایک سے دس تک ہندسے لکھ دیتے ہیں اور انہیں ملانے کے بعد جیب میں ڈال لیتے ہیں اب آپ انہیں اس ترتیب سے نکالنے کی کوشش کریں کہ پہلے نمبر ایک آئے پھر نمبر دو پھر علی الترتیب نمبر دس نکلے اور ہر سکّہ کو نکالنے کے بعد اُسے جیب میں ڈال کر ملاتے رہیں حساب کی رُو سے ہم جانتے ہیں کہ ان دس سکّوں میں سے نمبر ایک کو پہلی دفعہ نکالنے کی کوشش کریں تو اس کا امکان ۱/۱۰ ہے۔ اگر نمبر ایک اور دو کو ترتیب وار نکالنے کی کوشش کریں تو اس کا امکان ۱/۱۰۰ ہے۔ اسی طرح ایک دو تین کو ترتیب وار نکالنے کے لئے ہزار میں سے ایک دفعہ کا امکان ہے لیکن ایک سے دس تک تمام سکّوں کو ترتیب سے نکالنے کے لئے امکان کس حد تک ہے؟ شاید ایک ارب دفعہ میں صرف ایک بار: توجیہہ سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ ہماری زمین پر زندگی برقرار رکھنے کے لئے کڑی شرائط کا ہونا ضروری ہے البتہ ان میں توازن و تناسب ناگزیر ہے زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکّر لگاتی ہے اگر یہ سو میل کی رفتار پر آجائے تو ہمارے دن رات موجودہ وقت سے دس گنا بڑھ جائیں گے اور سورج کی تمازت دنیا کے سبزے کی پتی پتی کو جلا کر راکھ کر دے گی اگر کوئی سخت جان کونپل بچ بھی گئی تو یخ بستہ طویل رات اسے ختم کر دے گی

سورج ہماری زندگی کے لئے ایک لازمہ کی حیثیت رکھتا ہے اس کی اُوپر کی سطح کا درجہ حرارت بارہ ہزار فارن ہیٹ ہے ہماری زمین اس سے اتنی دُور ہے کہ یہ ازلی ابدی آگ کی بھٹی ہمیں مناسب گرمی دیتی ہے اگر یہ اس سے آدھی حرارت دے تو ہم برفاب ہو جائیں اور اگر یہ اس سے آدھی حرارت تیز کر دے تو کباب ہو جائیں۔

ہماری زمین ۲۳ درجہ عمود سے جھکی ہوئی ہے اسی سے ہمارے موسم بنتے ہیں اگر یوں نہ ہوتا تو سمندروں سے اُٹھنے والے

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾

اے رب تو جسے داخل کرے آگ میں تو تحقیق تونے اسے ذلیل کیا اور نہ ہوگا ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

اے رب ہمارا تحقیق ہم نے سنا ایک بلانے والا جو بلاتا ہے ایمان کی طرف کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر پس ہم ایمان لائے

ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا

اے رب پس بخش دے ہمارے گناہ اور دور کر ہم سے ہماری برائیاں اور ہمیں لے لے ساتھ نیکوں کے اے رب ہمارا اور دے ہمیں وہ جو تونے ہم

بخارات شمالاً جنوباً ہر سمت میں برف کے برّاعظم بنا دیتے اگر چاند موجودہ فاصلہ سے صرف پچاس ہزار میل دور ہوتا تو سمندروں میں اتنا شدید مدّ و جذر پیدا ہوتا کہ دو روز میں سارے برّاعظم طوفانِ نوح کی داستان دہراتے حتّٰی کہ ہمالیہ کی چوٹیاں بھی غرقاب ہو جاتیں اگر سطح زمین کا چھلکا صرف دس فٹ موٹا ہوتا تو یہاں آکسیجن نہ مل سکتی جس کے بغیر زندگی موت بن جاتی اگر سمندر موجودہ گہرائی سے زیادہ عمیق ہوتا تو کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن اتنے زیادہ صرف ہو جاتے کہ نباتات کا قلع قمع ہو جاتا اور اگر زمین کے گرد فضا کا ہالہ اتنا کثیف نہ ہوتا تو کائنات میں روزانہ لاکھوں کی تعداد میں ٹوٹنے والے شہاب ثاقب زمین کے چاروں طرف آگ لگا دیتے اسی طرح اور بیسیوں مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ کروڑ میں سے ایک مرتبہ بھی یہ امکان نہیں ہے کہ ہماری زمین پر زندگی کی نمود محض اتفاق ہے بلکہ اسے ایک سوچی سمجھی سکیم کے مطابق تیار کیا گیا ہے اور یہ سکیم کسی حکیم و دانا و عقل کل کے وجود پر دلالت کرتی ہے (یعنی وجود خالق) اس کے بعد اور دلیلیں بھی ہیں لیکن یہاں صرف اسی پر اکتفا کی جاتی ہے)

رَبَّنَآ اِنَّكَ :- اس میں شک نہیں کہ جو شخص عذاب خدا میں گرفتار ہو اس سے بڑھ کر ذلیل کون ہو سکتا ہے اور صرف جہنم میں داخل ہونا ذلت و رسوائی کے لئے کافی ہے اگرچہ پھر شفاعت کی بدولت اسے نکال بھی لیا جائے جس طرح کہ مجمع البیان میں صحیح بخاری سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بعض گناہ گاروں کو شفاعت پہنچے گی اور جہنم سے نکال لئے جائیں گے اور اہل جنت ان کو جہنمی کے نام سے پکاریں گے ایک اور روایت میں ہے کہ جب ان کو جہنم سے نکالا جائے گا تو کوئلے کی طرح سیاہ ہو چکے ہوں گے پس ان کو ایک نہر میں ڈالا جائے گا جسے نہر حیات کہتے ہیں تو ان کا گوشت پوست نیا اگ آئے گا۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا :- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ منادی سننے والے حضرت علی علیہ السلام تھے (البرہان)

ان آیات کے نزول کے متعلق مروی ہے کہ جب حضرت ابوطالب کے انتقال کے بعد آپ کو ہجرت کا حکم ہوا تو آپ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سلایا اور فرمایا کہ پردہ داروں کو لے آنا۔ صبح کو جب قریش ناکام واپس گئے تو حضرت علیؑ پردہ داروں کو لیکر

عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

وعدہ فرمایا بذریعہ اپنے رسولوں کے اور ہمیں ذلیل نہ کرنا بروز قیامت تحقیق تو نہیں خلاف وعدہ کرتا پس ان کی دعا

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ

قبول کی ان کے رب نے کہ تحقیق میں نہیں ضائع کرتا تم میں سے کسی عامل کا عمل۔ خواہ مرد ہو یا عورت

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ

تم ایک جیسے ہو پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور

اُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اذیت دیئے گئے میرے راستہ میں اور لڑے اور مارے گئے البتہ ضرور میں دور کردوں گا ان سے ان کے گناہ

روانہ ہوئے جب ابوسفیان کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے ایک حبشی غلام کو عقب میں روانہ کیا تاکہ حضرت علیؑ کو مستورات کے ہمراہ لے جانے سے روکے چنانچہ جب یہ حبشی غلام پہنچا تو آپ نے اس کو ہٹ جانے کو کہا لیکن یہ باز نہ آیا پس آپ نے ایک جنبش یداللہی سے اُسے واصل جہنم کیا اس کے بعد ابوسفیان خود آیا اور اُس نے اپنے غلام کو مقتول پایا پھر حضرت علیؑ کو مستورات کے لے جانے سے منع کیا حضرت علیؑ اور ان کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی۔ آخرکار ابوسفیان ناکام واپس چلا گیا اور حضرت علیؑ اور ان کے ہمراہی چونکہ جنگ وجدال کی وجہ سے خستہ ہو چکے تھے لہذا ایک مقام پر قیام فرمایا اور تمام رات اللہ کی عبادت میں مصروف رہے۔ کوئی کھڑے ہو کر کوئی بیٹھ کر اور کوئی پہلو کے بل لیٹ کر حمد و شکر خداوند بجا لاتے رہے اور آخرکار بخیر و عافیت داخل مدینہ ہوئے اور ان کے پہنچنے سے پہلے جبرئیل یہ آیات لے کر نازل ہوا اور حضورؐ نے پڑھ کر سنائیں حضرت علیؑ کے ہمراہ عورتوں میں سے جناب فاطمۃ الزہراؑ فاطمہ بنت اسدؑ اور فاطمہ بنت زبیر تھیں اور بعد میں ام سلمہ بھی پہنچ گئی تھیں

فَاسْتَجَابَ :۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت اُمّ المومنین ام سلمہؓ نے بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی کہ ہجرت کے موقعہ پر صرف مردوں کا ذکر کیا جاتا ہے حالانکہ ہم عورتوں نے بھی ہجرت کی لیکن ان کا کہیں ذکر نہیں ہوتا تو خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی ذکر فرمایا۔

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ :۔ یعنی نصرت دین اور موالات میں تم سب کا ایک حکم ہے کیونکہ تم سب صفت ایمان میں یکساں ہو اور علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ اس آیت مجیدہ میں تشویق و تحریص موجود ہے کہ مومن گذشتہ آیات والی دعاؤں کو پڑھتے رہیں کیونکہ جن لوگوں نے یہ دعائیں پڑھی تھیں ان کی مدح و ثنا بھی فرمائی اور ان کی دعا کو مستجاب بھی فرمایا۔

وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

اور ان کو داخل کروں گا ایسے بہشتوں میں کہ بہتی ہوں گی ان میں نہریں یہ بدلا اللہ کی طرف سے ہے

وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي

اور اللہ کے نزدیک بہترین بدلا ہے نہ دھوکا دے تم کو آمدورفت ان کی جو کافر ہیں

الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

شہروں میں یہ نفع تھوڑا ہے پھر ان کی بازگشت جہنم ہے اور بُرا ٹھکانا ہے

حُسْنُ الثَّوَابِ :- یعنی اللہ کے پاس اعمال کی وہ جزا موجود ہے جس کی وصف و ثنا کوئی زبان کر ہی نہیں سکتی وہ ایسی ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل پر اس کا خطور ہوا ہوگا۔ کیونکہ اخروی نعمات ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک صاف ہوں گی۔ تفسیر برہان میں ہے کہ آیت مجیدہ کے مصداق حضرت امیر علیہ السلام حضرت سلمان، حضرت ابوذر اور حضرت عمار ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ بوقت نزول یہ لوگ تھے ورنہ تا قیامت ایسی صفات والے مومنین اس آیت کے صحیح مصداق ہوتے چلے جائیں گے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ :- تفسیر صافی میں مروی ہے کہ بعض مسلمان جب کافروں کو آسودہ زندگی اور خوشحالی میں دیکھتے تھے تو کہتے تھے یہ دشمنانِ خدا کیسے آسودہ حال ہیں اور ہم بھوک سے مر رہے ہیں۔ ان کی تسلی کے لئے یہ آیت اُتری اور ظاہری خطاب اگرچہ حضرت رسالتمآبؐ کی طرف ہے لیکن اس سے مراد اُمت کے افراد ہیں۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ :- دنیا کی زندگی کو متاع قلیل اس لئے فرمایا کہ خواہ زندگی کتنی ہی پر از عیش اور طویل ہو آخر اُس نے ختم ہو جانا ہے اور آخرت کی زندگی اور اس کی نعماتِ ابدیہ کے مقابلہ میں اس کا کوئی مقام ہی نہیں۔ کافر خواہ کتنی ہی نعمت میں ہو۔ آخرت کے عذاب کا جب دروازہ کھلے گا تو اس کو تمام نعمتیں بھول جائیں گی اور مومن خواہ کتنی ہی تکلیف میں مبتلا ہو جب مرنے کے وقت جنت کا دروازہ اس کے سامنے باز ہوگا تو اس کی تمام تکلیفیں رفع ہو جائیں گی۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے۔ کہ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ - یعنی دنیا مومن کے لئے قید اور کافر کے لئے جنت ہے۔ مومن اگر دنیا میں آسودہ حال بھی ہو۔ جنت کی نعمات کے مقابلہ میں اسے قید خانہ سمجھے گا اور کافر دنیا میں اگر بدحال بھی ہو لیکن جہنم کے مقابلہ میں اسے جنت سمجھے گا اور تفسیر مجمع البیان میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ کافر و مومن ہر دو کے لئے موت بہتر ہے مومن کے لئے تو اس واسطے کہ وہ جنت میں جا پہنچے گا۔ اور کافر کے لئے اس واسطے کہ آئندہ کی زندگی میں جو اس نے نافرمانی کرنی تھی اس سے بچ جائے گا اور اسی قدر عذاب سے وہ نجات پالے گا۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

لیکن وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے ان کے لئے باغات ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ

ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں مہمانی ہے اللہ کی جانب سے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے بہتر ہے نیکوں کیلئے اور تحقیق بعض

اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ

اہل کتاب ایمان لاتے ہیں اللہ پہ اور جو کچھ نازل ہوا تمہاری طرف اور جو کچھ نازل ہوا

اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

ان کی طرف خشوع کرتے ہوئے اللہ کے لئے نہیں لیتے آیات خداوندی کے بدلے قیمت تھوڑی ان لوگوں کے

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا

لئے ان کا اجر ہے نزدیک ان کے رب کے تحقیق اللہ جلدی حساب لینے والا ہے اے ایمان والو!

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع ۱۱

صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور ثابت قدم رہو اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ

وَاِنَّ مِنْ :- اس آیت مجیدہ کی شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ بادشاہ حبشہ جس کا نام عطیہ تھا۔ جب فوت ہوا تو جبرئیل نے آکر خبر دی آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تمہارا مومن بھائی مرچکا ہے چلو نماز جنازہ پڑھیں۔ چنانچہ آپ بمع صحابہ کے بقیع میں تشریف لائے۔ مدینہ سے لے کر حبشہ تک آپ کے سامنے سے ظاہری حجاب ہٹا دیئے گئے کہ آپ بادشاہ نجاشی کا جنازہ دیکھ رہے تھے پس آپ نے نماز جنازہ پڑھائی تو منافقین نے بزبانِ طعن کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو ایک نصرانی کافر کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہودیوں کی جماعت کے حق میں اتری جو اسلام لائے تھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ تمام اہل کتاب جو مومن ہوئے یہ آیت ان کو شامل ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا :- تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حکم صبر سے مراد ہے فرائض پر صبر کرنا اور مصائب میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا اور آئمہ کی محبت میں ثابت قدم رہنا۔

ایک دوسری روایت میں امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ مصائب میں صبر کرو۔ اور زمانِ تقیہ میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور جن کی اقتدا کرتے ہو ان کے لئے ثابت قدم رہو۔

مروی ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس نے اس آیت مجیدہ کی تفسیر طلب کرنے کے لئے ایک شخص کو امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب سائل نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ آیت میرے باپ اور ہمارے حق میں نازل ہوئی ہے اور وہ رباط جس کا آیت مجیدہ میں حکم ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ ہاں ہماری نسل سے مرابطہ کرنے والے ہوں گے واپس جاکر ابن عباس کو کہنا کہ تیری نسل سے ایک ذریت نکلے گی جو آتش جہنم کے لئے پیدا ہو گی۔ وہ اللہ کے دین سے لوگوں کی جماعتوں کو خارج کریں گے اور آلِ محمدؐ کے بچوں کے خون سے زمین کو رنگین کریں گے اور ایمان والوں سے لڑیں گے۔

رَابِطُوْا:۔ رباط کا اصل مفہوم تو یہ ہے کہ اسلامی سرحدوں پر حفاظت کے لئے مجاہد بن کر ڈٹے رہنا اور ان سرحدوں پر ثابت رہنے والوں کو مرابط کہا جاتا ہے لیکن تفسیر معصومینؑ میں اس جگہ رَابِطُوْا کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے امام وقت کی نصرت کے لئے اپنے آپ کو تیار رکھو اور ان کی تمام احکام میں اطاعت کرو اور خدا کی نافرمانی سے بچو۔ چنانچہ چند احادیث بیان کی جا چکی ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فرامین ہیں جو خانوادۂ عصمت سے اس بارہ میں وارد ہوئے ہیں۔

اور امام علی زین العابدین علیہ السلام نے تاویل کے طور پر ایک فرد بیان فرما دیا جو اس آیت کا اپنے زمانہ میں مصداقِ حقیقی تھا۔ ورنہ یہ آیت بلکہ قرآن مجید کی تمام آیتیں قیامت تک کے لئے ہیں اور قیامت تک ان کے مصداق آتے رہیں گے جیسا کہ ہم نے مقدمۂ تفسیر میں اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

مجمع البیان میں مرابطہ سے مراد بعض اقوال کی رُو سے نمازوں کی یکے بعد دیگرے انتظار اور اُن کی پابندی لی گئی ہے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ سے روایت نقل کی ہے کہ آپ سے افضل اعمال کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا وضو کا کامل کرنا۔ نماز جماعت کی طرف قدم بڑھانا اور نمازوں کی یکے بعد دیگرے انتظار کرنا اور یہی مرابطہ ہے۔

آج بحمد اللہ بروز اتوار ساڑھے تین بجے بعد دوپہر ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۶۱ء سورہ آل عمران کی تفسیر سے فارغ ہوا اور خداوند کریم سے دست بدعا ہوں کہ بحق محمدؐ و آلِ محمد و آلہ الطاہرین مجھے پورے قرآن کی تفسیر پر موفق فرمائے اور اس سلسلہ میں حائل شدہ جمیع جانی و مالی رکاوٹوں کو دُور کرے اور وہ دعاؤں کو قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اس کے بعد سورۂ نساء کی تفسیر شروع ہو گی۔

وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِیْنُ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّاھِرِیْنَ

تفسیر

سُورَۂ نسَاء

یہ سورہ مدنی ہے اور اس میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے علاوہ ایک سو چھہتر (۱۷۶) آیات اور چوبیس رکوع ہیں۔ تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص سورہ نساء کی ہر جمعہ کو تلاوت کرے وہ فشارِ قبر سے نجات پائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ

اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک نفس سے اور پیدا کیا اس (کی جنس) سے

مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ

اس کی عورت کو اور پیدا کئے ان دونوں سے مرد بہت اور عورتیں اور ڈرو اللہ سے جس کا ایک دوسرے

تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ①

کو واسطہ دیتے ہو اور رحم سے (قطع رحمی نہ کرو) تحقیق اللہ تم پر نگہبان ہے

رکوع نمبر ۱۲ حکمِ تقویٰ

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ :- خداوندکریم نے آیت مجیدہ میں عامۃ الخلق کو تقویٰ کا حکم دیا اور اپنے عمومی احسان کو بطور علت کے پیش فرمایا۔ پہلے پہل نعمتِ خلق کو ذکر فرمایا اور اس میں شک نہیں کہ نعمتِ وجود باقی تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہے پس جس خالق نے انسان کو کتمِ عدم سے خلعتِ وجود مرحمت فرمایا وہ سزاوار ہے کہ اس کی کماحقہٗ اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانیوں سے گریز کیا جائے کیونکہ انسان بلاشک عبد ہے اور وہ مولیٰ ہے اور عبد کے لئے کسی صورت میں اپنے مولیٰ کی مخالفت جائز نہیں اور عقل کا اٹل فیصلہ ہے کہ شکرِ منعم واجب ولازم ہوا کرتا ہے پھر تمام انسانوں کو ایک نفس سے خلق فرمانا اس کی کمالِ قدرت کی دلیل ہے اور حکمتِ الٰہیہ یہ ہے کہ کروڑوں نفوسِ انسانی صفحۂ وجود میں آئے لیکن صرف چہرہ کی طرف اگر غور کیا جائے تو ایک بالشت کی لمبائی چوڑائی سے اس کا رقبہ زیادہ نہیں اور اسی مختصر سے ٹکڑے میں اس قادرِ مطلق نے اس قدر لاتعدو لاتحصیٰ نقوش ونشانات تفویض فرمائے ہیں کہ ہر چہرہ دوسرے چہرہ سے ممتاز ہے ہر کی شکل ونقش دوسرے سے الگ ہیں کوئی بڑے سے بڑا کاریگر اتنے مختصر سے ٹکڑے میں اسی قدر مختلف نقوش اور جُدا جُدا اشکال قطعاً پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اسی قادرِ مطلق اور حکیم بے مثل کی صانعیت کا طرۂ امتیاز ہے جو علی الاطلاق شکر وحمد کا سزاوار ہے صرف چہرہ نہیں بلکہ انسان کے تمام اعضاء کی خصوصیات ایک دوسرے سے جداگانہ ہوتی ہیں اسی طرح ہر انسان کا مزاج مختلف اور قوائے باطنیہ میں اختلاف حتیٰ کہ صفحۂ ہستی پہ قدم رکھنے والوں میں سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ ہر حیثیت

سے ایک جیسا نہیں پایا جاتا اور یہ اس کی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ کی بین دلیل ہے جو انسان کو تقوٰی کی طرف ہر وقت دعوت دے رہی ہے

حضرت حوّا کی پیدائش

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا :۔ اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ حضرت حوا حضرت آدم کی بائیں جانب کی پسلی سے پیدا ہوئی تھی۔ لیکن اس کے متعلق تفسیر کبیر رازی میں ابومسلم اصفہانی نے اس کی تحقیق یہ بیان کی ہے کہ مِنْهَا سے مراد ہے مِنْ جِنْسِهَا اور اس کے استشہاد میں متعدد آیات قرآنیہ موجود ہیں چنانچہ فرماتا ہے جَعَلَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا۔ (یعنی اس نے بنائیں تمہارے نفسوں سے تمہاری بیویاں) اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہر شخص کی بیوی اس کے نفس سے پیدا ہوئی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری جنس سے خدا نے پیدا کیں نیز ارشاد فرماتا ہے کہ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (انہیں میں سے ان میں رسول بھیجا) اس مقام پر لیقیناً مِنْهُمْ سے مراد مِنْ جِنْسِهِمْ یا مِنْ قَوْمِهِمْ ہے یعنی خدا نے ان کی جنس یا ان کی قوم میں سے ان میں اپنا رسول مبعوث فرمایا۔

اس مقام پر شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا۔ اگر حضرت حوا کی تخلیق جدا ہوئی ہے تو اسطرح ہوتا کہ تمہیں نفسوں سے پیدا کیا گیا تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ لفظ مِنْ اس مقام پر ابتدائے غائت کے لئے ہے اور چونکہ خلقت میں حضرت آدمؑ اول تھے اس لئے کہا گیا کہ تمہاری ابتدا ایک نفس سے ہوئی نیز جب خدا کی قدرت کاملہ کی یہ شان ہے کہ حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کر سکتا ہے تو کیا حضرت حوا کی پیدائش کے وقت اس میں وہ قدرت نہ تھی کہ اس کو بھی علیحدہ مٹی سے پیدا کر لیتا حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کرنے کی کونسی ضرورت لاحق تھی؟ اور خواہ مخواہ باپ بیٹی بنا کر ان میں سلسلہ نکاح قائم کرنے میں کونسی مصلحت کارفرما تھی؟ تفسیر برہان میں ہے ایک طویل روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جبکہ زرارہ نے سوال کیا کہ لوگوں کا خیال ہے۔ خدا نے حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے خلق فرمایا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا خدا میں قدرت نہ تھی کہ حضرت حوا کو حضرت آدمؑ کی پسلی کے علاوہ الگ مادہ سے خلق فرماتا جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقعہ دیتے ہیں کہ آدمؑ کا نکاح اپنی جزو سے تھا پس خدا ہی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا نے جب آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا اور فرشتوں سے اس کا سجدہ کرایا پس اس پر نیند کو غالب کیا اور پھر حضرت حوا کو علیحدہ خلق فرمایا جب حضرت آدمؑ بیدار ہوئے اور حوا کو پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ تو کون ہے۔ تو حوا نے جواب دیا میں مخلوق خدا ہوں اور مجھے بھی اس نے پیدا کیا ہے۔ پس خدا نے ان دونوں میں رشتہ نکاح قائم کیا۔ مختصراً

تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ خدا نے حوا کو کس چیز سے خلق فرمایا؟ آپ نے فرمایا اس بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں؟ راوی کہتا ہے میں نے کہا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی۔ آپ نے فرمایا وہ جھوٹ کہتے ہیں کیا خدا عاجز تھا کہ بغیر پسلی کے اس کو کسی چیز سے پیدا کرتا؟ پھر فرمایا مجھے اپنے آباء طاہرین علیہم السلام سے خبر پہنچی ہے کہ جناب رسولخداؐ نے فرمایا کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے خلق فرمایا اور اس سے جو مٹی بچی اس سے حضرت حوا کو پیدا کیا اور بروایت علل بھی آپ سے اسی طرح منقول ہے کہ حضرت آدمؑ کی بقیہ مٹی سے حوا کو پیدا کیا گیا۔ نیز ایک روایت میں ہے

کہ بائیں پسلی سے جو مٹی بچی تھی حضرت حوّا کو اس سے پیدا کیا گیا۔ فقیہ سے منقول ہے کہ جس روایت میں کہا گیا ہے کہ حضرت حوّا حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی وہ روایت صحیح ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بائیں پسلی سے بچی ہوئی مٹی سے حضرت حوّا کی تخلیق ہوئی۔ بہرکیف جن روایات میں یہ ملتا ہے کہ حضرت حوّا کو حضرت آدمؑ کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ ان کا مطلب یہی ہے جو بیان کیا جا چکا ہے پس اس لحاظ سے خَلَقَ مِنْهَا کا معنی یہی ہوگا کہ اس کی بقیہ مٹی سے حوّا کو پیدا کیا گیا مِنْهَا یعنی مِنْ بَقِيَّةِ تُرَابِهَا اور ابوالاصفہانی کے قول کے مطابق ہوگا مِنْ جِنْسِهَا اور ان دونوں کا مآل ایک ہے۔

سلسلۂ اولاد حضرت آدمؑ

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا ۔ اس مقام پر ایک اور اشتباہ ہے اور وہ یہ کہ حضرت آدمؑ کی اولاد کا بھائیوں اور بہنوں میں نکاح ہوا اور ان سے تمام بنی آدمؑ بالترتیب پیدا ہوئے خاندان عصمت سے بھی اس بارے میں سوالات ہوتے رہے چنانچہ انہوں نے فیصلہ کن جوابات ارشاد فرمائے۔ تفسیر برہان اور تفسیر صافی وغیرہ میں معصومین علیہم السلام سے کافی روایات منقول ہیں حضرت صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ حضرت آدمؑ کی نسل کس طرح بڑھی اور کہا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو وحی کی تھی کہ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کے درمیان رشتۂ نکاح قائم کرے اور یہ تمام انسان بھائی بہنوں کے نکاح کی پیداوار ہیں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا کی تمام برگزیدہ مخلوق نبی رسولؑ ولی اور مومن حرام کی پیداوار ہیں؟ کیا خدا کو قدرت نہ تھی کہ وہ ان کو حلال سے پیدا کرتا؟ حالانکہ تمام مخلوق سے اس نے خود حلال کا عہد لیا۔ خدا کی قسم مجھے بیان کیا گیا ہے کہ کسی حیوان کے سامنے اس کی بہن بُری شکل میں پیش کی گئی جب وہ اس سے جفتی کرنے لگا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ میری بہن ہے تو فوراً اس نے اپنا آلہ اس کی شرمگاہ سے نکال لیا اور غصہ سے اپنے آلہ کو دانتوں سے کاٹ دیا جس سے اس کی موت واقع ہو گئی اور آپ نے فرمایا بعض حیوانات کو اپنی ماں کے ساتھ بھی یہ واقع پیش آیا اور جب حیوانات کی یہ حالت ہے تو انسان اپنی انسانیت اور علم و فضل کے باوجود اس فعل شنیع کا کیسے مرتکب ہو سکتا ہے ہاں لوگوں کے ایک گروہ نے خاندانِ نبوت سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے یہ چیزیں ان لوگوں سے حاصل کیں جن سے لینے کے لئے وہ مامور نہیں تھے جس کے نتیجے میں وہ جہالت اور گمراہی کے اس چکر میں مبتلا ہو گئے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے خلقتِ آدمؑ سے دو ہزار برس قبل لوحِ محفوظ پر قیامت تک کے ہونے والے جملہ احکام ثبت کر دیئے اور اس میں تمام فقہاء عراق و حجاز میں سے کسی کو مجالِ انکار نہیں ہے اور اس بہن بھائی کے نکاح کی حرمت پر بھی قلم قدرت جاری ہو چکی ہے تورات موسیٰؑ پر انجیل عیسیٰؑ پر زبور داؤدؑ پر اور قرآن حضرت محمد مصطفیٰؐ پر نازل ہوا اور ان میں کسی کتاب میں یہ فتویٰ نہیں ہے جو لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ وہ مجوسیوں کے قول کو قوت دیتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ہابیل کو قابیل نے قتل کر دیا تو پانچ سو برس تک حضرت آدمؑ نے حوّا کے قریب جانا چھوڑ دیا اور ہابیل کے غم میں روتے رہے اس کے بعد جب مقاربت ہوئی تو خداوند کریم نے آپ کو شیث عطا فرمایا جس کا نام ہبۃ اللہ ہے اور یہ انسانوں میں پہلا وصی ہے اس کے بعد حضرت کا دوسرا فرزند یافث پیدا ہوا جب یہ جوان ہوئے تو سلسلۂ نسب کو آگے بڑھانے اور بھائی بہنوں کے نکاح سے بچنے کے لئے پہلے خدا نے عصر کے بعد بروز خمیس جنت سے ایک حور بھیجی جس کا نام

برکہ یا نزلہ تھا اور وحی ہوئی کہ اس کا نکاح شیث سے کیا جائے پھر دوسرے روز عصر کے وقت دوسری حور جنّت سے آئی جس کا نام برکہ یا منزلہ تھا اور اس کا نکاح یافث سے ہُوا۔ پھر ان سے سلسلۂ نسل جاری ہُوا اور پہلے بطن میں شیث کا لڑکا اور یافث کی لڑکی ہوئی تھی اور ان کے باہمی نکاح سے نبی و مرسل پیدا ہوئے اور بھائیوں اور بہنوں کا نکاح بالکل غلط ہے اور بے بنیاد بات ہے۔ عیاشی سے ایک روایت منقول ہے کہ حضرت آدمؑ کے چار لڑکے ہوئے اور چاروں حُوروں سے ان کا نکاح ہُوا اور ان سے اولاد ہوئی۔ پھر حُوروں کو اٹھا لیا گیا اور ان کے بجائے قوم جن کی چار عورتوں سے نکاح ہوئے اور نسل اس طرح آگے چلی پس انسانوں میں حلم حضرت آدمؑ سے اور جمال حُوروں سے اور بدعادات قوم جنّات سے آرہی ہیں۔

ایک روایت میں ہے فرزند آدمؑ حضرت ہبۃ اللہ (شیث) کی شادی حور سے ہوئی جس سے چار لڑکے پیدا ہوئے اور حضرت آدمؑ کے دوسرے فرزند کی شادی قوم جن میں ہوئی جس سے چار لڑکیاں پیدا ہوئیں اور پھر آپس میں رشتے کئے گئے اور اولاد بڑھی۔ ایک روایت میں ہے کہ ہبۃ اللہ کے چار لڑکے حور سے ہوئے اور ان چار لڑکوں کے لئے ایک مسلمان جن کی لڑکیاں نکاح میں لائی گئیں اور ان سے اولاد بڑھی بہرکیف جو روایات بھائیوں اور بہنوں کے باہمی نکاح سے متعلق ہیں وہ اسلامی اصول کے ماتحت قابلِ تسلیم نہیں اور مجوسی لوگ چونکہ بھائی بہنوں کے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں لہٰذا وہ اپنے استدلال میں حضرت آدمؑ کی اولاد کے نکاح پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں نے چونکہ خاندانِ عصمت و دودمانِ نبوّت کا دروازہ چھوڑ دیا تو انہوں نے انہی لوگوں کی باتیں اپنی کتب میں داخل کر دیں اور اسی پر عقیدہ جما کر بیٹھ گئے۔

آئمہ معصومین علیہم السلام کی طرف سے منقولہ روایات میں جزوی اختلاف ضرور ہے جو ممکن ہے رواتِ حدیث کے عدم حفظ کا نتیجہ ہو لیکن مجموعی طور پر ان کا آخری مقصد یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی نسل بھائی بہنوں کے نکاح سے نہیں ہوئی بلکہ خدا جو تمام انسانوں کو حلال کا حکم دیتا ہے اور حلال کو پسند فرماتا ہے اس نے ابتدائے آفرینش سے انسان کیلئے حلال کا انتظام فرما دیا تھا اور وہ اس سے قطعاً عاجز نہیں ہے اس بناء پر یہ شبہ کہ پھر انسان کی پیدائش نفسِ واحد سے کیسے ہوئی حالانکہ خدا تو فرماتا ہے کہ تمام انسان نفس واحدہ سے پھیلے اور ان روایات کے ماتحت تو حضرت حوّا اور ان کی بہوؤں کو ملاتے ہوئے نفوس کثیرہ سے نسل کا چلنا ثابت ہوتا ہے تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ عام طور پر اولاد کی نسبت صرف باپ کی طرف ہوا کرتی ہے اور اس سلسلہ میں عورت کو تبعی حیثیت حاصل ہے بنا بریں عرفِ عام کے ماتحت تمام بنی آدم کو صرف باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اس عرف کو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ یا یہ کہ مِن کا معنی ابتداء ہے یعنی انسان کی ابتداء حضرت آدمؑ سے ہوئی ہے۔ صاحبِ تفسیر میزان نے کہا ہے کہ بَثَّ مِنْهُمَا کے لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ بنی آدم صرف ان دونوں سے پیدا ہوئے ہیں اگر نوعِ انسانی کی تکثیر میں کسی اور کو دخل ہوتا تو مِنْهُمَا کا کلمہ تنہا نہ ہوتا بلکہ یوں چاہیئے تھا بَثَّ مِنْهُمَا وَ مِنْ غَيْرِهِمَا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد کی بیویاں خواہ کسی خاندان و قبیلہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ ان کی اولاد ان کے جدِّ اعلیٰ کی طرف بلاشک و شُبہ منسوب ہوا کرتی ہے جیسے تمام ساداتِ بنی فاطمہ کو حضرت علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد کہا جاتا ہے حالانکہ علیؑ و فاطمہؑ علیہما السلام کے شہزادوں کی بیویاں خواہ

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ

اور دو یتیموں کو اپنے مال اور نہ لو خبیث بدلہ میں طیّب کے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے

اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۲ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا

مالوں کے ساتھ ملاکر تحقیق یہ گناہ کبیر ہے اور اگر ڈرو کہ نہ انصاف کرسکوگے یتیموں کے حق میں تو نکاح کرو

دوسرے خاندانوں سے تھیں۔ نیز راسخین فی العلم کی تصریحات کے بعد اس قسم کے وساوس دقیانوسی مواد کا کوئی مقام نہیں۔

اب یہ کہنا کہ زمین پر انسان کی پیدائش صرف اتفاقی ہے یا بقول لامذہب لوگوں کے کہ انسان کی ابتداء بندر سے ہے اور رفتار زمانہ سے ترقی کرکے انسانیت کی نوبت آئی جیسا کہ ایک دشمن اسلام ڈارون کا قول مشہور ہے خداوند کریم نے آیت مجیدہ میں اس کو کھلے لفظوں میں باطل کیا اور خلقتِ انسانی کو اپنا احسان قرار دیا جس سے اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ کو پیش فرماتے ہوئے تمام انسانوں کو تقویٰ کی دعوت دی۔ نوجوانوں کو نئی پود ڈارون جیسے لامذہب دشمن خدا کی باتیں سننے کی بجائے خدائے حکیم کی پراز حکمت کلام سے واقفیت حاصل کریں۔ تاکہ ان کے دلوں سے غلط عقیدت کا زنگ رفع ہو اور نور ایمان سے منور و حلاوت اسلام سے سرشار ہوں جو اپنے آپ کو آدمی کہلاتے ہیں یعنی اولاد آدم ان کیلئے قرآن نصیحت ہے البتہ جو لوگ ڈارون کے ہم عقیدہ ہوکر اپنے آپ کو بندر کی اولاد سمجھتے ہوں وہ قرآن سے کیا استفادہ کریں گے۔ ہم نے اس عقیدہ کو بطلان کیلئے تفسیر کی تیسری جلد ص۲۷ میں وضاحت کی ہے

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ :۔ ارحام کا عطف یا تو بہٖ کی ضمیر مجرور پر ہے جو کہ محلاً منسوب ہے اور یا لفظ اللہ پر ہے اور اِتَّقُوْا کا مفعول ہے پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ڈرو اس اللہ سے جس کا ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو اور ارحام کا واسطہ بھی دیتے ہو جس طرح عرب کہتے تھے اُنْشُدُكَ بِاللّٰهِ وَبِالرَّحِمِ اَنْ تَفْعَلَ كَذَا (تجھے خدا و قرابت کا واسطہ ہے کہ فلاں کام کر دے) اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ڈرو اس اللہ سے جس کا ایک دوسرے کو واسطہ دیتے ہو کہ اس کی اطاعت کرو اور نافرمانی نہ کرو اور ڈرو ارحام کی قطع تعلق سے یعنی قطع رحمی نہ کرو۔ جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ خدا فرماتا ہے میں رحمٰن ہوں اور میں نے رحم کو اپنے نام سے مشتق کرکے اس کا نام رکھا ہے جس نے صلہ رحمی کی اس نے میرے ساتھ رابطہ قائم کیا اور جس نے قطع رحمی کی وہ مجھ سے قطع ہوا۔ صلہ رحمی دو طرح سے ہوتی ہے ایک رشتہ ناطہ ایک دوسرے کا قبول کرنا اور دوسرے بصورت فقر و فاقہ ایک دوسرے کی دستگیری کرنا (مجمع البیان) تفسیر برہان میں ابن شہر آشوب سے مروی ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ یہ آیت محمدؐ و آل محمدؐ کے حق میں اتری ہے اور ارحام سے مراد رسولؐ کے قریبی ہیں کہ ہر سبب و نسب قیامت کے دن منقطع ہوگا۔ سوائے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب و نسب کے (سبب سے مراد جو رسول خداؐ کے دوست و موالی ہیں)

یتیم کے مال کھانے کی ممانعت

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى :۔ حالت بچپنے میں یتیموں کو مال دینے سے مراد یہ ہے کہ نیک نیتی سے ان پر خرچ کرو اور جب بالغ ہو جائیں اور حالتِ رشد کو پہنچ جائیں تو مال

مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا

جو پاکیزہ ہوں تمہارے لئے عورتوں میں سے دو دو تین تین اور چار چار پس اگر ڈرو کہ نہ عدل کر سکو گے

فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ③ وَاٰتُوا النِّسَآءَ

تو ایک یا وہ جس کا مالک ہو تمہارا ہاتھ یہ زیادہ قریب ہے کہ نہ ظلم کرو اور دو عورتوں کو

صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔا مَّرِيْۗـــــًٔا ④

ان کے حق مہر (جو اللہ کا) عطیہ ہیں پس اگر بخوشیٔ نفس تمہیں اس سے کوئی شے دے دیں تو اسے کھاؤ طیب خوشگوار ہے

ان کو واپس کردو اس صورت میں ان پر یتیم کا اطلاق مجازاً ہوگا کیونکہ جناب رسالتمآبؐ کا فرمان ہے لَا يُتْمَ بَعْدَ الْحُلُمِ (جوانی کے بعد یتیمی نہیں رہتی)

وَلَا تَتَبَدَّلُوْا :- اس کے معنی میں کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں صاحب مجمع البیان نے جو معنی پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ یتیموں کے اوصیاء کا دستور تھا کہ یتیموں کا عمدہ اور کھرا مال لے کر اس کی بجائے اپنا ردی اور کھوٹا مال ان کو دے دیتے تھے پس خدا نے ان کو اس سے منع کیا ہے کہ ایسا نہ کیا کرو۔ اسی طرح وہ ان کے عمدہ مال کو اپنے ردی مال سے خلط کرکے پھر مشترکہ کو مل جل کر کھاتے تھے چونکہ اس میں بھی یتیموں کو خسارہ ہے اس لئے خدا نے منع فرمایا کہ اس طرح یتیموں کے مالوں کو اپنے ساتھ ملا کر نہ کھایا کرو۔ ہاں اگر یہ بات نہ ہو اور یتیموں کو خسارہ میں ڈالنا مطلوب نہ ہو تو مال کے ایک دوسرے کے ساتھ خلط یا ملاوٹ میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ جب یہ آیت اتری تو لوگوں پر یہ معاملہ بہت شاق گزرا اور حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں شکایت پیش کی پس حکم ہوا وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ یعنی اگر تم ان کے ساتھ اپنے مال ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور یہی حضرت باقر اور حضرت صادق علیہما السلام سے مروی ہے (مجمع البیان)

وَاِنْ خِفْتُمْ :- اس آیت کے نزول اور ماقبل سے ربط اور معنی کے متعلق کئی اقوال ہیں (۱) عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی یتیم لڑکی کی پرورش کرتا تھا اور اس کے مال و جمال پر دلدادہ ہو کر اس سے نکاح کرتا تو ان کو شان موافق حقِ مہر نہ دیتا تھا پس اس آیت میں ان کو منع کیا گیا کہ ایسا مت کرو بلکہ اگر ان سے نکاح کرو تو ان کو حق پورا دو ورنہ ان کے علاوہ چار تک نکاح میں لا سکتے ہو اور تفسیر علمائے امامیہ میں یہی مروی ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ اس کا اتصال اس آیت سے اس طرح ہے۔ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ فَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا۔ الخ (ترجمہ) آپ سے یہ لوگ عورتوں کے متعلق فتویٰ دریافت کرتے ہیں تو فرما دیجئے کہ اس بارے میں اللہ تم کو فتوے دیتا ہے اور وہ چیز جو تم پر کتاب میں یتیم عورتوں کے متعلق تلاوت کی جاتی ہے جن کو تم پورا حق مہر ادا نہیں کرتے اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کریں پس اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم عورتوں کے متعلق

انصاف نہ کر سکو گے تو باقی عورتوں میں سے چار تک نکاح کر لو (۲) دستور تھا کہ لوگ چار پانچ بلکہ دس تک شادیاں کر لیتے تھے اور کہتے تھے مجھے کیا پرواہ ہے اگر میرا اپنا مال ختم ہو جائے گا تو فلاں یتیم کا مال استعمال کریں گے جو ہمارے پاس پل رہا ہے پس خدا نے منع فرمایا کہ اگر تمہارے پاس اپنے مال میں گنجائش نہ ہو تو بجائے اس کے کہ یتیموں کے مال پر دست درازی کرو۔ نکاح میں تخفیف کرو اور اپنی مالی وسعت کے ماتحت ایک دو تین آخر چار تک شادیاں کر لو۔ (۳) لوگ یتیموں کے مالوں میں احتیاط کرتے تھے لیکن عورتوں میں عدل کی پرواہ نہ کرتے تھے پس حکم ہوا کہ جسطرح یتیموں کے مال کے متعلق پوچھ گچھ کرتے ہو اور یتیموں کے مالوں میں انصاف نہ کر سکنے کا تمہیں ڈر رہتا ہے تو عورتوں کے نکاح کے متعلق بھی عدم انصاف کا خوف کیا کرو اور بصورت خطرہ صرف ایک عورت پر اکتفا کیا کرو (۴) یتیموں کے مال کے ڈر کی وجہ سے یتیم پروری سے گریز کرتے تھے تو حکم ہوا کہ یتیموں کے مال میں عدم انصاف سے ڈرتے ہو تو زناکاری اور بدمعاشی سے بھی تو خوف کرو اور حلال میں حسب استطاعت ایک یا دو یا تین یا چار تک نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ انصاف کر سکو۔

تعدد نکاح فَانْكِحُوا مَا طَابَ :۔ آیت مجیدہ میں مرد کیلئے بصورت استطاعت و امکان انصاف چار تک آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت محمد بن سنان حضرت امام رضا علیہ السلام نے اس کی توجیہ اس طرح فرمائی ہے کہ مرد کے لئے چار تک عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے اور عورت کو ایک سے زیادہ مردوں کی ممانعت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اگر چار شادیاں بھی کرے تو ہر صورت میں بچہ باپ کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اگر عورت کے لئے ایک سے زیادہ مرد جائز ہوں تو معلوم نہ ہو سکے گا کہ یہ بچہ کس کا ہے پس نسب میراث اور تعارف فوت ہو جائیں گے۔ الحدیث۔ قرآن کی تصریح اور تمام اہل اسلام کی کتب احادیث میں روایات حد تواتر تک پہنچتی ہیں کہ مرد ایک سے زیادہ یعنی چار تک بیک وقت نکاح کر سکتا ہے۔ لیکن دور حاضر میں عورت کی آزادی کا تصور اور عورت و مرد کی مساوات کا مسئلہ جو غیر اسلامی تہذیب کی پیداوار ہے اس نے مسلمانوں کی نئی پود کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ جس کی بدولت مغربیت زدہ اذہان قرآنی تعلیم سے روز افزوں دوری اختیار کرتے ہوئے اسلام سے کھلم کھلا بغاوت کرنے پر تُل گئے ہیں اور اپنے خیالات پر جمے ہوئے ہر نظریہ کو اسلام کا نام دینے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور آیات قرآنیہ کی جوڑ توڑ کر کے اپنے نظریہ کو ہر مسلمان پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں اور جناب رسالتمآبؐ کا فرمان بجا ہے بدأ الاسلام غریباً و سیعود غریباً۔ اسلام کی ابتدا بھی غربت سے ہوئی اور اس کی انتہا بھی غربت ہو گی اور سچ ہے کہ جسطرح دور حاضر میں اسلام غربت میں ہے اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا دین عالم غربت میں نہیں ہر دین کے پرستار اس کے قوانین کے محافظ ہیں لیکن اسلام کی پرستاری کا دعویٰ کرنے والے اس کے قوانین کو بگاڑتے اور اپنے من مانے مسائل کو ان کی جگہ رکھنے میں خدمت اسلام سمجھتے ہیں ہم نے مسئلہ زیر بحث کو تفسیر کی تیسری جلد صفحہ پر زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔

اَلَّا تَعْدِلُوْا ۔ یعنی اگر زیادہ عورتوں کے درمیان عدل و انصاف نہ کر سکو تو پھر صرف ایک عورت سے نکاح کرو یا باقی کنیزیں رکھ لو۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے ۔ ایک دفعہ ابن ابی العوجاء کی ہشام بن حکم سے بات چیت ہوئی ۔ ابن ابی العوجاء نے دریافت کیا کہ خدا حکیم نہیں ؟ ہشام نے کہا بے شک وہ حکیم ہے اس نے یہی آیت پڑھی اور کہا کیا عورتوں کے درمیان عدل

کرنا فرض ہے ؟ ہشام نے ہاں میں جواب دیا تو ابن ابی العوجاء نے قرآن کی ایک اور آیت پڑھی وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ (ترجمہ) اور ہرگز تمہاری طاقت نہیں کہ عورتوں کے درمیان عدل کر سکو۔ پس اس نے کہا کیا اس آیت اور اس آیت میں تناقض نہیں ہے ہشام کہتا ہے میں لاجواب ہو گیا اور مدینہ میں پہنچ کر حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا ہشام! نہ حج کا زمانہ اور نہ عمرہ کا وقت۔ کیسے آنا ہوا؟ میں نے ابن ابی العوجاء کا سوال پیش کیا۔ آپ نے فرمایا جہاں عورتوں کے درمیان عدل و انصاف کے قائم رکھنے کا حکم ہے اس سے مراد ہے کہ نان و نفقہ میں ان کے درمیان انصاف قائم رکھو اور جہاں فرماتا ہے کہ تم ان کے درمیان عدل کر سکتے ہی نہیں اس سے مراد ہے کہ تم ان کے درمیان محبت میں مساوات نہیں کر سکتے پس ہشام نے جب یہ جواب ابن ابی العوجاء کو آکر سنایا تو اس نے کہا کہ یہ تیری طرف سے نہیں ہے۔ ایک اور روایت میں ابوجعفر احول اور ایک زندیق کے درمیان یہی سوال وجواب مروی ہیں آج کل جو لوگ تعدد نکاح کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوئے ہیں وہ عدل عدل کی رٹ لگاتے ہیں اور اس سے مفہوم لیتے ہیں محبت میں مساوات حالانکہ جس عدل کا عورتوں کے درمیان قائم رکھنے کا حکم ہے وہ نان و نفقہ میں عدل ہے نہ کہ محبت میں اور یہ تمام مسلمانوں کا مسلمہ فتویٰ ہے۔

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ :۔ یعنی عورت کا مہر دبا لینا غصب ہے اور اس کا کھانا حرام ہے ہاں اگر وہ خود پورا حق مہر یا اس کا کچھ حصہ اپنی خوشی سے واپس دے دیں تو اس کا کھانا طیب و مبارک ہے۔

لطیفہ تفسیر مجمع البیان میں بروایت کتاب عیاشی منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے پیٹ کے درد کی شکایت پس آپ نے دریافت کیا کہ کیا تیری بیوی بھی ہے؟ تو اس نے ہاں میں جواب دیا آپ نے فرمایا اس کے ذاتی مال سے کچھ لے جس کو وہ خود بخوشی و رضا تجھے دے دے اور اس کا شہد خرید کر لے پھر اس میں بارش کا پانی ملا دے اور اس کو پی جا۔ کیونکہ خدا اپنی کتاب میں فرماتا ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا (ہم نے آسمان سے مبارک پانی اُتارا) یہ بارش کے پانی کی تعریف ہے اور شہد کے متعلق فرمایا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ۔ ان کے بطون سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اور اس میں لوگوں کیلئے شفا ہوتی ہے اور عورتوں کے مال کے متعلق فرمایا فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا یعنی بخوشی نفس تمہیں اس میں سے کوئی چیز دے دیں تو اس کو کھاؤ کہ تمہارے لئے طیب اور خوشگوار ہے پس جب برکت شفا اور خوشگوار تینوں چیزیں مل جائیں تو انشاء اللہ تجھے شفا ہو گی۔ اس شخص نے حضرت کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے یہی نسخہ استعمال کیا اور بحکم خدا شفایاب ہوا۔

مسئلہ :۔ بعض لوگوں نے اس آیت مجیدہ سے وجوب نکاح کا حکم استنباط کیا ہے کیونکہ فَانْكِحُوْا امر ہے اور یہ وجوب کیلئے ہوتا ہے لیکن صاحب مجمع البیان نے فرمایا ہے کہ دلیل کے ذریعے ظاہر سے عدول کیا جا سکتا ہے اور دلیل اپنے مقام پر قائم ہو چکی ہے کہ نکاح واجب نہیں (ہاں اگر حرام میں واقع ہونے کا ڈر ہو اور استطاعت بھی ہو تو اس صورت میں واجب ہو گا ورنہ مستحب اور سنت ہے)۔

تعدّد ازواج پر وارد شُدہ اعتراضات اور اُن کے جوابات

چونکہ یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ کان میں ہر نئی آنیوالی بات جاذب طبع اور اہمیّت کے ساتھ معرضِ التفات ہو جایا کرتی ہے اور دُور کے ڈھول سہانے کا فقرہ ایک ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ اسی کے ماتحت مسلمانوں میں مغرب کی طرزِ زندگی کے اثرات زیادہ سے زیادہ جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اس طرف سے اٹھتی ہوئی ہر آواز پر یہ بھی کان دھرنے کو تیار ہیں اور ان کی صفات کو اپنے میں جذب کرنے کے شیدائی ہیں۔ وہ لوگ مجبور ہیں کہ کنسیہ کی طرف سے ان کو ایک سے زیادہ شادی کی اجازت نہیں ملتی پس وہ مدّت سے ایک ہی شادی پر اکتفا کرتے چلے آئے ہیں اور ان کی عورتیں نسلاً بعد نسل اسی نقطہ خیال سے مانوس ہیں بس مرد صرف ایک ہی عورت سے شادی کر سکتا ہے لہذا وہ اسلامی نقطہ نگاہ سے برسرِ پیکار رہتے ہیں اور اپنے اوپر عائد شدہ پابندی کو دوسروں پر ٹھونسنے کے لئے عقلی وجوہات تلاش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلامی قوانین سے باغی کرنے کے حیلے و بہانے بناتے ہیں اور اس کو حریّت و آزادی کا لبادہ دے کر سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے اپنے نظریۂ باطل کی فتح کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ طبقہ کے لوگ انکی اس دجل فریبی کا شکار ہو کر اسلامی فطری قوانین کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر دیتے ہیں چنانچہ اسلامی تعدّد ازدواج کے مسئلہ پر انہوں نے چند اشکالات وارد کئے ہوئے ہیں۔ یہ سوالات و جوابات تفسیر میزان جلد ۴ سے نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اخذ کئے ہیں)

۱۔ تعدّد ازواج کی اجازت صنفِ نازک یعنی عورتوں کے دلوں پر ایک ضرب کاری ہے جس سے ان کے دلوں میں مردوں سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تمدّنی انسان زندگی معرضِ خطر میں آجاتی ہے اور خانگی آسودگی اور خوشحالی بدمزگی سے تبدیل ہو کر خانہ آبادی بربادی سے بدل جاتی ہے اور عورتوں میں مرد کے حق میں خیانت کا جذبہ پیدا ہو کر ازدواجی زندگی کی روح کو ختم کر دیتا ہے۔

۲۔ مردم شماری کے لحاظ سے تقریباً تقریباً عورتوں اور مردوں میں برابری پائی جاتی ہے لہذا فطری تقاضا یہی ہے کہ ایک مرد کے لئے صرف ایک عورت کے ساتھ نکاح جائز ہو۔

۳۔ مردوں کو زیادہ نکاح کی اجازت دینا ان کو شہوت پرستی کی دعوت دینے کے مترادف ہے جو ازدواجی زندگی کی حقیقی رُوح کے منافی ہے۔

۴۔ اجتماعی زندگی میں عورت و مرد انسانیت کے دو اہم حصّے ہیں اور اس سلسلے میں عورت؛ مرد کے ساتھ برابر حصہ دار ہے لہذا مرد کیلئے زیادہ نکاح کی اجازت عورت کی توہین ہے اور اجتماعی زندگی میں اس کے نظر انداز کرنے کی دلیل ہے۔

جواب ۱:۔ اس میں شک نہیں کہ احساسات و جذبات پر مقدار و کیفیّت کے لحاظ سے تربیت و ماحول کا بڑا اثر ہوتا ہے جس طرح عام عادات و رسوم میں ممدوحیّت یا مذمومیّت تربیت و ماحول کے ماتحت ہوا کرتی ہے چنانچہ ایک قوم و علاقہ کی ممدوح رسم دوسرے ماحول میں مذموم شمار ہو جاتی ہے پس اسلام نے عورت کے لئے جو فرائض و احکام تجویز کئے ہیں اگر عورت انہی تعلیمات

کے ماتحت پروان چڑھے تو کوئی وجہ نہیں کہ کسی اسلامی حکم کو وہ بارِ خاطر سمجھے یا اس کا اس کی طبیعت پر بُرا اثر پڑے ہاں مغربی عورتیں چونکہ مدت مدید سے اسی طرزِ عمل کو دیکھتی آئی ہیں کہ ایک مرد کے لئے صرف ایک ہی عورت ہوتی ہے پس ان کا ماحول ان کیلئے تعدد ازدواج کا مسئلہ ایک ناقابلِ برداشت بوجھ کی شکل میں ظاہر کرتا ہے اور اس کو فطرت و طبیعت سے کوئی واسطہ نہیں ورنہ ان کے متمدن طبقہ میں زن و مرد کا آزادانہ اختلاط مذموم ہوتا۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان کے مرد جنسی میل جول میں صرف ایک عورت پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہزار میں سے کبھی ایک مرد بمشکل زنا سے محفوظ ہوگا اور اس سے بھی ان کی شہوت کی تسکین نہیں ہوتی اور عورتوں سے تجاوز کرتے ہوئے لواطت کی طرف بھی قدم بڑھا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ برطانیہ کی پارلیمنٹ میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ لواطت کو قانونی جواز کی شکل دی جائے جبکہ غیر قانونی طور پر یہ وبا ہمہ گیری تک پہنچ چکی تھی اور عورتوں میں خصوصاً بے شوہر نوجوان لڑکیوں میں تو آزادانہ اختلاط کی جو روایات ہیں بس توبہ ہی بھلی۔

کیا اس آزادانہ شہوت پرستی سے ان عورتوں کی نہ دل شکنی ہوتی ہے اور نہ ان کی طبیعت پر کسی قسم کا بوجھ پڑتا ہے نہ وہاں عورت کی رگِ حمیت پھڑکتی ہے اور نہ مرد کو احساس پیدا ہوتا ہے کہ مرد کے لئے صرف ایک عورت اور عورت کے لئے صرف ایک مرد کافی ہے اس سے تجاوز کرنا دوسروں کی حق تلفی ہے لیکن یہ بے راہ روی چونکہ ان کے ماحول میں داخل ہے لہذا اس سے تاثر نہیں ہوتا اور چونکہ اسلامی قانون اور اس کے عمل سے ان کا ماحول بیگانہ ہے لہذا یہ موجب دل شکنی بھی ہے اور منافی مساوات بھی اور اجتماعی زندگی کے خلاف بھی۔ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ آزادانہ ہوس پرستی اور شہوت رانی تمدنِ انسانی سے کیا نسبت رکھتی ہے اور اس کا خانگی خوشحالی سے کیا واسطہ ہے کیا یہ صورت تو خیانت کے جذبہ کے لئے موجب نہیں بنتی؟

جواب ۲: مردم شماری کے لحاظ سے اگر تسلیم کرلیں کہ عورتوں اور مردوں کی تعداد برابر ہے تاہم عورتوں کی قابلِ نکاح تعداد بالغ مردوں سے ہمیشہ زیادہ ماننی پڑتی ہے کیونکہ گرم ممالک میں عورت نو برس سے اوپر جوان ہو جاتی ہے اور سرد ممالک میں ۱۱ یا ۱۲ سال کی عورت تو بالعموم قابل شادی ہوجایا کرتی ہے اور مرد پندرہ یا سولہ سال تک عموماً جوان ہوجاتے ہیں۔ فی الحال صرف سولہ سالوں کا حساب لگاتے ہیں۔ فرض کیجئے سولہ سال کے دوران میں لڑکے اور لڑکیاں مساوی تعداد میں پیدا ہوتے رہے تو اس مدت کے بعد جب ہم جائزہ لیں گے تو لڑکے صرف وہی قابلِ نکاح ہوں گے جو پہلے سال پیدا ہوئے تھے لیکن لڑکیاں چونکہ زیادہ سے زیادہ بارہ سال کی جوان ہوتی ہیں لہذا پہلے سال سے چوتھے سال تک کی پیدا ہونے والی لڑکیاں سب بالغ ہوں گی یعنی ایک سال کے پیدا شدہ لڑکوں کے مقابلہ میں چار سالوں کی پیدا شدہ لڑکیاں قابل شادی ہوجایا کرتی ہیں اس لحاظ سے بھی ایک اور چار کی نسبت رہتی ہے اور یہ نسبت ہم نے کم از کم لگائی ہے ورنہ گرم ممالک کے لحاظ سے جہاں سال سے لڑکی جوان ہو جاتی ہے جیسا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے تو نسبت اور بڑھ جائے گی کیونکہ فرض یہ ہے کہ پیدائش میں عورت اور مرد مساوی ہیں۔

نیز عورت میں سلسلہ تولید و تناسل زیادہ سے زیادہ عموماً پچاس سال تک ہوتا ہے اور مرد اس سے زیادہ عمر میں بھی سلسلہ تولید کے قابل ہوتے ہیں تو دریں صورت مرد کو صرف ایک عورت پر پابند کرنا اس کی فطری حق سلبی ہے

نیز اسباب موت بہ نسبت عورتوں کے مردوں کے لئے زیادہ ہیں کیونکہ جنگ و دفاع کے زمانہ میں مردوں کی خاصی تعداد لقمہ اجل ہو جاتی ہے اور عورتیں اس فریضہ سے سبکدوش ہیں۔ پس اگر مرد کیلئے صرف ایک نکاح کی اجازت ہو تو بہت سی عورتیں اجتماعی زندگی سے محروم کر دی جائیں گی اور بہر صورت مرد و عورت کی عددی مساوات کو تو اس وقت بصورت اعتراض پیش کیا جا سکتا ہے جب یہ کہا جائے کہ مرد کے لئے چار عورتوں سے نکاح کرنا واجب ہے حالانکہ شریعت اسلامیہ نے قطعاً وجوب کا فتوے نہیں دیا بلکہ یہ اس صورت میں ہے کہ مرد چار عورتوں کے نان و نفقہ کی طاقت رکھتا ہو۔ اور ان میں عدل و انصاف کر سکنے پر قادر ہو تب اس کو صرف اجازت ہے کہ چار تک نکاح کرے۔

جواب ۳:- عورت کی تربیت اگر اسلامی ماحول میں ہو اور پردہ عفت اور حیاء کی اُسے پوری تعلیم دی جائے تو اس کی شہوت نکاح یقیناً صرف ایک مرد سے پوری ہو سکتی ہے اور قطعاً وہ آمادہ زنا نہیں ہو سکتی۔ لیکن بخلاف اس کے مرد میں جو فطری جذبۂ شہوت موجود ہے وہ بالعموم ایک عورت پر بمشکل قناعت کرتا ہے اگر اس کے لئے حلال کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ یقیناً حرام کی طرف للچاتا ہے اور تکمیل شہوت کے لئے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ نیز عورت میں ہر ماہ عارضۂ حیض ضروری ہے اس کے علاوہ ایام حمل و رضاع کہ ان میں وہ جنسی تعلقات سے بے نیاز رہتی ہے اگر مرد کے لئے صرف ایک عورت کی پابندی ہو تو وہ اس زمانہ میں یقیناً اپنے فطری جذبات کی تسکین کے لئے بے راہ روی پر آمادہ ہوگا۔ پس ان تمام وجوہ کے پیش نظر اسلام نے مرد کو ایک سے زیادہ اور آخر چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے تاکہ کسی طرح بے راہ روی اور آزادانہ اختلاط کا رستہ مسدود ہو۔

حیرت کی بات ہے کہ اگر مرد کو ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت دی جائے تو اس میں شہوت پرستی کی تعلیم ہے۔ لیکن دوسری طرف سنیماؤں، کلبوں، ناچوں اور ریڈیائی گانوں میں عورتوں کو ہی پیش پیش رکھا جاتا ہے۔ ان میں مغربیت زدہ افکار کو کبھی یہ سوچنے کی ضرورت تک محسوس نہیں ہوئی کہ کیا ان صورتوں میں مردوں کو شہوت رانی کی دعوت نہیں؟ اگر مردوں کی شہوت کے خلاف جہاد کرنا ہے تو صرف قرآنی اصول سے برسرپیکار ہونے کی بجائے پہلے اس قسم کے اسباب شہوت رانی کا قلع قمع کیا جائے مرد و عورت ہر طرح کی آوارگی کا مظاہرہ کریں اور جذبات و خواہشات کی تسکین کے لئے ہر قسم کی رنگ رلیاں منائیں تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی لیکن جب اسلام ایک تنظیم کے ماتحت اسی جذبۂ شہوانی کی تکمیل کے لئے ایک ضابطہ مقرر کر دے تاکہ فطری حقوق بھی پامال نہ ہوں اور آوارگی بھی انسانیت کے وقار پر حملہ آور نہ ہو تو اس کے خلاف علم بغاوت کھڑا کیا جاتا ہے اور بعض منصف طبع عیسائی اس امر کا اعتراف رکھتے ہیں کہ مسیحی مذاہب میں زنا اور بدکاری کا ہمہ گیر طوفان صرف اس لئے ہے کہ کنسیہ کی طرف سے ایک سے زیادہ نکاح کی مردوں کو ممانعت ہے۔

جواب ۴:- ہم نے تفسیر کی تیسری جلد ص۹۵ میں نسوانی زندگی پر اسلام کا احسان کے موضوع کے تحت میں ایک مبسوط بیان لکھا ہے جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ عالم کے تمام مذاہب و ملل میں سے کسی مذہب و ملت میں عورت کے احترام و وقار کو کوئی مقام نہیں دیا گیا جسطرح کہ ملت حقۂ اسلامیہ نے دیا ہے اور مرد کیلئے متعدد نکاحوں کی اجازت قطعاً عورت کے وقار کے منافی نہیں حتّٰی کہ اہل

مغرب کے سنجیدہ طبقہ نے بھی اسلام کے اس قانون کو بنظرِ استحسان دیکھا ہے اسلام نے عورت کو پردہ داری عفت وحیا کا درس دے کر اس کے وقار کو اس قدر بلند کیا کہ تمام اقوام عالم اس سے محوِ حیرت ہیں۔ ہر مرحلہ میں عورت کا مرد کے دوش بدوش ہونا اور بے پردہ یا نیم عُریاں لباس میں بازاروں کی سیر کرنا۔ یہ عورت کا وقار نہیں اور نہ اس میں حقوقِ نسوانی کی پاسداری ہے بلکہ درحقیقت فطرت سے کھلی ہوئی بغاوت ہے۔

تعدّد ازدواج کے مسئلہ کو عورت کے وقار کے منافی سمجھنے والے سنیماؤں، کلبوں اور برہنہ رقصوں میں عورت کے کردار کو اس کے وقار کے منافی کیوں نہیں قرار دیتے۔ کیا عورت خود یہ نہیں سمجھتی کہ ان جیسے مقامات میں اس کا پیش ہونا مردوں کی تکمیل ہوس کیلئے نشانہ بننے کے مترادف ہے۔ تمام موجودہ متمدّن ممالک اور اپنے تئیں تہذیب یافتہ کہلوانے والے عورت و مرد کے نوعی لباس کا ذرا جائزہ لیں۔ مردوں کا لباس سر تا پا ہو اور جسم کا کوئی حصہ ننگا نہ ہو اور عورتوں کے لئے نیم برہنہ لباس اور وہ بھی برائے نام اسی کی پوزیشن میں داخل ہو۔ بالکل چست و مختصر لباس عورت کے ترقی یافتہ ہونے کی دلیل سمجھی جائے کیا یہ بات عورتوں کے وقار پر ضرب کا باعث نہیں۔ ہاں مغرب زدہ لوگ اہلِ مغرب کی فریب کاریوں کے جال میں اس بُری طرح پھنسے ہیں کہ ان کے ہر قول وفعل کی اقتدار کو تہذیب اور ان کے نظریہ سے ہر بیگانی چیز کو خلافِ تہذیب و منافئ وقار خیال کرتے ہیں۔

بہر کیف تعدّد ازدواج کے مسئلہ پر وارد شدہ اعتراضات بالکل بے ہودہ ولغو ہیں اور من مانی تاویلیں خلاف منشاء توحید ہیں۔ خداوند کریم نے مرد کے لئے حسبِ استطاعت بشرط عدل و انصاف ایک سے لے کر چار تک نکاح کرنے کی اجازت دی ہے اور شرعی قانون تا قیامت ناقابلِ ترمیم و تنسیخ ہے لہٰذا اس کے خلاف آواز اٹھانا مفت کی ہنگامہ آرائی ہے جو شرعی فیصلے کو ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہیں کر سکتی۔

فعلِ رسولؐ پر اعتراض کا جواب

دشمنانِ اسلام نے تعدّد ازدواج کے مسئلہ پر ہنگامہ آرائی کر کے جہاں ایک طرف مغربی آوارگی اور زن و مرد کے آزادانہ اختلاط پر مسلمانوں کی نئی پود کو آمادہ کرنے کی کوشش کی وہاں دوسری طرف جناب رسالتمآبؐ کی قداست و علوِشان پر حملہ کر کے انہیں اسلام اور بانئ اسلام سے بیزاری کی دعوت کی جرأت بھی کی چنانچہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نو شادیوں پر زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ فعل کسی نبی کی شان نہیں کیونکہ یہ صرف شہوت پرستی ہے جس سے ساحتِ نبوت کو پاک و منزہ ہونا چاہیئے اور اسلامی تعلیم اور سیرتِ نبوی سے ناآشنا مسلمان ان کے اس دامِ تزویر میں آگئے اور انہوں نے بھی ایسا کہنا شروع کر دیا چنانچہ میں نے خود ایک اچھے خاصے مسلمان کو یہ کہتے ہوئے سُنا ہے۔

جواب:- تعدّد ازدواج کے مسئلہ سے جب استعجاب کا پردہ اٹھا دیا گیا اور یہ ثابت ہوا کہ مرد کے لئے تعدّد ازدواج اس کا فطری حق ہے اور اس میں نہ عورت کی حق تلفی ہے اور نہ کوئی دوسری خرابی اس سے پیدا ہونے کا خدشہ ہے تو پھر فعلِ رسول پر نقد و جرح کا کوئی محل ہی نہیں رہتا ہاں ان کے لئے نو تک جائز ہونا اور اُمت کے لئے چار تک کی حد بندی یہ ان کے خواص

میں داخل ہے جس طرح اس کے علاوہ ان کے لئے اور خواص بھی ہیں۔

علاوہ ازیں سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی کثرت ازواج بعض اہم مصالح کی بنا پر تھیں جن میں شہوت و ہوس کا کوئی ذرہ بھر بھی داخل نہیں۔ تاریخ رسالتؐ اور سیرت نبویؐ کے مطالعہ کے بعد یہ باتیں خاص طور پر ہر خاص وعام سمجھ سکتا ہے۔

۱۔ آپ نے عین شباب کے عالم میں حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ سے شادی کی جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی اور ہجرت کے وقت تک آپ نے دوسری کوئی شادی نہیں کی۔ اپنے سے بڑی عمر کی عورت سے شادی کرنا اور زندگی کا وہ حصہ جس میں خواہشات و جذبات کا وفور ہوتا ہے یعنی شباب کا زمانہ اسی پر گذار دینا اس سے ہر خاص وعام سمجھ سکتا ہے کہ حضورؐ کا مطمح نظر تکمیل ہوس نہ تھا۔

۲۔ ہجرت کے بعد دوسری شادیاں کیں جب کہ آپ کی عمر شریف ۵۲ سال یا اس سے اوپر تھی۔ کنواری عورت سے بھی اور بیوہ سے بھی۔ جوان عورتوں سے بھی اور بوڑھی عورتوں سے بھی۔ اب ان حالات کے پیش نظر کون صاحب عقل سلیم کہہ سکتا ہے کہ یہ شہوت پرستی تھی۔

۳۔ جو شخص عورتوں کا دلدادہ ہوتا ہے وہ جمال وجوانی کو خاص طور پر ملحوظ رکھا کرتا ہے اور جب آپ کی سیرت پر نظر پڑتی ہے تو ان باتوں میں کوئی بات بھی نظر نہیں آتی۔ آپ نے کنواری عورت سے شادی کرنے کے بعد بیوہ سے شادی کر لی اور جوان کے بعد بوڑھی عورت کو شرف زوجیت بخشا۔ ام المومنین ام سلمہؓ سے شادی کی جبکہ وہ کافی سن رسیدہ تھی اور زینب بنت جحش سے نکاح کیا جبکہ ان کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی۔ حالانکہ ان سے پہلے حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ آپ کے نکاح میں آچکی تھیں تو کیا شہوت پرستی اور ہوس رانی اسی کو کہتے ہیں؟ یہ زینب آپ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی لڑکی تھی۔ اس کا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا تھا لیکن باہمی تنازعہ کی وجہ سے زید نے اسکو طلاق دے کر آزاد کیا تھا پس آپ نے بحکم خدا اس سے شادی کر لی تاکہ حرمت کا شبہ اٹھ جائے۔

۴۔ ارشاد قدرت ہوا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا۔

سورہ احزاب پارہ ۲۱ آخری رکوع۔ ترجمہ: اے نبی اپنی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم زندگی دنیا اور اس کی زینت کی خواہش رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دیکر آزاد کرتا ہوں اور اگر تم اللہ و رسول اور روز قیامت کی خیر مناتی ہو تو خدا نے نیک کام کرنے والوں کیلئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ خداوند کریم کے اس فرمان کے بعد آپ نے عورتوں کو ان دونوں باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے خدا و رسولؐ کو چن لیا۔ اس سے منصف مزاج خود اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا شہوت پرست انسان بھی کبھی اپنی عورتوں کو اختیار دیا کرتا ہے۔

دعوت نظر و فکر

اب ان تصریحات اور نتائج کے بعد تحقیق طلب اور حق بین نگاہیں حضورؐ کی کثرت ازواج کو شہوت پرستی پر قطعاً محمول نہیں کر سکتیں بلکہ ان کے لئے الگ مصالح تلاش کرنے پر مجبور ہوتی ہیں چنانچہ ان کی

نوعیت بھی الگ الگ ہے۔ اور بعض عورتوں سے تو اس لئے شادی کی کہ قوم و قبیلہ کے لحاظ سے قوت و توانائی حاصل ہو۔
۲۔ بعض شادیاں بعض لوگوں کے فتنہ و فساد کے خطرہ سے کیں۔ تاکہ اس ذریعہ سے ان کو اپنی طرف مائل کیا جا سکے اور ان کا فتنہ کم ہو
۳۔ بعض عورتوں کو حبالۂ نکاح میں صرف اس لئے لیا کہ ان کا سرپرست کوئی نہ تھا جو ان کے نان و نفقہ کا بندوبست کرتا پس
امت میں ایک سنت قائم کی کہ اس قسم کی لاوارث بیواؤں کو نظرانداز نہ کیا جائے۔
۴۔ اور بعض عورتوں سے شادی صرف ایک غلط رواج کو توڑنے کیلئے کی جیسا کہ زینبؓ سے شادی جبکہ زید نے اس کو طلاق دے دی تھی
اور زید آپ کا متبنّٰی تھا اور عرب میں متبنّٰی کی عورت سے شادی کرنا قبیح سمجھا جاتا تھا چنانچہ قرآن مجید نے خود اس کا تذکرہ فرمایا۔
۵۔ اور بعض عورتوں سے شادی ان کے وقار و ناموس کے برقرار رکھنے کے لئے کی (علیٰ ہذا القیاس)
۱۔ آپ نے خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد پہلی شادی حضرت سودہ بنت زمعہ سے کی۔ حبشہ کی دوسری ہجرت سے واپسی کے
بعد جبکہ یہ بیوہ ہو چکی تھی۔ یہ مومنہ مہاجرہ تھی اگر واپس میکے جاتی تو اسے کفر پر مجبور کیا جاتا اور دوسرے مومنین و مومنات کی طرح یہ
بھی طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوتی (بروایت بحار ج۶ اس کا سابق شوہر حبشہ میں ہی نصرانی ہو گیا تھا اور وہاں ہی اس کی وفات ہوئی تھی۔)
۲۔ صرف حضرت عائشہ بنت حضرت ابوبکر سے مدینہ میں تشریف آوری کے سات ماہ بعد اس کے باکرہ ہونے کی حالت میں شادی کر لی
۳۔ خنیس بن حذافہ کے جنگ بدر میں قتل ہو جانے کے بعد اس کی بیوہ حفصہ بنت عمر سے شادی فرمائی۔
۴۔ عبداللہ بن ابی سلمہ جو آپ کا پھوپھی زاد تھا کی وفات کے بعد اس کی بیوہ ہند جس کی کنیت ام سلمہؓ ہے سے ۲ھ میں شادی
کی یہ شخص حبشہ کی طرف پہلا مہاجر تھا۔ اور ام سلمہ نہایت زاہدہ فاضلہ تھی اور سن رسیدہ ہونے کے علاوہ یتیموں کی ماں تھی۔
۵۔ جنگ احد کے بعد زینب بنت خزیمہ سے آپ نے شادی کی یہ عورت مسکین پرور تھی یہاں تک کہ اسے ام المساکین کہا جاتا تھا پس آپ
نے اس کے وقار و حرمت کی بحالی کے پیش نظر اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ (میزان)
۶۔ ام حبیبہ جس کے نام رملہ بنت ابوسفیان ہے اس نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ کی تھی۔
لیکن وہاں اس کا شوہر نصرانی ہو گیا تھا اور یہ ثابت قدم رہی تھی اس کا باپ وہ ہے جو اسلام کے خلاف تمام ہنگامہ آرائیوں میں پہلا حصہ دار
ہوتا تھا آپ نے مصلحت کے پیش نظر اس کو ۶ھ میں حبالۂ نکاح میں داخل فرما لیا۔
۷۔ اسی طرح آپ نے میمونہ جس کا نام برہ بنت حارث ہلالیہ ہے سے شادی کی جس نے بیوہ ہونے کے بعد اپنا نفس حضور کو ہبہ کر دیا
تھا اور قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے (میزان) (یہ رشتہ حضرت جعفر طیار کے ایماء سے ہوا ۷ھ میں) بحار الانوار
۸۔ صفیہ بنت حی بن اخطب سے شادی کی اس کا باپ یہودی تھا جو غزوہ بنی نضیر میں قتل ہوا اور اس کا شوہر جنگ خیبر میں مارا گیا یہ اسیر
ہو کر آئی آپ نے اسے آزاد کر کے اس کے سابق شرف کی بحالی کے لئے خود اس کو اپنی زوجیت میں داخل فرما لیا ۷ھ
۹۔ بنی مصطلق کے سردار کی لڑکی جویریہ سے جس کا نام برہ بنت حارث تھا غزوہ بنی المصطلق کے بعد مسلمانوں نے ان کی عورتوں اور
بچوں کو اسیر کر لیا تھا۔ جب آپ نے جویریہ سے شادی کر لی تو مسلمان کہنے لگے یہ رسولؐ کے سسرال ہو چکے ہیں۔ لہذا ان کی اسیری مناسب

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

اور نہ دو بیوقوفوں کو اپنے وہ مال کہ کیا ہے ان کو اللہ نے تمہارے لئے موجب گذران اور خوراک دو ان کو

فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى

اس میں اور کپڑا دو اور کہو ان کو نیک بات اور آزماؤ یتیموں کو یہاں تک

نہیں ہے۔ پس سب کو آزاد کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں پورا قبیلہ بنی مصطلق مسلمان ہوگیا اور پورے عرب پر اس کا اچھا اثر پڑا۔

اب ان حالات وخصوصیات کے پیشِ نظر کون کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ کی کثرتِ ازواج صرف شہوت رانی کی خاطر تھیں۔ بلکہ صاف پتہ چلتا ہے کہ ان میں مقامی و وقتی طور پر ایسی مصالح کارفرما تھیں جن کے ماتحت آپ کا ان سے شادی کرنا ناگزیر تھا اور دینِ اسلام کی اسی میں خیر و بہتری تھی اور تمام عورتوں کو زہد کا درس دینا اور ترکِ زینت پر آمادہ کرنا تو صاف ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کی اغراض صرف آخرت سے وابستہ تھیں ورنہ اگر شادی کی ظاہری اغراض پیشِ نظر ہوتیں تو عورتوں کو بجائے ترکِ زینت کے ان کے لئے اسباب زینت فراوانی سے میسر کئے جاتے جب کہ آپ روحانی سلطنت کے علاوہ ظاہری سلطنت کے بھی فرمانروا ہو چکے تھے۔

یہ بحث اگرچہ موضوع سے خارج تھی لیکن کثرتِ ازواج کے مسئلہ سے اس کو کافی ربط تھا اس لئے اس مقام پر اس کا بیان کرنا خالی از فائدہ نہیں لہٰذا مختصر الفاظ میں اسے سمجھانے کی کوشش کی گئی امید ہے مومنین کرام کو اس کے مطالعہ سے اچھا خاصا علمی فائدہ ہوگا۔ یہ بحث بھی تفسیر میزان جلد چہارم سے مختصراً نوٹ کی ہے۔

بے عقل پر کنٹرول

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ ۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ مطلقاً کم عقل اور بے وقوف کو مال کے خرچ کا مختار نہ بناؤ خواہ یتیم ہو یا غیر یتیم خواہ اپنا لڑکا ہو یا کوئی دوسرا بے عقل انسان اور بعضوں نے اس سے مراد لیا ہے کہ عورتوں کو مال کا ذمہ دار نہ بناؤ اور سفہاء سے مراد اس مقام پر عورتیں ہیں۔ نیز روایات میں شرابی پر بھی سفیہ کا اطلاق ہوا ہے یہاں مطلب یہ ہے کہ بیوقوفوں کو ایسے مالوں کا ذمہ دار نہ ٹھہراؤ جن مالوں سے تمہاری گذران چل رہی ہے کیونکہ وہ اسے ادھر اُدھر کرکے برباد کردیں گے اور تم دوسروں کے دست نگر ہو جاؤ گے پس تم پر لازم ہے کہ ان کو اپنے ہاتھ سے روٹی کپڑا دیتے رہو اور ان سے سخت کلامی بھی نہ کرو۔

لطیفہ

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت حبشیہ جو خوب باتیں کرسکتی تھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ کہنے لگی یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کبھی کوئی بات تو ہمارے حق میں بھی اچھائی کی فرما دیجئے۔ کیونکہ میں تو سنتی ہوں کہ آپ ہمیں ہمیشہ برائی سے یاد فرمایا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ کیسے۔ کہنے لگی آپ ہمیں بے وقوف کہتے ہیں فرمایا یہ نام تمہیں خدا نے دیا ہے اس نے کہا آپ ہمیں ناقص کہتے ہیں۔ فرمایا کیا یہ نقص نہیں کہ تم ہر ماہ میں چند دن نماز کے قابل نہیں رہتیں لیکن تمہاری فضیلت اور تمہارے درجہ کے لئے کافی ہے کہ جب عورت حاملہ ہو تو اسے اللہ کی راہ میں مرابطہ کرنے کا ثواب ملتا ہے جب عورت کا بچہ پیدا ہو تو اسے

إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ

کہ جب پہنچیں جوانی کو تو اگر دیکھو ان سے دانائی تو واپس دے دو ان کو ان کے مال

أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ كَانَ

اور نہ کھاؤ ان کو فضول خرچی اور جلدی سے کہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں اور جو دولتمند ہو تو

غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا

اسے بچا رہنا چاہیے اور جو تنگدست ہو تو اسے کھانا چاہیے ساتھ نیکی کے پس جب

دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ⑥

واپس دو ان کو ان کے مال تو گواہ قائم کرلو ان پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا

شہید کا درجہ ملتا ہے جب بچہ کو دودھ پلائے تو ایک ایک گھونٹ کے بدلہ میں اسے اولاد اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ جب بچے کی حفاظت کے لئے شب بیداری کرے تو ہر بیداری کے عوضے میں اسے اولادِ اسمٰعیل میں سے ایک غلام کے آزاد کرنے کا درجہ ملتا ہے۔ لیکن یہ درجات ان مومنہ عورتوں کے لئے ہیں جو خشوع اور صبر کرنے والی ہوں یہ سُن کر وہ حبشی عورت کہنے لگی۔ درجہ تو بہت بڑا ہے لیکن کاش یہ شرطیں نہ ہوتیں۔

تفسیر برہان :۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص کو معلوم ہو کہ میری عورت بیوقوف ہے یا لڑکے کے متعلق معلوم ہو کہ بے عقل ہے تو اسے اپنے مال پر مسلط نہیں کرنا چاہیئے جس پر اس کی معاش کا دارو مدار ہے اور آپ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا۔

(۲) جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ شرابی کے قول کی تصدیق نہ کرو۔ اس سے رشتہ نہ کرو۔ اس کی عیادت کو نہ جاؤ۔ اس کے جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ اس کو امانت پر امین نہ بناؤ۔ اگر اسے امین بنایا تو اس کو نہ اجر دیا جائے گا اور نہ اس کی ذمہ داری خدا پر عائد ہوگی کیونکہ اس نے فرما دیا ہے کہ بے وقوفوں کو مال نہ سونپو اور شرابی سے زیادہ بیوقوف کون ہے ؟

(۳) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو مال دے کر یمن کی طرف بغرضِ تجارت روانہ کرنے کا ارادہ کیا تو امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ اے فرزند تجھے یہ پتہ نہیں کہ وہ تو شراب پیتا ہے۔ میں نے عرض کی۔ ابا جان ! لوگ تو کہتے ہیں آپ نے فرمایا ایسی صورت میں یہ اقدام نہ کرو کیونکہ ایسے فعل کی ذمہ داری خدا پر نہیں ہے اگر نقصان ہو جائے تو اس بارے میں خدا دعا قبول نہیں کرتا کیوں کہ اس نے منع فرمایا ہے کہ بے وقوف کو مال کا امین یا ذمہ نہ بنایا جائے اور شرابی سے زیادہ بیوقوف اور کون ہو سکتا ہے ؟

اقول :۔ روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق عام افواہ اس قسم کی ہو تب بھی اپنے مال کی حفاظت کے پیشِ نظر

اس سے گریز کرنا چاہیے۔ نیز اسی قسم کی روایت حضرت امام جعفر صادقؑ کے فرزند اسمٰعیل کے متعلق بھی ہے۔ چنانچہ ان کا مال نقصان ہوگیا اور پھر حضرت صادق علیہ السلام نے اس کو اس پر بد دعا سے منع فرمایا اور کہا کہ اب یہ بد دعا بے محل ہے۔

۴۔ عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت جعفر صادقؑ علیہ السلام نے فرمایا کہ سفیہ سے مراد ہر وہ شخص ہے جو قابلِ وثوق نہ ہو۔

۵۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہر نشہ کی چیز استعمال کرنے والا شخص سفیہ ہے پس اسے مال کی ذمہ داری سپرد نہ کرنی چاہیے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى :- یعنی یتیم جب بالغ اور رشید ہو جائیں تو ان کو اپنے مال واپس کر دیئے جائیں۔ بلوغ کی علامتیں مرد کے لئے ہمارے علماء کے نزدیک پندرہ برس کی عمر احتلام یا زیرِ ناف بالوں کا اُگ آنا ہے اور رشد سے مراد یہ ہے کہ وہ سمجھدار ہو اور اپنے مال کی نگہبانی کر سکتا ہو۔

یتیم کے مال کی حفاظت

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا :- مقصد یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس یتیم کا مال موجود ہے اور اس کے اپنے گذارہ کے لئے اس کا اپنا مال کافی ہے تو پھر یتیم کے مال کے کھانے سے گریز کرے لیکن اگر ایک شخص خود تنگدست ہے کہ اپنے مال سے اپنا گذارہ نہیں کر سکتا اور یتیم کے مال کی حفاظت کے لئے اس نے اپنا وقت وقف کیا ہوا ہے تو اسے نیکی اور انصاف سے اسی قدر اس میں سے کھانا جائز ہے جو اس کی مزدوری کا حق ہے نہ اس میں فضول خرچی کرے اور نہ ایسے تصرفات کرے جو زائد از ضرورت ہیں، یتیم کے مال میں غلط تصرف کر کے اس کی مزدوری لینا بھی جائز نہیں جبکہ اسے معلوم ہو کہ یہ خود بڑا ہو کر ایسا کرنے پر راضی نہ ہوگا۔ چنانچہ آیتِ مجیدہ میں اس کی صریح ممانعت موجود ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص یتیم کے مال کی نگہداری کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے لئے علیحدہ مزدوری نہیں کر سکتا تو وہ بتقاضائے انصاف اس سے خود کھا سکتا ہے لیکن اگر یتیم کا مال برداشت نہ کر سکے تو محافظ کو اس میں سے کچھ لینے سے بچنا چاہیے۔

امام جعفر صادقؑ اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام سے مروی ہے کہ اگر ایک شخص یتیم کے مال کی اصلاح اور نگاہ داری میں مشغول ہے اور خود بھی محتاج ہے تو وہ بقدرِ حاجت اس سے لے سکتا ہے لیکن اگر یتیم کے مال کی حفاظت اسے اپنے کاروبار سے رکاوٹ کی موجب نہ بنے تو اسے یتیم کے مال میں سے کچھ نہ لینا چاہیے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص یتیم کی زمین یا چوپائے وغیرہ کی حفاظت میں اپنا وقت لگائے تو اس میں سے خود بقدرِ حاجت کھا سکتا ہے لیکن اس کی نقدی یعنی درہم و دینار کی حفاظت کے بدلہ میں وہ کچھ نہیں لے سکتا (کیونکہ اس میں اس کا وقت صرف نہیں ہوتا) برہان

علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ جو شخص خود محتاج و فقیر ہے تو یتیم کے مال کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں خود بقدرِ حاجت کھا سکتا ہے لیکن نیت قرض کی کرے اور اس کے جوان ہونے کے بعد اس کو اپنا قرض واپس ادا کرے اور یہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ مجمع البیان

فَاِذَا دَفَعْتُمْ :- یعنی جب یتیم بالغ و رشید ہو جائے تو اسے اپنا حق واپس کر دیا جائے لیکن گواہ بلا لینے ضروری ہیں۔ تاکہ بعد میں جھگڑا و فساد کی نوبت نہ آئے۔ یہ تدبیر منزل کے لئے وہ اہم قوانین ہیں جن کی اتباع کرنا دین و دنیا کی بھلائی کا موجب ہیں خداوند کریم

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

مردوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں والدین اور قریبی اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں والدین اور

وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ

قریبی خواہ تھوڑا ہو یا بہت حصہ فرض اور جب حاضر ہوں بوقت تقسیم

أُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ ۸

وراثت قریبی اور یتیم اور مسکین تو کچھ اس سے ان کو دے دو اور کہو ان کو بات نیک

نے یتیم پروری کا ایک ایسا بہترین نظام مقرر فرمایا جو کسی ملت میں شاید نہ مل سکے اور یہ اس کا کمال لطف و رحمت ہے اور یتیم پرور لوگوں کو چاہیئے کہ یتیم کے اموال میں پوری احتیاط سے کام لیں اور اس کے استحصال سے دامن بچانے کی کوشش کریں چنانچہ معصومین کے فرامین کا یہی مطلب ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ :- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے یعنی منسوخ نہیں ہے۔ برہان

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ :- اس آیت کے متعلق روایات میں اختلاف ہے کہ آیا یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں تو علمائے مفسرین نے ان میں اس طرح جمع کی ہے کہ جن روایات میں یہ ہے کہ منسوخ ہے تو مقصد یہ ہے کہ وجوب منسوخ ہے اور جو روایات عدم نسخ پر دلالت کرتی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ دینا جائز بلکہ مستحب ہے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ :- یعنی جو لوگ یتیموں کے اموال میں کوتاہی اور لاپرواہی سے کام لیتے ہیں۔ انہیں اپنی اولاد کا خیال کرنا چاہیئے پس جس طرح اپنی اولاد کے متعلق انہیں اپنے بعد کا ڈر ہوتا ہے لہٰذا ان کی بھلائی سوچتے ہیں۔ اسی طرح ان یتیموں کا درد بھی ان کے دلوں میں ہونا چاہیئے جو اس وقت ان کے زیر سایہ اور ان کی دستگیری کے محتاج ہیں۔

اِنَّ الَّذِينَ :- برہان میں جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ میں نے شب معراج دیکھا کہ بعض لوگوں کے منہ سے آگ داخل ہو کر ان کے نیچے سے نکل جاتی ہے جبریل نے کہا یہ لوگ یتیموں کے مال کھانے والے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ جب قبر سے نکلیں گے تو ان کے منہ سے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوں گے۔

ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ یتیم کے مال میں سے ایک درہم کھانے والا داخل جہنم ہوگا اور ہم ہیں یتیم۔ (لہٰذا اس جگہ مال سے مراد خمس ہوگا)

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ

اور ڈریں وہ لوگ جو اگر چھوڑیں اپنے پیچھے اولاد کمزور کہ ان کو ڈر ہو ان کے متعلق پس ڈریں

فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ

اللہ سے اور کہیں بات درست تحقیق جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں

الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝۱۰ ع

کے ظلم سے یقیناً وہ بھرتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور جلیں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ ۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ

وصیت کرتا ہے تم کو خدا تمہاری اولاد کے بارے میں کہ مرد کا حصہ برابر دو عورتوں کے ہے پس اگر صرف

نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً

عورتیں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی ترکہ کی اور اگر ایک ہو تو اس کا حصہ

رکوع نمبر ۱۳

قانونِ وراثت

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ ۔ تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ جب جناب فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اپنے باپ کی وراثت کا دعویٰ دائر کیا تھا تو جواب دیا گیا تھا کہ نبیوں کی وراثت نہیں ہوا کرتی تو آپ نے اپنے دعوے کے اثبات کے لئے یہی آیت تلاوت فرمائی تھی کیونکہ آیت مجیدہ میں نبی و غیر نبی کا فرق نہیں کیا گیا نیز اس سے پہلی آیت کہ مردوں کے لئے بھی وراثت کا حق ہے جو مورث چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے بھی حق وراثت ثابت ہے جو کچھ ان کے مورث چھوڑ جائیں وہاں بھی عموم کو استعمال کیا گیا ہے اور نبی اور غیر نبی کا فرق نہیں بتایا گیا ورنہ اگر نبی کے لئے توریث کی نفی ہوتی تو اس مقام پر استثناد کا ہونا ضروری تھا۔

لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ عورت سے مرد کا حصہ خدا نے دگنا مقرر فرمایا ہے اس کی مصلحت کے متعلق امام علی رضا علیہ السلام سے بذریعہ خط دریافت کیا گیا تو آپ نے جواباً تحریر فرمایا ایک وجہ تو یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت کے لئے حق مہر فرض کیا گیا ہے جو مرد کے

فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ

(فرض) ½ اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصّہ ترکہ سے

إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ وَلَدٌ وَّوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ

اگر اس میت کی اولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اولاد اور صرف وارث ہوں ماں باپ تو ماں

الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

کے لئے ایک تہائی پس اگر ہوں اس (میت) کے لئے بھائی تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصّہ بعد نکال لینے وصیت کے ہوگا

يُّوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

جو وہ کر جائے یا بعد قرضہ کے تمہارے باپ اور بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں کون زیادہ قریب ہے

لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪

تمہارے نفع کے لئے ۔ فریضہ ہے اللہ کی طرف سے تحقیق اللہ علیم و حکیم ہے

لئے نہیں بلکہ اسے دینا پڑتا ہے لہٰذا خدا نے مرد کو اس مقام پر زیادہ حصّہ دے دیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد پر عورت کا نفقہ واجب ہوا کرتا ہے اور مرد خواہ محتاج و نادار بھی ہو عورت پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوتا ۔ پس خدا نے اس مقام پر مرد کو زیادہ حصّہ دے دیا تاکہ اخراجات کا بوجھ اس سے ہلکا ہو جائے (الحدیث)

تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ ابن ابی العوجاء نے یہ اعتراض اٹھایا کہ عورت باوجودیکہ کمزور و ناتوان ہوا کرتی ہے ۔ اس کا حصّہ قرآن مجید میں مرد سے نصف مقرر کیا گیا ہے حالانکہ مرد خود کما بھی سکتا ہے لہٰذا عقل کے لحاظ سے مرد کی بہ نسبت عورت کو زیادہ دینا چاہیئے تھا ورنہ کم از کم مساوات تو ہوتی پس حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اس کا سوال دہرایا گیا تو آپ نے فرمایا عورت پر نہ جہاد واجب ہے نہ نفقہ اور نہ ان پر کسی قسم کا دیت وغیرہ کا خرچ ہے ۔ اسی مصلحت کی بنا پر عورت سے مرد کو دگنا حق دیا گیا ہے کہ مرد پر اخراجات کا بوجھ زیادہ ہے روایات سے نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ چونکہ مرد خانگی انتظامی معاملات میں حق حکومت رکھتا ہے بنا بریں اس کے اخراجات زیادہ ہیں اور عورت محکومانہ حیثیت سے رہتی ہے لہٰذا اس کے اخراجات کا بوجھ بھی مرد پر ہوتا ہے پس مرد کو وراثت میں دُگنا حصّہ دیا گیا ہے تاکہ عورت کے حق مہر اور نان و نفقہ اور جہاد ۔ دیت اور اسی قسم کے دوسرے بیرونی اخراجات کے لئے اس کا ہاتھ تنگ نہ ہو اور یہ عدلِ خداوندی کا تقاضا ہے جو دانا و بینا ہے ۔

لطیفہ بعض کتب مناقب میں ہے کہ ایک دفعہ دو عورتوں کے درمیان جھگڑا ہوا۔ ایک کی لڑکی اور دوسری کا لڑکا تھا لیکن ان میں سے ہر ایک لڑکے کی دعویدار تھی۔ زمانہ تھا دوسری خلافت کا جب فیصلہ نہ ہو سکا تو حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت بابرکت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا۔ آپ نے ایک حجم کی دو شیشیاں منگوالیں اور حکم دیا کہ ایک ایک شیشی ان عورتوں کو دی جائے تاکہ اپنے اپنے دودھ سے پُر کریں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا پس آپ نے دونوں کو وزن کرنے کا حکم دیا تو ایک کا وزن کم اور دوسری کا زیادہ نکلا پس آپ نے حکم دیا کہ لڑکا اس عورت کا ہے جس کا دودھ وزنی ہے اور لڑکی دوسری کی ہے۔ یہ فیصلہ سنتے ہی صحابہ ششدر ہو گئے اور آپ سے وجہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ فیصلہ قرآن مجید سے کیا ہے چنانچہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ:۔ جس خدا نے وراثت میں مرد کو عورت سے حق زیادہ کرامت فرمایا ہے۔ اس نے خوراک میں بھی مرد و عورت کے حصہ میں فرق مقرر کیا ہے۔ پس صحابہ آپ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے واپس چلے گئے اور دونوں عورتیں اپنے اپنے بچے لے کر رخصت ہو گئیں لیکن قرآن مجید کی ان باریکیوں کو راسخین فی العلم کے علاوہ اور کون جان سکتا تھا جبھی تو جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ اور تمام امت کو ان دونوں سے تمسک پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ۔

طبقہ اولیٰ کی وراثت **اولاد**:۔ میت کا وارث اگر صرف لڑکا ہو تو وہ ساری جائداد کا مالک ہوگا اور اگر چند لڑکے ہوں تو وہ پوری جائداد کو برابر تقسیم کریں گے اور اگر لڑکیاں اور لڑکے موجود ہوں تو لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ہر لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر دیا جائیگا یعنی لڑکی کو لڑکے کے حصہ کا نصف دیا جائے گا۔ **مثال**:۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی جائداد تین حصوں میں برابر تقسیم ہو گی۔ دو لڑکے کو اور ایک لڑکی کو ملے گا اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو جائداد تین حصوں میں تقسیم ہو گی۔ ایک ایک حصہ دونوں لڑکوں کو اور ایک حصہ دو لڑکیوں کو دیا جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ :۔ اگر مرجانے والے کی اولاد صرف لڑکیاں ہوں اور لڑکا کوئی موجود نہ ہو تو لڑکیاں اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے فرض کل جائداد کی دو تہائی ہے پس اگر ان کے علاوہ اس طبقہ میں کوئی دوسرا وارث نہ ہوا تو پھر باقی جائداد ان پر رد ہو گی۔ یعنی کل جائداد کی وارث یہی ہوں گی اور ان کی موجودگی میں دوسرے یا تیسرے طبقہ والوں کو وراثت سے کچھ نہ دیا جائے گا۔

آیت مجیدہ میں فَوْقَ اثْنَتَيْنِ کی لفظ ہے یعنی دو سے زیادہ ہوں لیکن علمائے امامیہ کا اتفاق ہے کہ دو کا حکم بھی یہی ہے

وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً :۔ اگر متوفی صرف ایک لڑکی چھوڑ جائے تو اسے کل جائداد کا نصف ½ فرض کے ساتھ ملے گا اور باقی بھی رد کے طور پر اسی کو ملے گا اگر اس طبقہ میں کوئی دوسرا اس کا شریک وراثت نہ ہو ورنہ اسی طبقہ کے دیگر ورثاء کے حقوق کے بعد اگر بچے گا تو اس کو رد میں مل سکے گا اور مذہب امامیہ میں لڑکی کی موجودگی میں دوسرے یا تیسرے طبقہ کے ورثاء جو عصبہ کہلاتے ہیں متوفی کی جائداد سے محروم ہوں گے۔

ماں باپ لِاَبَوَيْهِ :۔ اگر میت کی اولاد بھی موجود ہو اور اس کے والدین بھی موجود ہوں تو کل ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ ماں باپ کو ملے گا۔ جس کی تفصیل یہ ہو گی۔

اگر میت کے ماں باپ بھی موجود ہیں اور ایک لڑکا بھی ہے تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دے کر باقی کل جائداد میت کے لڑکے کو ملے گی اور اگر لڑکے زیادہ ہوں تو وہ سب برابر برابر آپس میں تقسیم کریں گے اور اگر لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

اگر میت کے ماں باپ بھی موجود ہیں اور ایک لڑکی بھی ہے تو ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ فرض سے دیا جائے گا اور لڑکی کو نصف کل جائداد کا بطور فرض دیا جائے گا اور باقی بچے ہوئے کو ان سابقہ حصص کی نسبت سے ان پر تقسیم کیا جائے گا اور یہ رد قرابت کے لحاظ سے ہے اس میں سے دُور کے وارثوں کو کچھ نہ ملے گا۔ یعنی طبقہ اولیٰ کے بعد والے دوسرے یا تیسرے طبقہ کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر میت کے بیٹے بیٹیاں موجود نہ ہوں بلکہ اُن کی اولاد موجود ہو اور میت کے والدین بھی موجود ہوں۔ تب بھی تقسیم کی یہی صورت ہوگی کہ والدین کو چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے گا اور باقی پوتوں پوتیوں پر ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم ہوگا جبکہ میت کے ایک لڑکے کی اولاد ہوں اور اگر چند لڑکوں کی اولاد ہوں گے تو اپنے اپنے باپ کے حصہ کو آپس میں اسی طرح تقسیم کریں گے اور نواسے اور نواسیوں کی بھی یہی صورت ہے اور اگر پوتوں کے ساتھ نواسے بھی ہوں تو پوتے اپنے باپ کا حصہ اور نواسے اپنی ماں کا حصہ لیں گے اور ان کی باہمی تقسیم مرد و عورت کی ایک اور دو کی نسبت سے ہوگی اور اگر صرف نواسے نواسیاں ہوں تو میت کے ماں باپ کے حصص نکالنے کے بعد اگر یہ میت کی ایک لڑکی کی اولاد ہوں گے تو ان کو کل جائداد کا ½ حصہ بطور فرض کے ملے گا جس کو یہ باہمی طور پر ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور جو جائداد بچ رہے گی اپنے سابقہ حصص کی بنا پر ماں باپ اور ان پر حق قرابت کے لحاظ سے رد ہوگی جس کو حسب سابق آپس میں تقسیم کریں گے اور اگر دو لڑکیوں کی یا زیادہ کی اولاد ہوں گی تو ماں باپ کے حصوں کے بعد کل جائداد میں سے ان کو دو تہائی ملے گا اور آپس میں حسب قرابت اور حسب حصص تقسیم کریں گے اور باقی میراث حسب سابق ان پر رد ہوگی۔

فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ:۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف باپ وارث ہو تو وہی تمام جائداد کا وارث ہوگا اور اگر اکیلی ماں ہو تو وہ بھی تمام جائداد کی وارث ہوگی لیکن اس طرح کہ ⅓ حصہ کی مالک فرض کے لحاظ سے اور باقی بحق قرابت اس کو بطور رد کے ملے گا اور اگر دونوں ماں باپ موجود ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا اور باقی باپ لے گا۔

فَاِنْ کَانَ لَہٗٓ اِخْوَۃٌ:۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ موجود ہوں تو ماں کو ایک تہائی ملے گا لیکن بشرطیکہ میت کے دو یا اس سے زیادہ بھائی موجود نہ ہوں ورنہ ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اگر میت کا ایک بھائی اور دو بہنیں یا صرف چار بہنیں موجود ہوں۔ تب بھی ماں کو تہائی کی بجائے چھٹا حصہ ملے گا بشرطیکہ یہ بھائی بہنیں پدری ہوں یا مادری پدری ہوں۔ اگر صرف مادری ہوں تو ماں کو پورا تہائی حصہ ملے گا یہاں اِخْوَۃٌ کا لفظ اگرچہ جمع ہے لیکن اس سے مراد دو یا اس سے زیادہ ہیں۔ بھائیوں کی موجودگی صرف ماں کے حصہ پر اثر انداز ہوگی ورنہ ان کو خود متوفی کی وراثت سے کچھ نہ ملے گا بلکہ ماں کے حصہ سے فاضل سب باپ کو ملے گا۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ:۔ لفظ کے لحاظ سے وصیت کا ذکر پہلے اور قرضہ کا ذکر بعد میں ہے لیکن اَوْ کی لفظ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی اور میت کے مال میں سے قرضہ کی ادائیگی سب سے پہلے ہوا کرتی ہے اور پھر وصیت پر عمل ہوتا ہے اور آخر میں وراثت کی تقسیم ہوتی ہے اور یہی معصومینؑ سے مروی ہے چونکہ یہ مسائل ذرا مشکل ہیں لہذا ان کی مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ ہر خاص و عام خوب سمجھ سکے۔

مثال نمبر ۱: میت کے وارث صرف اس کی لڑکی اور باپ موجود ہیں۔ کل جائداد کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی ایک حصہ باپ کو اور نصف یعنی ۳ حصے لڑکی کو ملیں گے۔ اب جو دو حصے باقی رہ گئے ہیں وہ پھر ان پر حقِ قرابت کے لحاظ سے رد ہوں گے لیکن اسی نسبت سے جو ان کو پہلے مل چکا ہے چونکہ وہ نسبت ایک اور تین کی تھی لہٰذا ان دو حصوں میں سے باپ کو آدھ حصہ اور لڑکی کو ڈیڑھ حصہ ملے گا تو کل جائداد میں لڑکی کو ساڑھے چار حصے اور باپ کو ڈیڑھ حصہ آئے گا یا یوں سمجھئے کہ کل جائداد کا $\frac{1}{4}$ حصہ باپ کو اور $\frac{3}{4}$ حصہ لڑکی کو ملے گا۔

مسئلہ: قرآن مجید میں ورثاء کے جو حصے مقرر کئے گئے ہیں ان کو فقہا لوگ فرض سے تعبیر کرتے ہیں اور قرآن مجید کے فرمان أُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ یعنی اللہ کی کتاب میں رشتہ داروں میں سے بعض بہ نسبت دوسرے بعض کے اولیٰ ہوا کرتے ہیں اس کی رو سے جو فرض سے بچا ہوا حق قریبیوں پر تقسیم ہوتا ہے اس کو ردّ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسی آیت مجیدہ کی رُو سے علماء امامیہ تعصیب کو باطل جانتے ہیں یعنی یہ کہ فروض سے جو کچھ بچ جائے وہ دوسرے دور کے وارثوں کو دیا جائے جنہیں عام اصطلاح میں وارثانِ بازگشت سے تعبیر کیا جاتا ہے ہمارے نزدیک یہ باطل ہے کیونکہ اقرب کی موجودگی میں ابعد کسی صورت میں وارث نہیں قرار دیا جاسکتا اور أُولُوا الْأَرْحَامِ الخ والی آیت اس کی واضح دلیل موجود ہے پس حق یہ ہے کہ فرضوں سے جو بچے وہ بحق قرابت انہی پر تقسیم ہو کیونکہ وہی زیادہ قریبی ہیں۔

مثال نمبر ۲: وارث صرف لڑکی اور ماں ہوں۔ تقسیم کا طریقہ وہی ہوگا جو اُوپر کی مثال میں بتایا گیا ہے۔

مثال نمبر ۳: وارث لڑکی ماں اور باپ دونوں ہوں۔ چھ حصوں میں سے ایک ماں کو ایک باپ کو ۳ لڑکی کو بحق فرض ملے گا اور ایک بچا ہوا حصہ پہلی نسبت سے پانچ حصوں میں بٹ کر ایک ایک ماں باپ کو اور ۳ حصے لڑکی کو دیئے جائیں گے گویا کل جائداد کے حصے پانچ ہوں گے $\frac{1}{5}$ ماں $\frac{1}{5}$ باپ اور $\frac{3}{5}$ لڑکی کو ملے گا لیکن اگر میت کے پدری مادری یا صرف پدری دو یا دو سے زیادہ بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں موجود ہوں گی تو ماں کو صرف $\frac{1}{6}$ حصہ دیا جائے گا اور رد صرف لڑکی اور باپ پر ایک اور تین کی نسبت سے ہوگا۔

مثال نمبر ۴: دو یا زیادہ لڑکیاں اور ماں یا باپ میں سے ایک ہو۔ چھ حصوں میں سے ماں یا باپ کو ایک حصہ اور لڑکیوں کو دو تہائی یعنی چار حصے۔ جس کو وہ آپس میں برابر تقسیم کریں گی اور بچے ہوئے ایک حصے کو سابقہ نسبت سے یعنی ایک اور چار کی نسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۵: دو یا زیادہ لڑکیاں اور ماں اور باپ دونوں۔ چھ حصوں میں سے ماں باپ کو ایک ایک حصہ اور لڑکیوں کو دو تہائی یعنی چار حصے اور جائداد پوری تقسیم ہو جائے گی۔ لہٰذا رد کی ضرورت نہ ہوگی۔

مثال نمبر ۶: وارث پوتا یا پوتی یا ہر دو جبکہ میت کے ایک ہی لڑکے کی اولاد ہوں اور ماں یا باپ یا ہر دو۔ پس ماں یا باپ یا ہر دو کو اپنا چھٹا چھٹا حصہ دیا جائے گا مثلاً چھ میں سے ایک ایک اور باقی پوتا یا پوتی لیں گے اور اگر دونوں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ: صرف پوتی اپنے باپ کے قائم مقام ہوتی ہے جو میت کا لڑکا تھا لہٰذا اس کو اپنے باپ کی طرح پورا حصہ ملے گا۔

مثال نمبر ۷ :- وارث ۔میت کا پوتا ایک لڑکے سے پوتی دوسرے لڑکے سے اور ماں اور باپ یا ان میں سے ایک ۔چھ حصوں میں سے ماں باپ اپنا ایک ایک حصہ لیں گے باقی پوتے اور پوتی میں برابر تقسیم ہوگا ۔اس لئے کہ پوتی اپنے باپ کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے پوتے کے ساتھ برابر کی حصہ دار ہے کیونکہ یہ دونوں اپنے اپنے باپ کا حصہ لے رہے ہیں اگر وہ خود موجود ہوتے تو برابر تقسیم کرتے پس ان کے قائم مقاموں کو بھی ایسا ہی کرنا پڑے گا ۔

مثال نمبر ۸ :- پوتا ۔نواسہ اور ماں باپ یا ان میں سے ایک ۔چھ میں سے ماں باپ کے ایک ایک حصہ کے نکل جانے کے بعد باقی کو پوتا اور نواسہ ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے کیونکہ پوتا میت کے لڑکے کے قائم مقام اور نواسہ میت کی لڑکی کے قائم مقام ہے ۔پس اگر نواسہ کی جگہ نواسی ہو تب بھی یہی حصہ لے گی اور نواسے اور نواسیاں جبکہ ایک ماں سے ہوں تو وہ اپنے مذکورہ حصہ کو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے ۔بنابریں اگر پوتی اور نواسہ وارث ہوں ۔تب بھی پوتی کو باپ کا حصہ اور نواسہ کو ماں کا حصہ دیا جائے گا ۔یعنی پوتی کو دو اور نواسے کو ایک ۔

مثال نمبر ۹ :- صرف نواسے نواسیاں میت کی اولاد ۔اور ماں یا باپ ۔چھ میں سے ماں یا باپ کو ایک حصہ اور نواسوں نواسیوں کو چونکہ میت کی ایک لڑکی سے ہیں ۔میت کی جائداد کا نصف حصہ یعنی چھ میں سے تین حصے ملیں گے ۔باقی بحق قرابت سابق حصص کے مطابق ان پر رد ہوں گے ۔یعنی ان باقی دو حصوں کو ایک اور تین کی نسبت سے بانٹا جائے گا ۔پہلی مثال کی طرح ۔پھر نواسے اور نواسیاں اپنے کل حصہ کو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے ۔

مثال نمبر ۱۰ :- نواسے نواسیاں بصورت سابق اور ماں باپ دونوں تیسری مثال کی طرح تقسیم ہوگی ۔

مثال نمبر ۱۱ :- ایک لڑکی سے نواسہ یا نواسی یا ہر دو اور دوسری لڑکی سے نواسہ یا نواسی یا ہر دو ۔اور ماں یا باپ چھ حصوں میں سے ماں یا باپ کو ایک ایک حصہ دیا جائے گا اور نواسوں نواسیوں کو کل جائداد کی دو تہائی یعنی چھ میں سے چار حصے دیئے جائیں گے ۔اور باقی کو چوتھی مثال کی طرح تقسیم کیا جائے گا ۔اس کے بعد نواسے اور نواسیاں اپنی اپنی ماں کے حصہ کو آپس میں تقسیم کریں گے ۔یعنی اولاً حاصل شدہ کو دو برابر حصوں میں اور پھر ہر حصہ کو اس میں جسقدر بھائی بہنیں شریک ہوں گے ۔ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور اگر دو سے زیادہ لڑکیوں کی اولاد موجود ہو تب بھی کل کو اصل جائداد سے حصہ اسی قدر ملے گا ۔پھر اپنی اپنی ماں کے حصہ کو اس کی اولاد سابق قانون کی رُو سے تقسیم کرے گی یعنی مرد کو عورت سے دُگنا ۔

مسئلہ :- اگر میت کی اولاد لڑکے لڑکیاں موجود ہوں اور اس کا کوئی پوتا پوتی یا نواسہ نواسی ایسا بھی موجود ہو ۔جن کا باپ یا ماں میت کی موجودگی میں وفات پا چکے تھے تو مذہب امامیہ اثنا عشریہ کی رُو سے وہ وراثت سے محروم ہوگا ۔کیونکہ ان سے زیادہ قریبی میت کی اپنی اولاد موجود ہے ۔

پوتے یا نواسے کی وراثت کا مسئلہ

تنبیہ :- چونکہ مسلمان قرآن کے مسلمہ اصولوں سے روز بروز دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور غیر اسلامی تعلیم ان کی رگ و پے میں

گھر کرتی چلی جا رہی ہے ۔ لہٰذا قرآن مجید کا جو فیصلہ ان کی خواہشات اور افتادِ طبع سے متصادم ہو ۔ وہ اُسے خلافِ عقل کہتے میں ذرہ بھر باک محسوس نہیں کرتے چنانچہ انہی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہتے ہیں یتیم پوتے کو دادا کی وراثت سے محروم کرنا ناانصافی ہے اور سراسر خلافِ عقل ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ خود عقل سے کورے ہوتے ہیں جو کسی بھی قانونِ خداوندی کو خلافِ عقل یا منافیٔ انصاف کہیں ۔ اس مسئلہ کو اگر تھوڑی سی غور کر کے دیکھا جائے تو اس کا منافیٔ انصاف اور خلافِ عقل ہونا تو درکنار یقین کرنا پڑے گا ۔ کہ یہ عینِ انصاف اور بالکل قرینِ عقل ہے ۔

وراثت کا حصّہ خداوند کریم نے دو طریقوں سے بیان فرمایا ہے ۔ ایک فرض اور دوسرا قرابت ۔ فرضی حصص وہی ہیں جن کو صراحت سے ذکر کیا ہے ۔ کسی کا نصف کسی کا دو تہائی ۔ کسی کو چھٹا ۔ کسی کے لئے تہائی کسی کا چوتھا اور کسی کا آٹھواں اور یہی وہ فرض ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ ان میں پوتے کا نام نہیں باقی رہا حقِ قرابت جس کو أُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ کے کلیے سے واضح کیا ہے ۔ پس اس قرابت کے کلیہ کے ماتحت جو بھی میّت کا زیادہ قریبی ہو وہی اس کی وراثت کا پہلا حقدار ہوگا ۔ اور ظاہر ہے کہ لڑکے اور پوتے میں سے میّت کا زیادہ قریبی لڑکا ہے اور پوتا ایک درجہ دُور ہے ۔ ہاں اگر میّت کا لڑکا اور لڑکی موجود نہ ہو تو پھر باقی سب سے زیادہ قریب پوتا یا نواسہ ہی ہوگا ۔ جس طرح اوپر کے سلسلہ میں باپ اور دادا دونوں قریبی ہیں ۔ اور حکومت کے لحاظ سے جس طرح باپ حاکم ہے اسی طرح دادا بھی حاکم ہے لیکن قرابت کے لحاظ سے باپ بلاواسطہ ہے اور دادا ایک درجہ دُور ہے ۔ پس میّت کے باپ کی موجودگی میں دادا کو وراثت کا حق حاصل نہیں ہے اسی طرح دوسرے درجہ میں بھائی بھتیجے اور بہن اور بھانجے میں بھی وہی بات ہے کہ بھائی بہ نسبت بھتیجے کے اور بہن بہ نسبت بھانجے کے میّت کے زیادہ قریب ہیں اور پھر تیسرے درجہ میں چچا اور چچازاد ماموں اور ماموں زاد وغیرہ کی یہی کیفیت ہے ۔

میّت کی اپنی اصلی اولاد بہرصورت اولاد کی اولاد سے قریب تر ہے ۔ اگر یتیم پوتے کا باپ موجود ہوتا جس کی بدولت یہ دادا سے قریبی ہونے کا حقدار ہے تو یقیناً دادا کی وراثت اس تک نہ پہنچ سکتی کیونکہ پوتے کا باپ میّت سے بلاواسطہ قرب رکھتا ہے ۔ پس وہی وراثت کا حق دار ہے لہٰذا اس کی موجودگی میں یہ ہرگز وارث نہیں ہو سکتا تو جب اپنے واسطۂ قرابت کی موجودگی میں محروم الارث تھا ۔ اب واسطہ کے ٹوٹ جانے کے بعد یہ کیسے وارث ہو سکتا ہے ؟ نیز اس واسطہ کی موجودگی میں وہ واسطہ خود وارث اس لئے نہ تھا کہ اس پوتے کا باپ ہے بلکہ وہ اس لئے وارث تھا کہ مرنے والے کا بلاواسطہ فرزند ہے پس یہ قاعدہ ثابت ہوگیا کہ بلاواسطہ فرزند کی موجودگی میں بالواسطہ فرزند وراثت نہیں پا سکتا ۔ اب یہی علت پوتے کے چچوں اور پھوپھیوں کی موجودگی میں پائی جاتی ہے کہ وہ میّت کے بلاواسطہ اولاد ہیں تو اس صورت میں بالواسطہ کو کیونکر حصّہ دیا جائے ؟ نیز میّت کا نواسہ یا نواسی جس کی ماں میّت کی موجودگی میں مر چکی ہو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ میّت کی بلاواسطہ اولاد کی موجودگی میں خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں ۔ نواسے نواسیاں اپنے نانا کے وارث نہیں بن سکتے ۔ لیکن معترض لوگ اس مقام پر نواسوں اور نواسیوں کا ذکر درمیان میں نہیں لاتے اور وہ اس لئے کہ لڑکیوں کو یا ان

کی اولاد کو جائداد سے حصّہ کیوں دیا جائے ۔ اور نہ ان کی محرومی کو خلافِ عقل اور منافئ انصاف قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ان کے جذبات کے موافق اور خواہشات کے مطابق ہے۔

اب رہا یہ کہ وہ یتیم رہ گیا اس کا بندوبست کیا ہوگا؟ تو یہ صرف ایک نہیں بلکہ دنیا میں ہزاروں لاکھوں بچے یتیم اور لاوارث رہ جاتے ہیں جن کو خدا رزق دے رہا ہے اور فرض کرو اگر اس دادا کی جائداد نہ ہوتی تو پھر یتیم کیسے زندگی گذارتا۔ یہ باتیں محض بے تکی ہیں۔ ان کو مسئلہ سے کوئی ربط نہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ پوتے کی بہ نسبت اس کے چچے اور پھوپھیاں میّت کے زیادہ قریبی ہیں تو اس کی دادا کی جائداد سے محرومی عین انصاف اور موافق عقل ہے بلکہ یہاں محرومی کا استعمال کرنا بھی بے جا ہے۔ جبکہ وہ سرے سے حقدار ہی نہیں۔ تو پھر محرومی کیسے؟ البتہ اس کو دادا کی جائداد میں حصہ دار قرار دینا میّت کی بلا واسطہ اولاد کی حق تلفی اور ان پر ظلم عظیم ہے جس طرح باقی سلسلۂ قرابت میں اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو وراثت دینا قریبیوں کی حق تلفی ہوا کرتی ہے پس حق تو یہ تھا کہ اگر کوئی پوتے کی وراثت کا قائل ہوتا تو اس کے خلاف ہنگامہ آرائی کی جاتی کہ قریبی کی موجودگی میں بعید کی وراثت کا ڈھونگ کیوں رچایا جا رہا ہے۔

واسطہ کے منقطع ہو جانے کے بعد اگر اس کو قرابت کا حق دہی دینا ہے جو واسطہ کو حاصل تھا تو اس سلسلہ میں دوسری کافی مثالیں ایسی موجود ہو جائیں گی۔ جن میں غیر وارث کو وارث کرنا پڑے۔

۱۔ میّت کا نواسہ اور نواسی جس کی ماں پہلے مر چکی ہو اب اس کو بھی نانا کی وراثت سے ماں کا حق دیا جائے۔

۲۔ اولاد کی عدم موجودگی میں زوجہ کو شوہر کی جائداد منقولہ میں سے ۱/۴ حصّہ دیا جاتا ہے جو اس کی موت کے بعد اس کے قریبیوں کو ملتا ہے۔ پس اگر زوجہ شوہر کی موجودگی میں مر جائے تو شوہر کی موت کے بعد سابقہ زوجہ متوفاة کے وارثوں کو زوجہ متوفاة کا حق دیا جائے۔

۳۔ اسی طرح شوہر کو عورت کی جائداد کا ۱/۲ یا ۱/۴ حصّہ دیا جاتا ہے تو پہلے مر جانے کی صورت میں اس کا حق نہ ٹوٹنا چاہیے بلکہ اس کی بیوہ عورت کی وفات کے بعد شوہر کے وارثوں کو حق طلب کرنا چاہیے۔

۴۔ دوسرے طبقۂ وراثت میں بھائی کی موجودگی میں متوفی بھائی کے لڑکے لڑکیاں اور تیسرے طبقہ میں چچا کی موجودگی میں متوفی کے چچے کی اولاد (علیٰ ہذا القیاس) وارث قرار دیے جائیں گے۔

بہرکیف اس قسم کی متعدد جزئیاں پیدا ہو سکتی ہیں جن کو کوئی صاحبِ عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتا تو صرف پوتے کی محرومیٔ وراثت کا ڈھنڈورا پیٹنا محض خواہش کا بھوت سیدھا کرنے کے لئے ہی ہے پس مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن مجید کے احکام کو بسر و چشم تسلیم کریں اور ان کے خلاف ہنگامہ آرائی کی بدعات کو خیرباد کہہ دیں اور سچے مسلمانوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

علمی نکتہ:۔ آیت مجیدہ میں طبقہ اولےٰ کے حقوق بیان فرماتے ہوئے بعض کے حقوق تصریحاً ذکر فرمائے اور بعض ورثاء کے لئے تلویح سے کام لیا گیا۔

تصریح:۔ ماں اور باپ کے حقوق انفرادی صورت میں اور اولاد کی موجودگی کی صورت میں جُدا جُدا معین فرما دیئے۔ اسی

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ

اور تمہارا نصف ہے اس سے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں اگر نہ ہو ان کی اولاد پس

كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

اگر ہو ان کی اولاد تو تمہاری چوتھائی ہے اس سے جو چھوڑ جائیں بعد وصیت کے

يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ

جو کریں یا بعد قرضہ کے اور ان کا چوتھا ہے اس سے جو تم چھوڑ جاؤ اگر نہ ہو تمہاری

لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ

اولاد پس اگر ہو تمہاری اولاد تو ان کا آٹھواں ہے اس سے جو چھوڑ جاؤ بعد وصیت کے

وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً

جو کرو یا بعد قرضہ کے اور اگر وہ شخص جس کی میراث ہے کلالہ

طرح ایک لڑکی اور متعدد لڑکیوں کے حقوق فرضیہ کی تصریح فرمادی ہے لیکن اگر صرف ایک لڑکا ہو یا متعدد لڑکے ہوں تو ان کو تصریحاً بیان نہیں فرمایا۔

تلویح :۔ ایک لڑکا یا متعدد لڑکے ہوں تو ان کا حق تلویحاً بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم میں فرمایا مرد کو عورت سے دوگنا دیا جائے۔ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔ اور دوسری جگہ صرف ایک لڑکی کے متعلق فرمایا۔ إِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ۔ یعنی اگر ایک ہو تو اسے نصف دیا جائے تو چونکہ پہلے فرما چکا ہے کہ لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیا جائیگا تو صاف نتیجہ نکلا کہ صرف ایک لڑکا ہوگا تو پوری جائیداد کا وارث ہوگا اور نیز چونکہ یہ فرمایا کہ لڑکے اور لڑکیاں وراثت میں ایک اور دو کی نسبت رکھتے ہیں تو معلوم ہوگیا کہ صرف لڑکیاں ہوں گی تو آپس میں مساوی ہوں گی اور صرف لڑکے ہوں گے تو وہ بھی آپسمیں مساوی طور پر تقسیم کریں گے

يُورَثُ كَلَالَةً :۔ کلالہ کا لغوی معنی احاطہ ہے چنانچہ تاج کو اکلیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سر پر محیط ہے اور اس بناء پر کل کو کل کہا جاتا ہے کہ وہ تمام عدد پر محیط ہے پس کلالہ ان رشتہ داروں کو کہا جائے گا جو اصل نسب کے محیط ہیں اور چونکہ اصل سلسلۂ نسب ہوتا ہے۔ دادا پھر باپ پھر بیٹا پوتا۔ تو پس جو اس سلسلۂ طولی کے گرد و پیش رشتہ دار ہوتے ہیں جو اس کو محیط ہوتے ہیں ان کو کلالہ کہا جاتا ہے پس طولی قرابت کے علاوہ جس قدر عرضی قرابت ہوگی ان سب پر کلالہ کا اطلاق ہوگا۔

أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن

ہو یا عورت (کلالہ) ہو اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لئے ان میں سے چھٹا حصہ ہے پس

كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ

اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ شریک ہوں گے تہائی میں بعد وصیت کے جو کی جائے

يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

یا بعد قرضے کے کہ نہ ضرر دی گئی ہو وصیت اللہ کی جانب سے اور اللہ علیم و

حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

حلیم ہے

آئمہ معصومین سے مروی ہے کہ کلالہ سے مراد بھائی بہنوں کا رشتہ ہے۔ نیز کلالہ مرنے والے کو بھی کہہ سکتے ہیں جبکہ اس کا طولی رشتہ مفقود ہو یعنی اس کے باپ دادا اور بیٹے پوتے موجود نہ ہوں اور اس کے وارثوں کو بھی کلالہ کہہ سکتے ہیں اور اس کا اطلاق واحد و جمع اور مذکر و مونث سب پر صحیح ہے کیونکہ یہ مصدر ہے نیز آیت مجیدہ میں جو کلالہ کی وراثت کا تذکرہ ہے اس سے مراد صرف مادری بھائی بہنیں ہیں اور اسی سورہ کے آخر میں جہاں کلالہ کا ذکر آیا ہے۔ وہاں پدری و مادری یا صرف پدری بھائی اور بہنیں مراد ہیں۔

غَيْرَ مُضَارٍّ :- یعنی اس کی وصیت وارثوں کے لئے باعث ضرر نہ ہو یعنی تہائی ترکہ سے زیادہ نہ ہو یا ایسے قرضہ کا اس نے اقرار نہ کیا ہو جو درحقیقت اس پر نہ تھا کیونکہ وہ بھی وارثوں کے لئے باعث ضرر ہے۔

زوج و زوجہ کی وراثت

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ :- یعنی اگر عورت مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو شوہر کو اس کے کل ترکہ سے نصف ملے گا اور اگر عورت کی اولاد موجود ہو تو شوہر کو اس کے ترکہ سے ایک چوتھائی دیا جائے گا۔ (عورت کی وصیتوں اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد۔

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ :- اور اگر مرد مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو عورت کو ایک چوتھائی اور اولاد کی صورت میں آٹھواں حصہ اس کو ملے گا۔

مسئلہ :- مرد کی منکوحہ عورتیں اگر ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب اس چوتھائی یا آٹھویں حصہ میں برابر کی شریک ہوں گی۔

روایات :- (۱) استبصار میں باسنادِ خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عورت مرد کے مکان کی لکڑیوں وغیرہ کی وارث ہوگی اس کی زمین کی وارث نہ ہوگی تو محمد بن مسلم راوی حدیث نے وجہ پوچھی۔ کہ یہ کیسے؟ فرع کی وارث ہے اور اصل کی نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ نسب کے لحاظ سے مرد کی وارث نہیں ہے بلکہ وہ تو دوسری قوم سے آئی ہوئی ہے لہذا وہ فرع کی وارث ہوگی نہ کہ اصل کی (کیونکہ وہ خود اس کے

اصل سے نہیں بلکہ اس کی قرابت فرعی ہے۔ لہٰذا اسکی وراثت بھی فرعی ہوگی) اور فرمایا اس لئے تاکہ اس عورت کی وجہ سے کوئی دوسرا ان کی جائداد میں حصہ دار نہ بن جائے۔

(۲) بروایت حماد بن عثمان آپ نے فرمایا عورت مکان کی لکڑیوں وغیرہ کی قیمت سے وارث ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ کہیں اور جگہ شادی کرے تو پھر اس کی وجہ سے اس کے پہلے شوہر کے ورثار کے مال میں اس کے پچھلے لواحقین شامل ہو کر ان کی میراث کو فاسد کر دیں گے۔

(۳) نیز آپ نے میسرہ کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عورتوں کو مکان کی لکڑیوں اور دیگر آلات کی قیمت سے حصہ دیا جائے گا۔ اور زمین اور دیگر جائداد (غیر منقولہ) سے اس کو وراثت نہ ملے گی۔ سائل نے پوچھا کہ کپڑے؟ تو آپ نے فرمایا کہ کپڑے ان کے لئے ہیں۔ پھر سائل نے پوچھا کہ یہ کیسے حالانکہ ان کے لئے ¼ یا ⅛ مقرر شدہ ہے تو فرمایا کہ ان کی وراثت نسب کی طرف سے تو ہے نہیں بلکہ وہ تو باہر سے آئی ہے اور یہ میں نے اس لئے کہا ہے کہ وہ بعد میں شادی کرے گی تو اس کا شوہر یا اس کی اولاد آکر اس کے سابق شوہر کے ورثا کے لئے رکاوٹ کا باعث بن جائیں گے۔

(۴) موسیٰ بن بکر کہتا ہے میں نے زرارہ سے دریافت کیا کہ بکیر سے روایت ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ عورت اپنے شوہر کی گھر کی زمین بلکہ جملہ زمینوں کی وارث نہیں ہو سکتی ہاں اگر مکان یا درخت یا لکڑیاں ہوں تو اس کو اپنا حصہ ان کی قیمت سے دیا جائے گا اور نفس زمین سے اس کو کچھ بھی نہ دیا جائے گا۔ یہ سن کر زرارہ نے کہا واقعی ایسا ہی ہے اور اس میں شک نہیں۔ بہر کیف اس قسم کی روایات بہت زیادہ ہیں کہ عورت مرد کے ترکہ سے زمین کی وارث نہیں ہو سکتی باقی تمام اس کی متروکہ چیزوں کی وارث ہوتی ہے۔ البتہ مکانات اور اشجار یا زمین کے علاوہ جس قدر غیر منقولہ اشیاء ہیں ان کی قیمت سے اس کو حصہ دیا جائیگا۔ اور اس کی وجہ خود ائمہ طاہرین نے بیان فرما دی ہے اور جن بعض روایات میں عورت کا ہر چیز سے وارث ہونا مذکور ہے ان کو علمائے امامیہ نے تقیہ پر محمول کیا ہے۔ احادیث معصومین میں مطلقاً عورت کو شوہر کی زمین کی وراثت سے محروم کیا گیا ہے اس میں فرق نہیں کہ عورت صاحب اولاد ہو یا نہ ہو پس قرآن مجید میں لَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ یعنی ان کی چوتھائی ہے تمہارے ترکہ سے اولاد نہ ہونے کی صورت میں وَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ :۔ یعنی ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے تمہارے ترکے سے اولاد ہونے کی صورت میں۔ ان مقامات پر ترکہ سے مراد زمین کے علاوہ باقی متروکہ اشیاء ہیں اور چونکہ احادیث متواترہ اس باب میں وارد ہو چکی ہیں لہٰذا قرآن کے عمومی حکم کے لئے یہ باعث تخصیص ہوں گی اور دوسری طرف مرد عورت کے تمام ترکہ سے اپنے مقررہ حصہ کا وارث ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے لئے تخصیص کہیں وارد نہیں لہٰذا قرآنی حکم اپنے عموم پر باقی رہے گا اور عورت کا مرد کی زمین سے وارث نہ ہونا یہ صرف مذہب شیعہ کا فتویٰ ہے اور اس کے مختصات میں سے ہے۔

مسئلہ :۔ عورت و مرد کی وراثت تینوں طبقوں کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ صرف اولاد کی موجودگی میں ان کو ادنیٰ حصہ یعنی مرد کو چوتھائی اور عورت کو آٹھواں حصہ دیا جاتا ہے اور باقی ہر صورت میں ان کو اعلیٰ حصہ یعنی مرد کو نصف اور عورت کو چوتھائی دیا جاتا ہے

مسئلہ ۲ :۔ وارث اگر زوجہ اور اولاد ہو تو زوجہ کو ⅛ حصہ اور باقی سب اولاد کو ملے گا اگر صرف لڑکا ہو تو وہ ساری باقی جائداد

کا مالک ہوگا اور اگر ایک لڑکی ہو تو $\frac{1}{2}$ کی وارث ہوگی فرض سے اور باقی کی مالک ہوگی قرابت سے بہر صورت ساری جائداد اسی کو دی جائیگی اور اگر وارث دو یا زیادہ لڑکیاں ہوں تو $\frac{2}{3}$ فرض سے اور باقی بطور رد لیں گی۔ بہر کیف ساری جائداد ان کو ملے گی اور وہ برابر تقسیم کریں گی اور اگر لڑکے اور لڑکیاں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۳:۔ وارث اگر شوہر اور اولاد ہو تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ حصہ اور باقی کی وارث حسب سابق اولاد ہوگی۔

مسئلہ ۴:۔ وارث زوجہ اور ماں ہو تو زوجہ کو $\frac{1}{4}$ حصہ اور باقی سب ماں کو ملے گا $\frac{1}{3}$ حصہ فرض سے اور باقی بچا ہوا حق قرابت سے اس کو دیا جائے گا۔

مسئلہ ۵:۔ وارث زوجہ اور باپ ہوں تو $\frac{1}{4}$ زوجہ کو اور باقی سب باپ کو بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۶:۔ وارث زوجہ اور ماں باپ دونوں ہوں تو $\frac{1}{4}$ زوجہ کو $\frac{1}{3}$ ماں کو اور جو باقی بچے گا یعنی $\frac{5}{12}$ حصہ وہ باپ کو دیا جائے گا بشرطیکہ ماں کے حاجب یعنی میت کے دو سے زیادہ بھائی موجود نہ ہوں۔ ورنہ ماں کو صرف $\frac{1}{6}$ دیا جائے گا اور باقی سب باپ کو ملے گا۔

مسئلہ ۷:۔ وارث شوہر اور ماں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور باقی ماں کو یعنی $\frac{1}{3}$ حق فرض اور باقی $\frac{1}{6}$ بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۸:۔ وارث شوہر اور باپ ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور باقی سب باپ کو بحق قرابت ملے گا۔

مسئلہ ۹:۔ وارث شوہر اور ماں و باپ، دونوں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور ماں کو $\frac{1}{3}$ اور باقی سب باپ کو یعنی $\frac{1}{6}$ حصہ بحق قرابت ملے گا بشرطیکہ متوفی کے کم از کم دو بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں پدری مادری یا صرف پدری پیچھے موجود نہ ہوں۔ کیونکہ میت کے باپ کی موجودگی میں یہ حجب ہوں گے تو ماں کے لئے $\frac{1}{6}$ حصہ سے زائد کے حاجب ہوں گے۔ لہٰذا وہ اس صورت میں رد کے حصہ سے بھی محروم رہے گی۔

مسئلہ ۱۰:۔ وارث شوہر، ماں و باپ دونوں ہوں اور متوفی کے دو بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں پدری مادری یا صرف پدری موجود ہوں تو اس صورت میں شوہر کو $\frac{1}{2}$ اور ماں کو $\frac{1}{6}$ اور باقی یعنی کل جائداد کا $\frac{1}{3}$ باپ کو ملے گا کیونکہ میت کے بھائی بہنوں کے اخراجات کی کفالت صرف اس کے باپ کے ذمہ ہی ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ اگر میت کے مادری بھائی بہنیں موجود ہوں تو ماں کے حصہ میں کمی نہیں پڑتی۔

مسئلہ ۱۱:۔ وارث زوجہ اور لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو ملے گا جس کا حسب سابق تقسیم کریں گے

مسئلہ ۱۲:۔ وارث زوجہ لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں باپ دونوں ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو بدستور سابق ملے گا۔

مسئلہ ۱۳:۔ وارث زوجہ لڑکی اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ لڑکی کو $\frac{1}{2}$ اور ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ ملے گا۔ اور باقی بحق قرابت ماں یا باپ اور لڑکی پر ان کے حصص کے مطابق رد ہوگا یعنی ۲۴ میں سے ۳ حصے زوجہ کو ۱۲ حصے لڑکی اور ۴ حصے ماں یا باپ کو دیئے جائیں گے باقی پانچ حصے بچے ہیں اور ماں یا باپ اور لڑکی کے حصوں میں ایک اور تین کی نسبت ہے۔ پس یہ پانچ ماں

یا باپ اور لڑکی پر ایک اور تین کی نسبت سے تقسیم ہوں گے کل جائداد ۹۶ حصّوں پر تقسیم ہوگی ۔ زوجہ کو ۱۲ ، لڑکی کو ۶۳ اور ماں یا باپ کو ۲۱ ملیں گے ۔

مسئلہ ۱۴ :۔ وارث زوجہ لڑکی اور ماں باپ دونوں ہوں ۔ زوجہ کو $\frac{1}{8}$ لڑکی کو $\frac{1}{2}$ اور باپ کو $\frac{1}{6}$ اور ماں کو بھی $\frac{1}{6}$ اور باقی ماں باپ اور لڑکی پر رد بحقِ قرابت ہوگا ۔ کل جائداد کے ۱۲۰ حصّے ہوں گے ۔ ۱۵ زوجہ کو ۔ ۶۳ لڑکی اور ۲۱ ماں کو اور ۲۱ باپ کو ملیں گے ۔ کیونکہ حقِ فرض سے کل پانچ بچے تھے جو حسب حصص لڑکی کو تین اور ماں اور باپ کے حصّوں میں ایک ایک کا بحقِ قرابت ردّ کا اضافہ ہوا ۔ بشرطیکہ ماں کے لئے $\frac{1}{6}$ سے زائد کے حاجب موجود نہ ہوں ۔

مسئلہ ۱۵ :۔ وارث شوہر ۔ لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں یا باپ ہو تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو بدستور سابق ۔

مسئلہ ۱۶ :۔ وارث شوہر لڑکے لڑکیاں یا صرف لڑکے اور ماں باپ دونوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی اولاد کو حسب دستور سابق ۔

مسئلہ ۱۷ :۔ وارث شوہر لڑکی اور ماں یا باپ ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور باقی بحقِ قرابت لڑکی اور ماں یا باپ پر حسب حصص رد ہوگا ۔ کل بارہ حصّوں میں سے شوہر کو ۳ لڑکی کو ۶ اور ماں یا باپ کو ۲ ملیں گے اور ایک باقی کو ماں یا باپ اور لڑکی اپنے حصّوں کی نسبت سے تقسیم کریں گے ۔

مسئلہ ۱۸ :۔ وارث شوہر لڑکی اور ماں باپ دونوں ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں کو $\frac{1}{6}$ اور باپ کو $\frac{1}{6}$ اور جو بچے گا ۔ وہ لڑکی کو ملے گا ۔ اس صورت میں لڑکی پر نقص وارد ہوگا کیونکہ اس کا فرضی حصّہ $\frac{1}{2}$ تھا لیکن اسے اس صورت میں بارہ حصّوں میں سے پانچ مل رہے ہیں جو $\frac{1}{2}$ سے کم ہے ۔

مسئلہ ۱۹ :۔ وارث زوجہ دو یا دو سے زائد لڑکیاں اور ماں یا باپ ہوں تو زوجہ کو $\frac{1}{8}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ اور لڑکیوں کو $\frac{2}{3}$ ملے گا اور جو باقی بچے گا وہ سابق حصص کے مطابق لڑکیوں اور ماں یا باپ کو حقِ قرابت سے ردّ میں ملے گا ۔ گویا ۱۲۰ میں سے ۱۵ زوجہ کو اور ۸۰ بحقِ فرض لڑکیوں کو اور ۲۰ بحق فرض ماں یا باپ کو ملیں گے اور باقی ایک اور چار کی نسبت سے چار لڑکیوں کو اور ایک ماں یا باپ کو دیا جائے گا پس لڑکیوں کا کل حصّہ ۸۴ اور ماں یا باپ کا حصّہ ۲۱ ہو جائے گا ۔

مسئلہ ۲۰ :۔ وارث زوجہ دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں اور باپ دونوں ہوں کل ۲۴ حصّوں میں سے ۳ زوجہ کو اور ۴ باپ کو ملیں گے اور باقی ۱۳ لڑکیوں کو ملیں گے ۔ اس صورت میں لڑکیوں کا حصّہ فرضی ۱۶ ہونا چاہیئے تھا لیکن ان کو اپنے حصّے فرضی سے کم مل رہا ہے ۔

مسئلہ ۲۱ :۔ وارث شوہر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں یا باپ ہوں تو شوہر کو $\frac{1}{4}$ ماں یا باپ کو $\frac{1}{6}$ یعنی ۲۴ میں سے ۶ شوہر کو اور ۴ ماں یا باپ کو اور باقی ۱۴ لڑکیوں کو ملیں گے جو فرضی حصّے سے ۲ کم ہوتے ہیں ۔

مسئلہ ۲۲:- وارث شوہر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں اور ماں باپ دونوں ہوں تو شوہر کو ۲۴ میں سے ۶ اور ماں کو ۴ اور باپ کو بھی ۴ اور باقی ۱۰ حصے لڑکیوں کو ملیں گے جو ان کے فرضی حصہ سے ۶ کم ہیں۔

مسئلہ ۲۳:- عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، خواہ نکاح کے بعد ان کی رسم شادی ادا نہ بھی کی گئی ہو اور دخول بھی نہ ہُوا ہو، البتہ اگر مرد مرضِ موت میں کسی سے شادی کرلے اور بلا دخول مرجائے تو عورت اس کی وارث نہ ہوسکے گی لیکن اگر تندرست ہوکر پھر کسی حادثہ سے اس کی موت بلا دخول واقع ہوئی تو عورت اس کی وارث ہوگی اور عورت کی موت کی صورت میں یہ اس کا وارث ہوگا۔

مسئلہ ۲۴:- طلاق رجعی کی صورت میں عدّت کے اندر اندر عورت و مرد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

طبقاتِ وراثت کی تفصیل

قرآنِ مجید میں قانونِ وراثت کے متعلق چند آیات ہیں جن سے تمام فرعی جزئی مسائل اخذ کئے جاتے ہیں۔

(۱) سورۂ نساء کی آیت ۷ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ الخ (۲) اسی سورہ کی آیت ۱۱ يُوصِيكُمُ اللهُ الخ (۳) آیت ۱۲ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ الخ (۴) اسی سورہ کی آخری آیت ۱۷۶ يَسْتَفْتُونَكَ الخ (۵) سورہ انفال کی آخری آیت ۷۵ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ الخ (۶) سورۂ احزاب آیت ۶ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ الخ۔ پس شوہر اور بیوی کے معین حصے مقرر ہوجانے کے بعد قرآن میں سے ایک کُلّی قاعدہ نکلتا ہے کہ رشتہ میں ہر قریبی دُور کے رشتہ والے کے لئے وراثت سے مانع ہوتا ہے۔ پس وراثت کے لئے وارثوں کے طبقات تین ہیں۔

طبقہ اولیٰ:- جو سب سے زیادہ قریب ہیں، ماں باپ اولاد، اور اولاد کی عدم موجودگی میں اولاد کی اولاد جہاں تک چلے جائیں اور ہر درجہ میں قریب کی موجودگی بعید کے لئے وراثت سے مانع ہوگی اور اولاد کی اولاد بھی اولاد ہی کہلاتی ہے لہٰذا اسی پہلے طبقہ میں اس کا شمار ہے۔

دوسرا طبقہ:- بھائی بہنیں اور دادا، دادی اور نانا نانی اور اُن کی عدم موجودگی میں باپ کا دادا دادی اور نانا نانی اور ماں کا دادا دادی اور نانا نانی وعلیٰ ہٰذالقیاس، ان کے اور میّت کے درمیان ایک ہی واسطہ ہے اور وہ ماں اور باپ ہیں۔ ماں، نانا اور نانی کو ملاتی ہے۔ باپ دادا اور دادی کو ملاتا ہے اور یہی دونوں بھائی بہنوں کو میّت سے ملاتے ہیں پس بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد اور ان کے بعد اُنکی اولاد کی اولاد جہاں تک چلے جائیں بھائی بہنوں کے قائم مقام ہوں گے۔ بھائی کی اولاد بھائی کا حصّہ لے گی خواہ ایک کی ہو یا زیادہ کی خواہ ایک ہو یا زیادہ خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اور اگر دونوں ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور بہن کی اولاد بہن کا حصّہ لے گی، خواہ ایک ہو یا زیادہ اور خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں اور آپس میں ایک اور

دد کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد کی بھی یہی صورت ہوگی لیکن ہر درجہ میں جو زیادہ قریب ہوگا وہ دُور والے کے لئے وراثت سے مانع ہوگا اور اس طبقہ میں صرف مادری بھائی بہنیں یا اُن کی اولاد میں اپنا حاصل شدہ حصّہ برابر تقسیم ہوگا یہاں ایک اور دد کی نسبت کا لحاظ نہ ہوگا۔

تیسرا طبقہ:۔ چچے ماموں اور ان کی بہنیں ان کو میّت سے دو واسطوں کے ذریعے سے قرب حاصل ہے ایک ماں و باپ کا واسطہ دوسرا دادا اور دادی یا نانا و نانی کا واسطہ۔ اس طبقہ میں ماموں اور ان کی بہنوں میں اپنا حصّہ برابر تقسیم ہوگا اور اسی طرح ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد لڑکے لڑکیاں اپنے حصّے کو آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ نیز وہ چچے اور پھوپھیاں جو باپ کے صرف مادری بھائی بہن ہوں، وہ اور ان کی اولاد بھی اپنے حصّے کو برابر آپس میں تقسیم کریں گے۔ یہاں ایک اور دد کی نسبت نہ ہوگی۔ نیز ہر درجہ میں قریب کی موجودگی دور والے کے لئے وراثت سے مانع ہوگی۔

مسئلہ:۔ بھائی بہنوں کی چونکہ تین قسمیں ہیں (۱) مادری (۲) پدری (۳) پدری و مادری۔ پس جس مقام پر یہ تینوں قسمیں ہوں تو صرف پدری بھائی بہنیں وراثت سے محروم ہوں گے لیکن مادری بھائی بہنوں کو اپنا حصّہ ملے گا۔ اسی طرح پدری و مادری بھائی بہنوں کی اولاد کی موجودگی میں صرف پدری بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوگی لیکن مادری بھائی بہنوں کی اولاد کو اپنا حصّہ ملے گا۔

مسئلہ:۔ اگر ایک قسم کے بھائی یا بہنیں موجود ہوں اور دوسری قسم کے بھائی بہنوں کی اولاد موجود ہو تو وارث صرف بھائی بہنیں ہوں گے خواہ صرف مادری ہی کیوں نہ ہوں اور بھائی بہنوں کی اولاد محروم ہوگی خواہ وہ پدری و مادری بھائی بہنوں کی اولاد ہی کیوں نہ ہوں کیوں کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد محروم ہوا کرتا ہے۔

مسئلہ:۔ قریبی جد کی موجودگی میں بعید جد وارث نہ ہوگا، خواہ قریبی جد مادری رشتہ سے ہو اور بعید کا جد پدری رشتہ رکھتا ہو پس نانا یا نانی کی موجودگی میں باپ کا دادا دادی اور نانا نانی محروم ہوں گے۔ لیکن قریبی جدّ بھائی بہنوں کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد یا اولاد در اولاد کو نہیں روک سکتے بلکہ وہ اپنا حصّہ لیں گے اور دوسری طرف بھائی بہنوں کی موجودگی جد بعید کے لئے بھی مانع نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ:۔ تیسرے طبقہ میں بھی صرف پدری قرابت دار پدری و مادری قرابت داروں کی موجودگی میں محروم ہوا کرتے ہیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے قائم مقام ہوتے ہیں لیکن مادری قرابت دار محروم نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنا حصّہ وصول کریں گے اور ان کی اولاد کی بھی یہی کیفیّت ہوگی۔

مسئلہ:۔ اقرب کی موجودگی میں ابعد کو وراثت نہ ملے گی۔ مثلاً چچا کی موجودگی میں کسی چچا یا ماموں یا اُن کی بہنوں کی اولاد وارث نہ ہوگی، خواہ چچا، باپ کا صرف مادری بھائی ہی کیوں نہ ہو اور جن چچوں اور ماموں کی اولاد محروم ہے خواہ وہ پدری و مادری کیوں نہ ہوں بلکہ ماموں یا اس کی بہن کی موجودگی میں چچے کی اولاد محروم ہوگی خواہ وہ صرف مادری رشتہ رکھتے ہوں اور اس کا رشتہ پدری و مادری ہو کیونکہ وہ اقرب ہے اور یہ اس سے دُور ہیں البتہ اس مقام پر صرف ایک مسئلہ ہے جو اجماعا

اس قاعدہ سے خارج ہے اور وہ یہ کہ اگر میت ایک چچازاد بھائی اور ایک چچا چھوڑ جائے جبکہ چچا صرف اس کے باپ کا پدری بھائی ہو اور چچازاد پدری و مادری بھائی کا بیٹا ہو تو کہتے ہیں وارث چچازاد ہوگا اور پدری چچا محروم ہوگا۔ اس ایک مسئلہ کے علاوہ باقی ہر مقام پر یہ قاعدہ جاری و ساری ہے کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد کو کچھ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر میت کے چچے و ماموں اور ان کی بہنیں اور ان کی اولاد موجود نہ ہو تو پھر میت کے ماں باپ کے چچے ماموں یا ان کی اولاد ان کے قائم مقام ہوں گے اور یہ سلسلہ اوپر کی طرف چلا جائے گا اور قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہوگا۔

مسئلہ:۔ شوہر و بیوی ہر طبقہ والوں کے ساتھ جمع ہو سکتے ہیں اور اولاد کی عدم موجودگی میں ان کو فرض اعلیٰ ملے گا یعنی شوہر کو ½ اور زوجہ کو ¼۔

مسئلہ:۔ تیسرے طبقہ کی وراثت آیت مجیدہ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ الخ:۔ کی رُو سے ہے اور پہلے دونوں طبقوں میں اس آیت مجیدہ کے علاوہ خصوصی نصوص بھی وارد ہیں چنانچہ پہلے طبقہ کے لئے آیت يُوصِيكُمُ اللهُ اور دوسرے طبقہ کے لئے اس سے بعد کی آیت اور سورۂ نساء کی آخری آیت موجود ہیں۔

وراثت کے طریقے

وراثت پانے کے چار طریقے ہیں۔

(۱) فرض۔ ان کے حقدار وہی ہیں جن کے حقوق خداوند کریم نے اپنی پاک کتاب میں معین فرمادیئے ہیں۔ اور وہ چار ہیں پہلی ماں اس کا فرض ⅙ حصہ ہے اولاد کی موجودگی میں اور ⅓ حصہ ہے جبکہ میت کی اولاد نہ ہو بشرطیکہ اس کے ⅓ سے زیادہ کے مانع موجود نہ ہوں اور وہ میت کے پدری و مادری یا فقط پدری دو سے زیادہ بھائیوں کی موجودگی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں ہیں اور دوسرے صرف فرض کے حقدار ہیں۔ میت کے مادری بھائی جبکہ پہلا طبقہ موجود نہ ہو پس یہ ایک ہو تو اس کا فرض ⅙ اور زیادہ ہوں تو ان کا فرض ہے ⅓ جس کو وہ زن و مرد آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ وَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ الخ:۔ یعنی اگر وہ شخص کلالہ ہے یعنی اس کا وارث طولی رشتہ میں یعنی پہلے طبقہ میں کوئی نہیں خواہ وہ مرنے والا مرد ہو یا عورت اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو (مادری) تو ان میں سے ہر ایک کو ⅙ حصہ دیا جائے گا اور اگر بھائی یا بہنیں ایک سے زیادہ ہوں (مادری) وہ سب کے سب ⅓ میں شریک ہیں گویا ان کی باہمی تقسیم زن و مرد کے لئے ایک اور دو کی نسبت کا لحاظ نہیں بلکہ وہ سب برابر کے شریک ہیں اس مقام پر بھائی یا بہنیں صرف مادری مراد ہیں کیونکہ اسی سورہ کے آخر میں بھی کلالہ کی وراثت کا ذکر ہے اور وہاں فرمایا ہے کہ اگر ایک بہن ہو تو اس کا فرض ½ اور زیادہ ہوں تو ان کا فرض ⅔ اور اگر زن و مرد ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور وہاں بھائی بہنوں سے مراد ہے پدری و مادری یا ان کی عدم موجودگی میں صرف پدری اور تیسرے فرض کی حقدار زوجہ اور چوتھا شوہر ہے۔

(۲) وراثت کا دوسرا طریقہ قرابت ہے جن کی وراثت اُولُوالْاَرْحَام ۔ والی آیت سے ثابت ہے۔

(۳) وراثت کا تیسرا طریقہ کبھی وقت فرض اور کبھی وقت قرابت ۔ یہ باپ بیٹوں اور پدری و مادری یا صرف پدری بہنوں کے لئے ہے ۔ مثلاً باپ اولاد کی موجودگی میں فرض کا مالک یعنی ۱/۶ حصہ کا اور اُن کی عدم موجودگی میں وُہ قرابت سے وارث ہوتا ہے۔ اور بیٹیاں میّت کے ماں باپ کی موجودگی میں فرض کی مالک ہیں اور اپنے بھائیوں کی موجودگی میں قرابت سے وراثت پاتی ہیں اسی طرح مادری پدری بہنیں صرف مادری بہنوں کی موجودگی میں فرض کی مستحق ہوتی ہیں اور اپنے بھائیوں کی موجودگی میں قرابت سے حصّہ لیتی ہیں۔

(۴) چوتھا طریقہ فرض اور قرابت دونو۔ وہ صاحبانِ فروض ہیں جن کو فروض سے بچا ہُوا بطور رُد کے تقسیم ہوتا ہے پس وہ فرض کے حقدار ہوتے ہیں کیونکہ ان کے حِصّے قرآن مجید نے معین فرما دیئے ہیں اور باقی بطور رد ان کو ملتا ہے آیت اُولُوالْاَرْحَام کی رُو سے کیونکہ آیتِ مجیدہ میں یہ نہیں کہ رشتہ میں قرب وبعد کا لحاظ فروض کے نہ ہونے کی صورت میں ہے بلکہ آیت مطلق ہے اور ہر قریبی پر صادق ہے اور جو افراد قرابت میں اَولیٰ ہوں گے وُہ اس آیت کی رُو سے حصّہ دار بنیں گے خواہ اس سے پہلے وہ فرض سے لے چکے ہوں یا نہ لے چکے ہوں ۔ بنا بریں علمائے امامیہ کے نزدیک تعصیب باطل ہے یعنی یہ کہ فروض سے بچا ہُوا مال ان کے بعد والے موجودہ طبقہ میں حسبِ قرابت تقسیم ہو۔

مسئلہ عول کا بطلان

جس طرح ہمارے نزدیک تعصیب کا قول باطل ہے اسی طرح عول کا قول بھی باطل ہے یعنی جب معین شدہ فروضِ قرآنی اصل ترکہ کے واجب التقسیم عدد سے بڑھ جائیں جسطرح مسائل گذشتہ میں مسئلہ نمبر۲۰ ، ۲۱، ۲۲ کی مثالوں میں ہے تو عول کے قائل یہ کہتے ہیں کہ عدد واجب التقسیم پر اسی قدر حصص بڑھا دیئے جائیں۔ جتنوں کی کمی پڑتی ہے پھر ہر صاحب کو اپنا معین حصّہ دیا جائے اور اس اعتبار سے کمی تمام وارثوں پر اپنے حصص کے مطابق وارد ہوگی ۔ مثلاً مسئلہ نمبر۲۰ میں شوہر ماں باپ اور لڑکی موجود ہے تو شوہر ۱/۴ کا ماں ۱/۶ کی باپ ۱/۶ کا لڑکی ۱/۲ کی وارث تھی۔ ۱/۴ ، ۱/۶ ، ۱/۲ کیلئے واجب التقسیم عدد ہے ۱۲ لیکن وارثوں کے حِصّے شوہر کو ۳ ماں کو ۲ باپ کو ۲ اور لڑکی ۶ اگر دیئے جائیں تو ناممکن ہے کیونکہ یہ بنتے ہیں ۱۳ ، اور عدد واجب التقسیم میں ایک کی کمی ہے ۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اسی کمی کو عدد واجب التقسیم پر بڑھا کر عدد واجب التقسیم ۱۳ قرار دیا جائے اور ۱/۲ ، ۱/۶ اور ۱/۴ کی نسبت کا حساب ۱۳ سے کیا جائے اور اسی لحاظ سے اس جائداد کے ۱۳ حصّوں میں سے اپنا اپنا حِصّہ ہر ایک کو دیا جائے ۔ اس صورت میں ہر وارث پر اپنی حیثیت سے کمی وارد ہوگی اور اسی طرح مسئلہ نمبر۲۰ ، ۲۱ ، ۲۲ میں بھی عدد واجب التقسیم پر کم ہونے والے عدد کو جمع کرکے ہر وارث کو اپنا فرضی حِصّہ عدد واجب التقسیم کی نسبت سے دیا جائے گا۔ لیکن اس صُورت میں خدائے دانا و بینا کے علم پر اعتراض وارد ہوگا کہ اس نے اپنی کتاب میں ایسے حِصّے کیوں مقرر فرما دیئے جبکہ حساب کے لحاظ سے عدد واجب التقسیم میں گنجائش ہی نہیں تھی۔

اسی بناء پر علماء امامیہ کے نزدیک عول کا قول باطل ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السّلام نے اس کا حل یہ فرمایا ہے کہ اس

قسم کے فروض کے جمع ہونے کی صورت میں فروض کا جائزہ لیا جائے۔ پس جن فرضوں کا خداوندِ حکیم نے دوسرا بدل مقرر فرمایا ہے وہ اپنے بدل سے پیچھے نہ ہٹیں گے اور جن فرضوں کا بدل مقرر نہیں فرمایا وہ ہٹائے جائیں گے۔

مثلاً شوہر کے لئے $\frac{1}{2}$ حصّہ مقرر ہے لیکن اگر میت کی اولاد موجود ہو تو اس کا فرض پیچھے ہٹا کر $\frac{1}{4}$ کر دیا جاتا ہے جو پہلے فرض کا بدل ہے اب اس کے کم از کم حصّے کی حد مقرر ہو گئی جس سے اسے پیچھے نہیں ہٹایا جا سکتا اسی طرح عورت کا $\frac{1}{4}$ ہے لیکن اولاد کی موجودگی اسے پیچھے ہٹا کر $\frac{1}{8}$ تک کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ اس کا کم از کم حصّہ ہے کہ اس کو اس سے پیچھے نہیں ہٹایا جا سکتا۔ وعلیٰ ہذالقیاس ماں کے $\frac{1}{3}$ کا بدل $\frac{1}{6}$ اولاد کی موجودگی میں ہے اور باپ کے لئے اولاد کی موجودگی میں $\frac{1}{6}$ حصّہ مقرر ہے جسے اور کم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح مادری بھائی بہنوں میں سے ایک کے لئے $\frac{1}{6}$ اور زیادہ کے لئے $\frac{1}{3}$ کی حدود مقرر ہیں۔ جن سے کم نہیں کیا جا سکتا۔

بخلاف اس کے ایک لڑکی یا چند لڑکیاں ان کے لئے انفرادی صورت میں $\frac{1}{2}$ یا $\frac{2}{3}$ کی زیادہ سے زیادہ فرضی حدیں بتائی گئی ہیں لیکن طبقہ میں ورثاء کی کثرت کے بعد یقیناً ان کو کل جائداد سے یہ حصّہ نہیں مل سکتا اور انہیں اس حق سے پیچھے ہٹنا پڑتا ہے اور خداوند کریم نے اپنی مقدّس کتاب میں ان کے کم از کم حصّہ کی حد مقرر نہیں فرمائی اس طرح پدری مادری یا صرف پدری بہنیں ان کا بھی $\frac{1}{2}$ یا $\frac{2}{3}$ زیادہ سے زیادہ حصّہ انفرادی صورت میں مقرر کیا گیا ہے لیکن ورثاء کی کثرت کے بعد کم از کم حصّہ قرآن مجید نے بیان نہیں فرمایا۔

پس معلوم ہوا کہ جب فروض زیادہ ہو جائیں اور عدد واجب التقسیم میں سے پورے نہ ہو سکیں تو کمی انہیں پر وارد ہو گی۔ جن کے لئے کم از کم مقدار مقرر نہیں کی گئی

چنانچہ منقول ہے ابنِ عباس فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص چاہے میں اس کے ساتھ حجرِ اسود کے پاس جا کر مباہلہ کرنے کیلئے تیار ہوں اور میرا دعویٰ ہے کہ خدا نے اپنی کتاب میں $\frac{1}{2}$، $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{3}$ کو کہیں جمع نہیں فرمایا اور نیز کہتے تھے کہ سبحان اللہ وہ اللہ جو ریگ صحراء کے ذرات کو جانتا ہے کیا وہ ایک عدد میں $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{3}$ کے جمع ہو جانے کو کہتا ہے۔ $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{2}$ سے تو مال پورا ہو گیا پھر $\frac{1}{3}$ کہاں جائے گا؟ اس پر زفر نے سوال کیا کہ فرائض میں سب سے پہلے عول کا قائل کون ہوا؟ تو ابن عباس نے جواب دیا کہ وہ حضرت عمر تھے کہ جب فرائض جمع ہو گئے تو کہنے لگے خدا کی قسم میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم میں سے خدا نے کس کو مقدم اور کس کو موخر کیا ہے پس اس کا علاج میرے نزدیک یہ ہے کہ حصص کے لحاظ سے مال کو سب پر تقسیم کر دوں۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے فرمایا خدا کی قسم اگر اللہ کے مقدم کئے ہوئے کو تم لوگ مقدم کرتے اور اس کے موخر کئے ہوئے کو تم لوگ موخر کرتے تو عول کی نوبت نہ آتی۔ زفر نے پوچھا کہ کون مقدم اور کون موخر ہیں تو ابن عباس نے جواب دیا۔ ہر وہ فریضہ جس کو خدا نے کم کر کے ایک دوسری حد تک پہنچا دیا ہے وہ ہے مقدم اور ہر وہ فریضہ جس کے لئے اپنی جگہ سے ہٹنے کے بعد دوسری حد معین نہیں بلکہ وہ باقی رہی ہوئی چیز کا حقدار ہے تو وہ ہے موخر۔ مثلاً شوہر کا فریضہ مقدم ہے کیونکہ معارض کے وقت اپنی جگہ سے ہٹ کر اپنا دوسرا معین مقام لے لیتا ہے اور اسی طرح زوجہ اور ماں کا فریضہ لیکن بیٹیوں اور بہنوں کے لئے $\frac{1}{2}$ اور $\frac{2}{3}$ کے فریضے ہیں اور جب

دوسرے فروض ان کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں تو ان کی کمی کا آخری مقام معین نہیں بلکہ جو کچھ بچے گا لیں گی اور یہ ہیں مؤخر۔
پس جس مقام پر فروض اکٹھے ہو جائیں اور ان میں سے بعض مقدّم ہوں اور بعض مؤخر ہوں تو پہلے مقدّم فریضے نکال لئے جائیں گے اور مال میں سے جو کچھ بچے گا وہ موخر فریضے والوں کا ہوگا۔ (شرح لمعہ ج ۲) وتفسیر میزان نقلاً عن الکافی) نیز صاحب میزان نے درّ منثور سے بروایتِ حاکم وبیہقی وغیرہ اس مضمون کی روایات نقل کی ہیں۔
افسوس کہ لوگوں نے قرآن کی تفسیر و تاویل کے لئے اہلبیت عصمت کا دروازہ چھوڑ دیا ورنہ اگر بفرمانِ رسولؐ امت کا تمسک ثقلین سے ہوتا تو قرآن میں ان غلط تاویلات اور الٹے معانی کا سدِّ باب ہو جاتا اور امتِ اسلامیہ کا شیرازہ منتشر نہ ہونے پاتا۔ روایتِ مذکورہ میں ½ اور ½ اور ⅓ حصص کے جمع ہونے کی صورت سے مراد ہے مثلاً میت کی پدری مادری یا فقط پدری ایک بہن اور ایک شوہر اور دو یا دو سے زیادہ مادری بھائی بہنیں ہوں تو پدری بہن کو ½ اور شوہر کو ½ اور مادری بھائی بہنوں کو ⅓ ملنا چاہیے لیکن واجب التقسیم عدد میں ان حصص کی گنجائش نہیں ہو سکتی کیونکہ ½ اور ½ سے مال پورا ہو جائے گا۔ اور اگر صورتِ مذکورہ میں پدری بہنیں ایک سے زیادہ ہوں تو ان کا فرض ⅔ ہے۔ مادری بہنوں کے حصہ ⅓ سے ملا کر مال پورا ہو جائے گا۔ پھر شوہر کے ½ کی گنجائش نہ ہوگی۔ نیز اگر مادری بہن صرف ایک بھی ہو تو ⅙ حصہ ہوتا ہے اور وہ بھی زائد از مال بنتا ہے اور اگر شوہر کی بجائے زوجہ فرض کی جائے تو پدری بہنوں کے ایک سے زیادہ ہونے اور نیز مادریوں کے زیادہ ہونے کی صورت میں اس کے حصہ کی گنجائش بھی نہ رہے گی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ پس ان سب صورتوں میں حل کی صورت یہی ہے کہ جن کا قرآن میں کم از کم حق مقرر شدہ ہے وہ مقدم ہیں اور ان کو اپنا حق پورا دیا جائے گا اور جن کے کم حصہ کی کوئی حد مقرر نہیں نقص ان پر داخل کیا جائے گا لہٰذا ان صورتوں میں نقص صرف پدری بہنوں پر وارد ہوگا اور مادریوں کو اور شوہر یا زوجہ کو اپنا حصہ پورا دیا جائے گا

طبقہ ثانیہ کی وراثت

اس مقام پر قرآن مجید نے طبقہ ثانیہ میں سے صرف مادری کلالہ کا ذکر فرمایا ہے اور اسی سورہ کے آخر میں پدری کلالہ کو ذکر کیا ہے اور اسی طبقہ ثانیہ میں دادا دادی اور نانا نانی اور ان سے اوپر کا جدی سلسلہ أُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ کے قاعدہ کی رو سے داخل ہے۔ پس مناسب ہے کہ مختصر طور پر ان کی وراثت کا ذکر کیا جائے تاکہ آخر سورہ میں پھر اس تفصیل کا اعادہ نہ ہو۔
مسئلہ ۱:- اگر وارث دادا یا دادی یا نانا یا نانی ہو تو سب مال اسی کو ملے گا اور اگر اکٹھے ہو جائیں تو باپ کے نسبت داروں کو ⅔ اور ماں کے نسبت داروں کو ⅓ ملے گا۔ پس باپ کے نسبت دار اگر دونوں یعنی دادا اور دادی موجود ہوں تو آپس میں ایک اور دو کی نسبت سے لیں گے اور ماں کے نسبت دار آپس میں برابر تقسیم کریں گے اور اگر دادا یا دادی میں سے ایک ہو اور نانا یا نانی میں سے بھی ایک ہو تو دادا یا دادی کو ⅚ اور نانا یا نانی کو ⅙ دیا جائے گا۔
مسئلہ ۲:- اگر بھائی یا بہن تنہا ہو تو سب مال اسی کو ملے گا خواہ پدری مادری ہو یا مادری اور اگر تینوں قسمیں جمع ہو جائیں تو صرف پدری محروم ہوں گے اور مادری ایک بھائی یا بہن کو ⅙ اور باقی سب مال پدری مادری بھائی یا بہن کو ملے گا۔ صرف

ایک بہن $\frac{1}{2}$ حصہ فرض کے ساتھ اور باقی رد کے ساتھ لے گی جس طرح لڑکی کے لئے مذکور ہو چکا ہے اسی طرح صرف مادری بھائی یا بہن تنہا وارث ہونے کی صورت میں فرضی حصہ کے علاوہ باقی بطور رد لیں گے۔

مسئلہ ۳:۔ اگر تینوں قسموں کے بھائی بہنیں متعدد ہوں تو صرف پدری محروم ہوں گے اور مادریوں کو $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا جو ان پر زن و مرد میں برابر تقسیم ہوگا اور مادری پدری بھائی بہنوں کو باقی دیا جائے گا جس کو وہ آپس میں عورت و مرد ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۴:۔ اگر ایک بہن پدری و مادری اور ایک بہن صرف مادری موجود ہوں تو پدری کو $\frac{1}{2}$ اور مادری کو $\frac{1}{6}$ اور باقی بحق قرابت صرف پدری بہن پر رد ہوگا کیونکہ قرابت میں مادری و پدری اولیٰ ہے اور رد میں صرف قرابت کی اولویت کا لحاظ ہوتا ہے اسی طرح اگر مادری کلالہ متعدد ہو تو وہ $\frac{1}{3}$ کو آپس میں تقسیم کریں گے لیکن رد ان پر نہ ہوگا۔ بلکہ باقی بچا ہوا صرف پدری بہن پر رد ہوگا و علیٰ ہذا القیاس۔

مسئلہ ۵:۔ اگر پدری و مادری بہن کی بجائے صرف پدری بہن اور اس کے ساتھ صرف مادری بھائی یا بہن ہوں تو کیا فرض سے بچا ہوا بحق قرابت فریقین پر تقسیم ہوگا یا صرف پدری پر تقسیم ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے لیکن قوت اس قول میں ہے کہ صرف پدری کو رد ملے کیونکہ فرض کی زیادتی کے وقت نقص بھی صرف پدری رشتہ پر وارد ہوا کرتا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے منقولہ روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

مسئلہ ۶:۔ اگر دادا، دادی، نانا نانی اور تینوں قسم کے بھائی بہنیں موجود ہوں تو صرف پدری بھائی بہنیں محروم ہوں گے اور اس کے بعد ترکہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ مادری قرابت کو $\frac{1}{3}$ دیا جائے گا جس کو نانا نانی اور مادری بھائی بہنیں آپس میں برابر تقسیم کریں گے۔ اور پدری قرابت کو $\frac{2}{3}$ حصہ ملے گا کہ دادا دادی اور بھائی بہنیں مذکر و مؤنث ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے گویا نانا نانی مادری بھائی بہنوں کے برابر اور دادا دادی پدری بھائی بہنوں کے برابر شمار ہیں۔

مسئلہ ۷:۔ دادا دادی اور نانا نانی موجود نہ ہوں تو پردادوں اور پرنانوں کو اسی دستور سے حصہ دیا جائے گا۔ لیکن قریبی کی موجودگی دور والے کے لئے مانع ہوگی یعنی دادا کی یا دادی کی موجودگی میں پرنانا اور پرنانی محروم ہوں گی اور نانا یا نانی کی موجودگی میں پردادا اور پردادی محروم ہوں گے لیکن اگر دادے یا نانے قریب کے نہ ہوں بلکہ دور کے ہوں مثلاً پردادے یا پرنانے تو میت کے بھائیوں کے ساتھ وہ شریک ہوں گے اور میت کے بھائی ان کے لئے مانع نہیں ہو سکتے۔

مسئلہ ۸:۔ اگر بھائی موجود نہ ہوں تو ان کی اولاد ان کی قائمقام ہوگی اور اولاد میں سے ہر کو وہی حصہ ملے گا جو اس کے ماں باپ کی موجودگی میں ان کو ملنا چاہیئے تھا اور ان کی تقسیم باہمی بھی اسی رشتہ کے لحاظ سے ہوگی یعنی اگر پدری بھائی بہنوں کی اولاد ہیں تو حاصل شدہ حصہ ایک اور دو کی نسبت سے زن و مرد میں تقسیم ہوگا اور اگر مادریوں کی اولاد ہیں تو برابر تقسیم ہوگی۔

مسئلہ ۹ :- قریب کی موجودگی میں بعید محروم ہوگا یعنی بھائی یا بہن کی موجودگی میں کسی بھائی کی اولاد حصہ دار نہ ہوسکے گی خواہ موجودہ بھائی مادری ہو اور اولاد پدری کی ہو۔ ہاں دادا دادی اور نانا نانی کا قرب بھائیوں کی اولاد کے لئے مانع نہیں ہوسکتا۔ اس قاعدہ سے صرف ایک مسئلہ مستثنیٰ ہے جو صفحہ ۱۲۷ کے شروع میں درج کیا جاچکا ہے۔

مسئلہ ۱۰ :- اگر اس طبقہ میں زوج یا زوجہ بھی شامل ہوجائیں تو ان کو اصل جائداد سے اپنا اعلیٰ حصہ دیا جائے گا اور باقی میں دوسرے وارثوں پر تقسیم ہوگی۔ یعنی $\frac{1}{2}$ شوہر اور $\frac{1}{4}$ زوجہ کو ملے گا کیونکہ اولاد کی موجودگی میں ان کا فرضی حصہ یہی ہے۔

مسئلہ ۱۱ :- فروض کی زیادتی کی صورت میں نقص پدری قرابت پر وارد ہوگا جس طرح ایک پدری بہن ایک مادری بہن اور ایک شوہر کی صورت میں مادری بہن اور شوہر اپنا اپنا حصہ پورا لیں گے اور کمی پدری بہن پر پڑے گی۔ اسی طرح ایک دادی ہو اور ایک نانی ہو اور شوہر بھی ہو تو ایک نانی کو $\frac{1}{3}$ اور شوہر کو $\frac{1}{2}$ دیا جائے گا جو باقی بچے گا وہ دادی کا ہوگا کلیات بیان کردیئے گئے ہیں اسی کے ماتحت جزئیات کو دریافت کیا جاسکتا ہے۔

طبقہ ثالثہ کی وراثت

اس سے وہ وارث مراد ہیں جو آیت اُولُوالْاَرْحَامِ کے حکم سے استحقاقِ وراثت رکھتے ہیں اگرچہ اس مقام پر ان کا بیان بے ربط ہے لیکن تتمہ کے طور پر ان کا ذکر خالی از فائدہ نہیں

مسئلہ ۱ :- جب میت کے بھائی بہنیں وغیرہ موجود نہ ہوں تو اس کے باپ کے بھائی بہنیں اور اس کی ماں کے بھائی بہنیں اور ان کی عدم موجودگی میں ان کی اولاد وارث قرار دی جائے گی اور اگر یہ بھی نہ ہوں تو پھر دادا دادی اور نانا نانی کے بھائی بہنیں یا ان کی اولاد وارث ہوگی اور بالترتیب یہ سلسلہ آگے جائے گا لیکن قریب کی موجودگی میں بعید ہر سلسلہ میں محروم قرار دیا جائیگا

مسئلہ ۲ :- چچے پھوپھیاں میت کے باپ کے بھائی بہنیں ہیں اور ماموں اور ان کی بہنیں میت کی ماں کے بھائی بہنیں ہیں۔ لہٰذا انفرادی طور پر ان میں سے جو بھی ہو خواہ چچا ہو پھوپھی ہو ماموں ہو یا خالہ ہو میت کی تمام جائداد کی حسب سابق وارث ہوگی خواہ باپ کا پدری بھائی یا بہن ہو یا مادری اور اسی طرح ماں کا پدری بھائی یا بہن ہو یا مادری۔

مسئلہ ۳ :- اگر صرف میت کے چچے پھوپھیاں تینوں قسم کے جمع ہوجائیں یعنی میت کے باپ کے پدری مادری بھائی بہنیں اور صرف پدری اور صرف مادری تو صرف پدری محروم اور پدری مادریوں کو $\frac{5}{6}$ زن و مرد کو ایک اور دو کی نسبت سے اور صرف مادریوں کو $\frac{1}{6}$ زن و مرد برابر تقسیم کریں گے اور اسی طرح اگر صرف میت کی ماں کی تینوں قسم کی برادری موجود ہو تو پدری ساقط اور پدری مادریوں کو $\frac{5}{6}$ اور مادریوں کو $\frac{1}{6}$ دیا جائے گا۔ لیکن یہ سب کے سب خواہ پدری ہوں خواہ مادری ہوں زن و مرد کی تقسیم میں برابر حصہ لیں گے۔ مادری قرابت میں ایک اور دو کی تقسیم نہیں ہوا کرتی۔

مسئلہ ۴ :- اگر میت کے تینوں قسموں کے چچے پھوپھیاں ماموں اور ان کی بہنیں جمع ہوجائیں تو دونو قرابتوں میں سے صرف پدریوں کو محروم کیا جائے گا۔ اس کے بعد جائداد تین حصوں میں تقسیم ہوگی $\frac{2}{3}$ چچے اور پھوپھیاں لیں گی اور $\frac{1}{3}$ ماموں اور ان کی بہنیں لیں گی۔ پھر چچوں اور پھوپھیوں میں سے جو صرف مادری ہیں اس حاصل شدہ میں سے $\frac{1}{6}$ لیں گے اور برابر آپس

میں تقسیم کریں گے اور باقی ⅔ پدریوں کے لئے ہوگا جو ایک اور دو کی نسبت سے تقسیم کریں گے اور اصل جائداد سے جو ماموں کو ⅓ ملتا تھا اس میں سے صرف مادری قرابت کو ⅓ ملے گا جو آپس میں برابر تقسیم کریں گے اور اس میں سے ⅔ پدری قرابت کو دیا جائے گا جس کو وہ بھی برابر تقسیم کریں گے مثلاً ترکہ کے ۳۶ حصے کئے جائیں گے، ۲۴ پدری قرابت اور ۱۲ مادری قرابت کو دیئے جائیں گے۔ ۲۴ میں سے ۱۶ میت کے باپ کے پدری بھائیوں کو اور ۸ مادری بھائیوں کو اور ۱۲ میں سے ۸ میت کی ماں کے پدری بھائیوں اور ۴ مادریوں کو دیئے جائیں گے۔

مسئلہ ۵: پدری و مادری قرابت کی عدم موجودگی میں صرف پدری قرابت ان کے قائم مقام ہوگی۔

مسئلہ ۶: اگر زوج یا زوجہ اس طبقہ میں آجائیں تو ان کو اپنا اعلیٰ حصہ شوہر کو ½ یا زوجہ کو ¼ دیا جائے گا

مسئلہ ۷: اس طبقہ میں بھی اگر فرض زیادہ ہو جائیں تو کمی پدری قرابت پر وارد ہوگی۔ مثلاً چچے ماموں اور زوج یا زوجہ موجود ہو تو ماموں اور زوج یا زوجہ کو اپنا فرض دیا جائے گا اور باقی جو بچے گا وہ چچوں کے لئے ہوگا اور وہ آپس میں بدستور سابق تقسیم کریں گے۔

مسئلہ ۸: طبقہ ثالثہ کی وراثت کے کلیات بیان ہو چکے ہیں اور ہر جزئی مسئلہ کو ان سے معلوم کیا جا سکتا ہے اگر ہر ہر جزئی کو بمعہ مثال درج کیا جائے تو ایک بڑی کتاب بن جائے گی جس کا ہمارے موضوع سے ربط نہیں ہے۔

مسئلہ ۹: وراثت کی مانع تین چیزیں ہیں ایک کفر، دوسرا قتل اور تیسرے غلامی۔ پس کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اور اسی طرح قاتل جس نے عمداً ظلماً قتل کیا ہو وہ اپنے مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا خواہ بیٹا ہی کیوں نہ ہو اور نیز غلام آزاد کا وارث نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ قانونِ وراثت میں بعضوں کو زیادہ اور بعضوں کو کم دینا۔ اس میں ہماری قیاس آرائیاں بے سود ہیں پس خداوند کریم نے جو حصص مقرر فرمائے اور جناب رسالتمآبؐ اور ان کے اوصیائے طاہرین علیہم السلام نے ان کی جو جو تفاصیل بیان فرمائی ہیں۔ ہمیں ان کو تسلیم کرنا چاہیے۔ یہاں ہمارے جذباتی خیالات کو کوئی دخل نہیں ہے چنانچہ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا یعنی تمہارے باپ اور بیٹوں کے رشتوں میں تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے لئے دنیا میں یا عقبیٰ میں کون نفع رساں ہے (تاکہ حقوقِ وراثت میں ان کے حصص کی کمی بیشی کے متعلق سوچو) یہ اللہ کی طرف سے فریضہ اور اللہ ہی علیم و حکیم ہے یعنی ان حصص کے مصالح کو اللہ ہی جانتا ہے اور اس نے اپنے علم و حکمت کے پیش نظر ان کے حصص میں فرق اور کمی و زیادتی مقرر فرمائی ہے پس صاحبِ ایمان کو صرف تسلیم کرنا چاہیے اور اس کی حکمت و مصلحت کو علم خدا پر چھوڑ دینا چاہیے اور یہی طریق نجات ہے

وراثت از روئے عقل اس میں شک نہیں کہ انسان کی اجتماعی تمدنی زندگی کی تنظیم میں قانونِ وراثت ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ ہم جب تاریخ عالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وراثت انسانی زندگی میں ایک

قدیم ترین سنت ہے جو ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے اور اگر فطرت وجبلت انسانیہ کا جائزہ لیا جائے تو نظر غائر اس نظریہ تک پہنچتی ہے کہ تمدنِ انسانی اور ناموسِ بشری کی حفاظت قانونِ وراثت کے بغیر ممکن ہی نہیں کیونکہ مال اور جملہ ضروریاتِ زندگی فطری طور پر انسان کے لئے جاذبِ طبع چیزیں ہیں۔ اور جس چیز کو انسان غیر مملوک اور آوارگی کے عالم میں دیکھے اس پر اپنے اولین لمحاتِ فرصت میں اپنی ملکیت کی مہر لگانا چاہتا ہے بلکہ جلبِ منفعت کا جذبہ تو اس حد تک کارفرما ہے کہ ہر محبوب شئے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی صورت میں اس پر کسی غیر کے قبضہ کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور مملوکات کے ایک سے دوسرے کی طرف انتقال کے بغیر بھی تمدنِ انسانی برقرار نہیں رہ سکتا پس دورانِ زندگی میں ملکیتوں کی تبدیلی کے ذرائع موجود ہیں لیکن کسی فردِ انسانی کی موت کے بعد جب اس کی مملوکہ اشیاء سے اس کا حقِ ملکیت سلب ہو جاتا ہے تو اس صورت میں اگر اس کے متبادل مالک بالکل قرار نہ دیئے جائیں تو انسانوں میں جنگ وجدال کا ایک طوفان برپا ہو کر انسانیت کی ناؤ کو ڈبو کر رکھ دے گا اور میزانِ عقل سے جب متبادل وارثوں کے انتخاب پر رائے زنی کی جائے تو جو لوگ متوفی کی زندگی میں اس کے اموال سے منتفع ہونے کے حقدار تھے یا جن لوگوں سے اس کا خونی یا سببی رشتہ قائم تھا وہ سب سے زیادہ اس کے اموال کے حقدار نظر آئیں گے اور انسان جب کسی کی زندگی میں اس کی ملکیت پر قبضہ جمانے کا خواہاں ہوتا ہے وہ اس کی موت کے بعد کیونکر اس خواہش سے دست بردار ہوگا لہذا ضروری ہے کہ جو لوگ ایک شخص کی زندگی میں اس کے مال سے منتفع ہونے کا حق رکھتے تھے۔ انہیں اس کے مرنے کے بعد سب انسانوں سے زیادہ حق دار سمجھا جائے تاکہ انسانیت باہمی فسادات کا شکار نہ ہونے پائے۔ اور فطری طور پر قرابت میں بھی قرب وبعد کا فرق اور یگانے وبیگانے میں امتیاز ضروری ہے لہذا وراثت انہیں کا حق ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ قریب ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ قانونِ وراثت انسان کی زندگی کا جزوِ اعظم ہے اور اسے عالم کے انسانوں نے دامنِ قبولیت میں جگہ دی ہوئی ہے۔ اور جو لوگ اشتراکیت کا علم اٹھا کر حقوقِ ملکیت کے خلاف نعرہ لگاتے پھرتے ہیں وہ درحقیقت فطرت کے اصولوں سے بغاوت کا اعلان کرتے ہیں۔ بہرکیف ہر قوم وملت میں قانونِ وراثت جاری رہا ہے البتہ جزئیاتِ مسائل میں وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہیں اور انسانی وضع شدہ قوانین ظلم واستبداد سے تو بری ہو نہیں سکتے لہذا اس مسئلہ میں کمزور طبقہ عورتیں یتیم اور بے طاقت لوگ ہمیشہ ظلم کے شکنجہ میں کچلے جاتے رہے۔ روم کی قدیم تاریخ اور اسی طرح یونان وہند کے حالاتِ قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ عورت کے لئے حقِ وراثت کے قائل نہیں تھے خواہ زوجہ ہو یا ماں یا بیٹی تاکہ ان کی جائداد وراثت کے ذریعے سے دوسرے قبائل میں کہیں نہ چلی جائے۔ ایران کی رسوم جداگانہ تھیں ان کے نزدیک محارم سے نکاح کرنا بھی جائز تھا زوجات میں سے جو شوہر کی زیادہ محبوب ہوتی تھی اس کو بیٹے کی طرح وراثت کا حقدار سمجھا جاتا تھا اور باقیوں کو محروم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح شادی شدہ لڑکی محروم اور کنواری لڑکیوں کو لڑکوں سے نصف دیا جاتا تھا۔ عرب جاہلی میں مطلقاً عورت کو محروم الارث کرنے کا رواج تھا (میزان)

اسلام کا احسانِ عظیم ہے انسانیت پر اور خصوصاً صنفِ نازک پر کہ اس نے ان کو مردوں کی طرح وراثت کا حقدار

بنایا اور اس کے وقار کی سطح کو بلند کیا اور یہ ثابت کیا کہ جس طرح انسانی تمدن میں مرد حصہ دار ہے اس میں عورت بھی اس کے دوش بدوش ہے ہاں مرد کو اگر عورت سے دگنا حصہ دیا ہے یعنی مرد کے لئے ۲ اور عورت کیلئے ایک تو پھر عورت کے اخراجات بھی اس نے مرد کے سر پر رکھ دیئے ہیں۔ گویا مرد کا حق ملکیت دو حصوں پر ہے لیکن ان کو کھانے اور تصرف میں لانے کے لئے اس کی عورت اس کی آدھ کی حصہ دار ہے اور عورت اپنے ملکیتی حصہ میں بھی تصرف کی بھی خود واحد مالک ہے پس ملکیت اور تصرف کے دونوں پہلوؤں پر نظر کی جائے تو مرد کی ملکیت عورت سے دگنی ہے لیکن عورت کا تصرف مرد کے تصرف سے دگنا ہے ایک مرد کے حصے کے نصف میں اور دوسرا اپنے ملکیتی حصے میں۔ پس عورت و مرد میں اس طرح یکسانیت ہو گئی۔

گویا خانگی زندگی کو کنٹرول میں لانے اور برقرار رکھنے کے لئے چونکہ خدا نے مردوں کو عورتوں کا حاکم قرار دیا اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ الخ تو اس کا حق ملکیت بھی دو گنا قرار دیا لیکن چونکہ یہ دونوں کتاب انسانیت کے دو اہم باب ہیں تو عورت کو تصرف میں دگنا حصہ دے دیا اور یہ عدل خداوندی ہے جو اس کے حکیمانہ تدبر کا نتیجہ ہے اسی طرح عورت کو اطاعتِ شوہر کا حکم دے دیا تاکہ نظام زندگی درہم برہم نہ ہو تو اس کے بدلہ میں اس کو ازدواجی زندگی میں حق مہر کا مالک بنا دیا۔

بہرکیف یہ قانونِ وراثت تمام انسانوں پر حاوی ہے اور اس سے کسی کو مستثنا نہیں قرار دیا گیا خواہ رئیس ہوں یا رعایا اور خواہ امتی ہوں یا نبی۔ ہاں اسلام میں سابق تاریخ جاہلی کو دہراتے ہوئے پہلے پہلے جناب رسالتمآبؐ کی دختر نیک اختر کو اپنے باپ کی وراثت سے محرومی کا منصوبہ تیار کیا گیا جس کی بنا پر آج تک مسلمانوں کے دلوں پر لڑکیوں کی وراثت کا مسئلہ ایک سنگِ گراں کی حیثیت رکھتا ہے۔

خاتونِ جنت کے مقدمۂ وراثت کے متعلق فخر الدین رازی کا فیصلہ

تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ مصر فرماتے ہیں

آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ الخ کی تفسیر میں کہ یہ آیت عام نہیں رہی بلکہ مخصص ہے اس حکم سے کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثت نہیں ہوا کرتی اور شیعہ اس تخصیص کے خلاف ہیں۔ مروی ہے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام نے جب وراثت کا دعویٰ دائر کیا تھا تو جواب میں انہوں نے مقابلہ کی یہ حدیث پڑھی تھی نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ یعنی ہم گروہ انبیاء کا وارث کوئی نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے تو بی بی نے ان کی رد اور اپنے دعویٰ کے اثبات میں یہ آیت مجیدہ تلاوت فرمائی لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔ اور اس آیت کے عموم کو انہوں نے اپنے دعویٰ کی دلیل قرار دیا تھا اور گویا بی بی یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ عموم قرآن کو خبر واحد سے تخصیص نہیں دی جا سکتی اور شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ بالفرض اگر عموم قرآن کو خبر واحد سے تخصیص دینا جائز ہو بھی تاہم اس جگہ نہیں ہو سکتی جس کی کئی وجوہات ہیں۔

(۱) خداوند کریم نے زکریا علیہ السلام کے قول کو نقل فرمایا ہے۔ یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ۔ یعنی اپنے لئے فرزند کی دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہوگا۔ نیز فرماتا ہے۔ وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ اور سلیمانؑ داؤدؑ کا

وارث ہوا۔ اور ان آیتوں میں علم اور دین کی وراثت یقیناً مراد نہیں کیونکہ علم اور دین وراثت میں کسی کو منتقل نہیں ہوسکتا بلکہ یہ کسبی چیز ہے اور وراثت میں منتقل ہونے والی چیز مال ہی ہے پس معلوم ہوا کہ وہ پیش کردہ حدیث غلط ہے کیونکہ خلاف قرآن ہے۔

(۲) وراثت نبوی کا تعلق حضرت عباس جو آپ کے چچا تھے اور حضرت علی جو چچازاد اور داماد تھے اور حضرت فاطمہؑ جو دختر تھی ان سے تھا اور یہ لوگ عالم بھی تھے اور زاہد بھی تو اگر آپ نے یہ فرمانا تھا تو ان لوگوں کو فرماتے جن کو اس چیز سے واسطہ تھا۔ ایک ایسے شخص کو فرمانا جو درمیان میں کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو ایک بے معنی سی بات ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ کی وراثت سے ناقل حدیث کو کوئی تعلق و واسطہ نہ تھا پس معلوم ہوا کہ حدیث اعتبار سے ساقط ہے۔

(۳) اگر بالفرض حدیث کو درست تسلیم کیا بھی جائے تو ممکن ہے مَا تَرَکْنَا لَا نُوَرِّثُ کا مفعول ہو یعنی ہم گروہ انبیاء جس چیز کو بطور صدقہ چھوڑ جائیں اس کا کوئی وارث نہیں ہوسکتا۔ لہذا سارے مال کی وراثت کی نفی نہ ہوگی۔

اس تمام مطلب کو ذکر کرنے کے بعد جواب میں صرف ایک جملہ پیش فرماتے ہیں کہ اس مناظرہ کے بعد جناب فاطمہ ابوبکر پر راضی ہوگئی تھیں اور اجماع قائم ہوچکا ہے کہ جو کچھ ابوبکر نے کیا تھا وہ درست تھا۔ لہذا یہ اعتراضات ساقط ہیں۔

انصاف کا خون دیکھئے۔ روایت تسلیم ہے اور بی بی پاک کا احتجاج بھی تسلیم ہے نیز بی بی پاک کے استدلال پر بھی نکتہ چینی نہیں اس کے بعد نحن معاشر الانبیاء والی فرضی حدیث پر شیعوں کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات بھی تسلیم ہیں لیکن کس قدر جرأت و جسارت سے کہہ دیا کہ بی بی راضی ہوگئی میں پوچھتا ہوں کہ بی بی اس کے غلط فیصلہ پر کیسے راضی ہوگئی جبکہ اس کی فرضی حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے آپ آیت قرانی پیش فرما چکی تھیں جس کے جواب سے وہ عاجز تھے۔ تو اس کے بعد رضا کا محل کونسا باقی رہتا ہے جبکہ آپ کا لقب صدیقہ مسلم بین الفریقین ہے۔ کیا حضرت ابوبکر نے بی بی کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کرکے معافی طلب کی تھی اور حقوق الناس میں معافی مانگنے کی صورت یہ ہے کہ گزشتہ اپنے فعل سے معذرت اور اپنے پاس باقی ماندہ حقوق مالیہ کی واپس ادائگی۔ کیا بی بی کو حق وراثت دے کر سابق غلطی سے معذرت طلب کی گئی تھی اور اگر ایسا نہیں ہوا تو بی بی کی رضامندی کیسے؟ یعنی رضامندی کی دو صورتیں ہیں یا اس کے فیصلہ پر رضامندی اور یا اس کے جرم کی معافی فیصلہ پر رضامندی ناممکن ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ بی بی نے قرآن مجید کے فیصلہ کے خلاف رضامندی کا اظہار کیا جو ان کی عصمت کے منافی ہے اور انکے جرم کی معافی کی صورت اس لئے نہیں کہ انہوں نے نہ اس جرم کا اقرار کیا اور نہ مال مطلوبہ واپس دے کر معذرت پیش کی۔ جس طرح بی بی پاک کے استدلال کا مدعیٰ علیہم کے پاس جواب نہ تھا اسی طرح بی بی پاک کے مقدمہ کے وکلاء علمائے شیعہ رضوان اللہ علیہم کے استدلالات کا جواب مدعیٰ علیہ کے وکیل نام نہاد علامہ رازی کے پاس بھی نہیں تھا لیکن بی بی پاک کے دعووں کی اہمیت کو کم کرنے اور مدعی علیہ کی لاج رکھنے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہ تھا کہ کہہ دیا بس وہ راضی ہوگئیں۔

اب ذرا خاتونِ جنت کی رضامندی ملاحظہ فرمائیے۔ صحیح بخاری کتاب الخمس اور باب غزوۂ خیبر میں ہے۔

جب بی بی نے اپنا حق طلب کیا اور اس کے مقابلہ میں وہ مفروضہ حدیث پڑھی گئی اور بی بی کو خالی پلٹایا گیا تو بی بی غضبناک واپس پلٹی اور پھر مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے بائیکاٹ کئے رہیں اور باپ کے بعد کل چھ ماہ زندہ رہیں باپ غزوۂ خیبر میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ جب بی بی کا انتقال ہوا تو حضرت علیؑ نے ان کو رات کے وقت دفن کیا۔ اور ابوبکر کو جنازہ و دفن میں شرکت کی اطلاع تک نہ دی ؟ تفصیلی بحث تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ میں ص۱۵۱ یا ص۱۵۴ پر ملاحظہ فرمائیے۔ (پہلا ایڈیشن)

نیز ابن قتیبہ دینوری اپنی کتاب الامامۃ والسیاسۃ میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر وحضرت عمر دونوں مل کر بی بی پاک کے پاس برائے معذرت پہنچے تو بی بی نے اپنا منہ دیوار کی طرف پھیر لیا اور جب انہوں نے سلام کہا تو بی بی نے ان کو سلام کا جواب تک نہ دیا (حالانکہ ردّ سلام واجب ہوا کرتا ہے گویا بی بی ان کو ردّ سلام کے قابل نہ سمجھتی تھی) اس کے بعد بی بی نے اپنی وراثت کے مقدمہ کو دہرایا اور فرمایا کیا اسلام کی رُو سے تیرے قریبی تیرے وارث ہوں اور ہم اپنے باپ حضرت محمدؐ مصطفیٰ کے وارث نہوں ؟ لیکن پھر وہی مفروضہ حدیث دہرائی گئی اور بی بی پاک نے ناراضگی کی اور باتیں بھی کہیں اور آخر میں فرمایا کہ میں اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہہ رہی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا۔ اور اپنے بابا کے پاس پہنچ کر تم دونوں کی شکایت کروں گی اور نیز فرمایا ہر نماز میں میں تمہارے لئے بددعا کروں گی یہ پوری روایت تفسیر کی پہلی جلد یعنی مقدمۂ تفسیر میں ص۱۷۳ یا ص۱۷۶ پر درج ہے۔ (پہلا ایڈیشن)

اور اسی مطلب کی تائید کرنے والی ایک روایت اسی مضمون کی صحیح مسلم میں بھی موجود ہے کہ یہ معذرت خواہی کے لئے گئے اور بی بی نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ ہر نماز میں یا ہر نماز کے بعد تمہارے لئے بددعا کرتی رہوں گی

کاش ! دامنِ خلافت کو بچانے اور بی بی کے دعویٰ کی اہمیت کو ساقط کرنے سے قبل تاریخی واقعات کا جائزہ لے لیا ہوتا اور نہیں تو کم از کم صحاح ستہ کا مطالعہ کر لیا ہوتا تاکہ بی بی پاک کی رضامندی کا فیصلہ ہو جاتا۔ ہاں کیوں نہیں مصنف کو اس قسم کی باتیں بھولی ہوئی نہیں ہوتیں اور خصوصاً اس قسم کے مختلف فیہ مسائل زیرِ نگاہ ہوتے ہیں جبھی تو آیت وراثت کی تفسیر میں بی بی پاک کی وراثت کے مقدمہ کو ذکر کر ہی دیا اور اپنی پارٹی کے حق میں فیصلہ سنا کر خاموش ہو گیا۔ ضرور بخاری و مسلم کے یہ مقامات بار بار پڑھے ہوں گے اور اس موقعہ پر تو گہری نظر سے ان کا مطالعہ کیا ہوگا اور صفحاتِ تاریخ بھی پلٹے ہوں گے کہ کہیں یہ مل جائے کہ بی بی راضی ہو گئی لیکن کہیں ہوتا تو ملتا اور بی بی کی رضامندی کی صورت بھی ہو سکتی تو کوئی لکھتا کیونکہ میں عرض کر چکا ہوں بی بی کی رضامندی محالات میں سے ہے اس لئے کہ غلط فیصلہ پر رضامندی شانِ عصمت و طہارت اور صداقت کے منافی ہے اور مجرم پر رضامندی بعید از عقل ہے کیونکہ نہ اس نے حق دیا نہ معافی ہوئی لیکن اس نام نہاد علامہ بلکہ امام بے چارے کے پاس اور تو کوئی حیلہ نہ تھا پس لکھ دیا کہ وہ راضی ہو گئی تھیں

لیکن یہ کھٹک دل میں باقی رہی کہ یہ جواب کافی نہیں اس کو تاریخ و حدیث بلکہ عقل و نقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو دل میں سوچا کہ اس سے مُکر جاؤں پس فوراً دوسری بات کہہ دی کہ چونکہ اجماعِ امت قائم ہے کہ جو کچھ خلیفہ نے کیا ہے وہ درُست ہے لہذا اعتراضات سب بے کار ہیں۔

ہاں! ایسے ہی لوگ تو امام کہلاتے ہیں جن کے نظریہ جات اس قسم کے ہوں کہ حاکم وقت کا فیصلہ قرآن کے خلاف ہو، عقل کے منافی ہو اور حقدار کا حق تلف ہوتا ہے اور وہ بیچارہ چیختا چلاتا رہے لیکن اکثریت اس کے حکم کے سامنے دب کر خاموشی اختیار کرے یا اس کی کسی مصلحت کی بنا پر ہاں میں ہاں ملا دے اور پھر کوئی مولوی اور خصوصاً علامہ کہہ دے کہ وہ حقدار پہلے چیختا چلاتا رہا اور بعد میں وہ خاموش اور راضی ہو گیا تھا یا یہ کہہ دے کہ خواہ وہ کتنا ہی فریاد کرتا رہے اور روتا رہے لیکن حاکم وقت کا جو فیصلہ ہو چکا ہے خلاف قرآن ہو تو ہو عقل نہ مانے تو نہ مانے لیکن چونکہ عوام نے تسلیم کر لیا ہے اور اجماع ہو چکا ہے تو بس صحیح ہے اب عوام کیوں نہ کہیں اسے علامہ اور کیوں نہ امامت کا لقب ملے۔

یہاں پر ایک حدیث مجھے یاد آتی ہے کہ بہترین جہاد کلمہ حق ہے جو سلطانِ جابر کے سامنے کہا جائے اور اسی حدیث کو تقیہ کے بطلان کی دلیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے لیکن جب وہ کلمۂ حق اہلبیت عصمت کے کسی دعویٰ کی دلیل بنتا ہو تو اس وقت یہ جہاد ساقط ہے بلکہ حاکم وقت کی ہاں میں ہاں ملانا ہی ایمان ہے۔ حق تو یہ ہے کہ مدعی کی دلیل بھی ناقابل تردید ہے اور ماننا بھی نہیں کیونکہ سارے لوگ راضی ہو چکے ہیں۔ پس اکثریت کی ہاں میں ہاں ملانی ہی ہے یہ ہے تحقیق اور بالغ النظری کی شان۔

ان سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ آیا حضرت علیؑ امت کا فرد نہیں تھا کیا جناب بتول معظمہؑ امت کی فرد نہیں تھیں کیا حضرت سلیمان مقداد اور ابوذر وغیرہ امت کے افراد نہیں تھے اور کیا مدینہ میں یہ لوگ موجود نہیں تھے کیا یہ لوگ اس فیصلہ پر راضی تھے؟ جب ایسا نہیں تو عوام کو دھوکا دینے کے لئے یہ بہانہ کیوں؟

ہاں اس دھاندلی کا پتہ اس وقت چلے گا جب ایک طرف میدانِ محشر میں جناب بتول معظمہ اپنا دعویٰ دائر کریں گی اور دوسری طرف مدعیٰ علیہم ہوں گے اگر اس وقت تم نے یہ کہا کہ بی بی راضی ہو گئی تھی تو ضرور جناب بتول معظمہ حضرت محسن کو پیش فرمادیں گی اور وہ دروازہ خود گواہی دے گا جس پر لکڑیاں جمع کی گئی تھیں۔ نیز قرآن کی میراث والی آیات پکار پکار کر خاتون کی صداقت کی گواہی دیں گی۔ یقیناً جب اس میدان میں اس مفسر قرآن کو جواب دہی کے لئے کھڑا کیا گیا تو سمجھ آجائے گی کہ اکثریت کی ہاؤ ہو سے دب کر دلیل کا ساتھ چھوڑنا کیسا ہوا کرتا ہے۔

ہاں بی بی تیرا دعوے سچا تھا اور تو حق پر تھی۔ جن لوگوں نے تیرا حق چھینا یا تیرے حق پر پردہ ڈالا وہ واقعی قیامت کے روز تیرے جوابدہ ہوں گے اور ہم دنیا و آخرت میں ان سے بری ہیں۔

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ يُدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اطاعت کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی داخل کرے گا اس کو بہشتوں میں کہ

مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ وَذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنۡ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو نافرمانی

يَّعۡصِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوۡدَهٗ يُدۡخِلۡهُ نَارًا خَالِدًا فِيۡهَا ص

کرے گا اللہ اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا اس کی حدود سے اسے داخل کرے گا جہنم میں کہ ہمیشہ رہنے والا

وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۴﴾ ع وَالّٰتِىۡ يَاۡتِيۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ

ہوگا اس میں اور اس کے لئے عذاب ذلیل کن ہوگا اور وہ جو کریں بدکاری تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ قائم کرو

فَاسۡتَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ

ان پر چار مرد اپنے سے بس اگر گواہی دیں تو روک رکھو ان کو اپنے گھروں

فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الۡمَوۡتُ اَوۡ يَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا ﴿۱۵﴾

میں یہاں تک کہ لے لے ان کو موت یا مقرر کرے اللہ ان کے لئے کوئی راستہ

تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ :- احکام میراث بیان فرمانے کے بعد ان کو اپنی حدود قرار دیا ہے اور اطاعت گذاروں کو جنت کی بشارت اور تجاوز کرنے والوں کیلئے جہنم کی وعید کی ہے کیونکہ مال کے حصول کی خاطر بے راہ روی کرنا ابدی عذاب کا مستحق بناتا ہے اور خدا کے بیان کردہ طریق کے مطابق صرف حلال پر صبر کرنا ابدی نعمتوں کا سزاوار کرتا ہے اور عقلمند کو چاہیے کہ عارضی منافع کی خاطر ابدی وبال نہ خریدے بلکہ فانی چیز کی قربانی کرکے ابدی راحت کے حصول کی کوشش کرے۔

رکوع نمبر ۱۴

وَالّٰتِىۡ يَاۡتِيۡنَ :- دور اوّل میں جب عورت کی بدکاری چار گواہوں کے ذریعہ سے ثابت ہو جاتی تھی تو اسے ایک کوٹھڑی میں قید کیا جاتا تھا یہانتک کہ وہ مرجاتی تھی پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور شادی شدہ مرد عورت کا زنا اگر ثابت ہو جائے تو اسے سنگسار کرنے کا حکم ہوا اور کنوارے مرد و عورت کا زنا ثابت ہو جائے تو ان کیلئے دُرّوں کی سزا مقرر ہوئی

اَوۡ يَجۡعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيۡلًا :- تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ

اور جو دو آدمی کریں بدکاری تم میں سے تو ان کو اذیت دو پس اگر توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو درگذر کرو ان سے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ

تحقیق اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے سوائے اس کے نہیں کہ توبہ قبول کرنا تو اللہ پر ان کے لئے ہے جو کریں

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَ

برائی بجہالت سے پھر توبہ کرلیں جلدی سے پس یہ لوگ توبہ خدا قبول کرتا ہے ان کی اور

كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ

ہے اللہ علم و حکمت والا اور نہیں توبہ ان کے لئے جو کریں بدکاریاں یہاں تک کہ جب

حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ

پہنچ جائے ان پر موت تو کہہ دے کہ میں اب تائب ہوں اور نہ ان کے لئے

يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

جو مرتے ہیں بحالتِ کفر ایسے لوگوں کے لئے ہم نے تیار کیا ہے دردناک عذاب

ہے اور سبیل سے مراد حدود ہیں ایک اور روایت میں فرمایا کہ سبیل سے مراد کوڑے اور سنگسار کرنا ہے۔

بروایت غوالی جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ یہ لو خدا نے سبیل مقرر فرما دیا ہے کہ کنوارا مرد کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کے لئے ایک سو تازیانہ اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا ہے اور شادی شدہ شادی شدہ سے زنا کرے تو اس کیلئے کوڑے بھی اور سنگسار کرنے کی سزا بھی ہے اور صاحب مجمع البیان نے فرمایا ہے کہ اکثر علمائے امامیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس پر صرف سنگسار کرنے کی ہی سزا ہوگی

وَالَّذٰنِ :۔ اسلام کے دورِ اوّل میں جب مرد و عورت زنا کرتے تھے تو مرد کو ایذا دی جاتی تھی زبان سے یا جوتوں کی مار سے اور عورت کو ایذا دی جاتی تھی کہ اس کو تادمِ مرگ حبس میں رکھا جاتا تھا لیکن بعد میں یہ حکم آیتِ رجم سے منسوخ ہوگیا۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ :۔ تفسیر مجمع البیان و برہان میں فقیہ سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے آخری خطبہ میں فرمایا جو شخص مرنے سے ایک سال قبل توبہ کرلے گا خدا قبول کرلے گا پھر فرمایا مہینہ زیادہ ہے جو شخص ایک دن پہلے توبہ کرلے

يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا ؕ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ

اے ایمان والو! تمہیں جائز نہیں کہ وارث بنو عورتوں کے زبردستی سے اور نہ روکو ان کو اس غرض سے

لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوۡهُنَّ

کہ حاصل کرو بعض وہ جو ان کو دے چکے ہو مگر یہ کہ کریں بدکاری ظاہر اور ان کے ساتھ گذران رکھو ساتھ نیکی کے

بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا

پس اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم ناپسند کرو ایک چیز کو اور رکھی ہو اللہ نے اس میں خیر

خدا قبول فرمائے گا پھر فرمایا ایک دن زیادہ ہے جو شخص ایک گھنٹہ پہلے توبہ کرے خدا قبول کرے گا پھر فرمایا ایک گھنٹہ زیادہ ہے پس اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا جب روح یہاں تک پہنچ جائے اور توبہ کرے تب بھی خدا قبول فرماتا ہے مروی ہے ابلیس نے کہا تھا کہ میں بنی آدم کو تا دم مرگ گمراہ کرتا رہوں گا تو خدا نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں بھی اس وقت تک توبہ قبول کروں گا جب رُوح حلق تک پہنچ جائے۔

تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا جب رُوح حنجرہ تک پہنچ جائے تو اس وقت عالم کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور جاہل کی توبہ اس وقت بھی قبول ہوتی ہے بہرکیف توبہ کو خدا قبول فرماتا ہے۔ لیکن حقوق النّاس کی توبہ کے وقت ادائیگی ضروری ہے یا ان سے معافی لے لے اور حقوق اللہ کی قضا لازم ہے اور وقت کم ہو تو اپنے ورثاء کو وصیّت کرے تو غالباً قبولیت توبہ میں عالم وجاہل کے فرق کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص حق کو پہچانتے ہوئے ضد پر ڈٹا رہے اور مرتے وقت خدا کے عذاب کو دیکھ کر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں جیسے فرعون اور جو شخص پہچانتا ہو اور جہالت کی وجہ سے حق کا انکار کرتا رہے لیکن مرنے سے تھوڑا سا قبل بھی اگر وہ حق کی معرفت حاصل کرلے اور اپنی سابقہ غلطی سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ مقبول ہے۔ واللہ اعلم

يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شان نزول کے متعلق لکھا ہے کہ ایک شخص ابوقیس مرگیا تو اس کے بیٹے محصن نے ابوقیس کی عورت کبیشہ پر حسب دستور جاہلی اپنی چادر ڈالی اور اس کے نکاح کا وارث بن بیٹھا اس کے بعد نہ اس کے ساتھ ہمبستری کی اور نہ اس کو کہیں اور جگہ نکاح کرنے دیا پس وہ عورت حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی آقا! نہ مجھے شوہر کی وراثت ملی ہے اور نہ مجھے آزادی نصیب ہوئی ہے کہ کہیں اور جگہ نکاح کرسکوں تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے بھی یہی مروی ہے اور کہتے ہیں عرب کا جاہلی دستور تھا کہ مرنے

کَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ

کثیر اور اگر تم چاہو تبدیل کرنا ایک عورت بدلے ایک عورت کے ۔ اور دے چکے ہو ان میں سے ایک کو

قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾

مال کثیر تو نہ لو اس سے کچھ بھی کیا لینا چاہتے ہو باطل اور ظاہر باہر گناہ کے طریقے سے ؟

وَكَیْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ

اور کیسے لیتے ہو اس کو حالانکہ مل چکا ہے تمہارا بعض طرف بعض کے اور لے چکی ہیں تم سے

مِّیْثَاقًا غَلِیْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ

عہد سخت اور نہ نکاح کرو ان عورتوں سے کہ نکاح کر چکے ہیں تمہارے باپ ان سے مگر وہ جو گذر چکا ہے ۔

والے کا بیٹا یا اس کا دوسرا ولی جس طرح مرنے والے کے باقی مال کا وارث ہوتا تھا اس کی عورت کا بھی وہ وارث ہوتا تھا پس اس پر اپنی چادر ڈال دیتا تھا اگر چاہتا تو اسے متوفی کے ادا کردہ حق مہر سے ہی اپنی زوجہ بنا لیتا اور اگر چاہتا تو اس کی دوسری جگہ شادی کرکے اس کا حق مہر خود وصول کر لیتا پس اس آیت نے ان کو اس فعل شنیع سے روک دیا۔

بعض کہتے ہیں کہ ایک شخص کی عورت ہوتی تھی اور اس نے اس کا حق مہر بھی ادا کرنا ہوتا تھا لیکن یہ اس کے ساتھ ہمبستری کرنا پسند نہ کرتا تھا تو اس کو اذیت دیتا تھا تاکہ وہ مہر بخش دے پس ان کو اس آیت مجیدہ کے بعد روکا گیا۔

نیز کہتے ہیں مرد جن عورتوں کو ناپسند کرتے تھے ان کو زبردستی اپنے گھروں میں روکے رہتے تھے تاکہ ان کے مرنے کے بعد ان کی وراثت کے حقدار بنیں۔ پس یہ آیت اتری اور حضرت باقر علیہ السلام سے یہ بھی مروی ہے اور آیت کے عموم کے پیش نظر بیان کردہ تمام صورتیں مراد ہو سکتی ہیں اور روایت میں بھی غالباً مصداق آیت کے ایک فرد کو بطور مثال کے پیش کیا گیا ہے۔

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ فاحشہ سے مراد ہر قسم کی نافرمانی ہے تو پس ایسی صورت میں عورت سے پیسے وصول کرکے اسے خلع کر سکتا ہے اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر عورت سے اچھے سلوک کے ساتھ بسر کرنا ضروری ہے جس طرح کہ آیت مجیدہ کے مضمون سے ظاہر ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ ۔ اگر ایک عورت کو طلاق دے کر اس کی بجائے کسی دوسری سے نکاح کرنا چاہو تو پہلی عورت کا

إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَ

تحقیق یہ برائی اور غضب ہے اور بُرا راستہ ہے؟ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور

بَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ

بیٹیاں، اور بہنیں اور پھوپھیاں اور ماسیاں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں

مال اس سے چھین کر نہ رکھ لو کہ دوسری اس کی مالک بنے کیونکہ یہ بہتان کی طرح گناہ کبیرہ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جب بھی عورت کو طلاق دے تو اس کو دیا ہوا مال اس سے حاصل کرنے کا حقدار نہیں ہے خواہ کسی دوسری عورت سے شادی کا ارادہ رکھتا ہو یا نہ (مجمع)

مِيثَاقًا غَلِيظًا۔ اس سے مراد وہ ہے جو بزبانِ حال یا مقال بوقتِ نکاح کیا جاتا ہے کہ عورت کے ساتھ حسنِ سلوک سے برتاؤ کیا جائے گا ورنہ احسان اور خوش اسلوبی سے اس کو آزاد کر دیا جائے گا اور ایسا ہی حضرت امام محمد باقرؑ علیہ السلام سے مروی ہے (مجمع البیان)

وَلَا تَنْكِحُوا۔ عرب جاہلی میں بیٹے باپ کی منکوحہ عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیا کرتے تھے یعنی جوان کی ماں کی سوکنیں ہوتی تھیں چنانچہ ایک شخص نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی خواستگاری کی تو اس نے جواب دیا کہ میں تجھے اپنا فرزند سمجھتی ہوں اور تو اپنی قوم میں نیک معلوم ہوتا ہے لہذا اس بارہ میں میں رسولِ خدا سے دریافت کرتی ہوں چنانچہ وہ آئی۔ اور دریافت کیا تو یہ آیتِ مجیدہ نازل ہوئی۔

مسئلہ۔ باپ کی منکوحہ بیٹے پر حرام مؤبد ہے خواہ باپ نے اس کے ساتھ مجامعت کی ہو یا نہ، لیکن آیا وہ عورت جس کے ساتھ باپ کے ناجائز تعلقات رہ چکے ہوں اس حکم میں داخل ہوگی؟ تو آیتِ قرآن کا حکم اس کو ناجائز کہہ رہا ہے کیونکہ نکاح کا لغوی معنی ہے مجامعت پس جس عورت سے باپ مجامعت کر چکا ہو وہ بیٹے پر حرام ہوگی۔ اور اس میں علمائے امامیہ متفق ہیں۔

محرماتِ ابدیہ

رکوع نمبر ۱۵۔ حُرِّمَتْ۔ حرمت کا متعلق جس نوع سے ہوگا اسی کا مخصوص نفع حرام ہوگا مثلاً اگر کھانے والی چیزوں پر اس لفظ کا اطلاق ہو تو مراد ہوگا کھانا حرام ہے اور عورتوں پر اطلاق کی صورت میں مراد ہے کہ ان سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ حرمت کا تعلق ذات سے نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کے منافع سے ہوا کرتا ہے۔ **أُمَّهَاتُكُمْ**۔ یعنی ہر وہ عورت کہ سلسلۂ ولادت میں آپ کی نسبت اس تک پہنچے۔ پس ماں کی ماں اور باپ کی ماں اور پھر جس قدر سلسلہ اوپر چلا جائے گا۔ سب اسی لفظ کی رو سے حرام ہوں گی

وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَ اَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ

اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں اپنا دودھ پلایا ہے اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ

اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں سے تم دخول کر چکے ہو پس اگر تم نے

تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ

دخول نہ کیا ہو ان سے تو پھر کوئی گناہ نہیں تم پر اور عورتیں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری صلب

اَصۡلَابِكُمۡ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

سے ہیں اور یہ کہ اکٹھی دو بہنیں (نکاح میں) کرو مگر وہ جو گذر چکا ہے تحقیق اللہ

غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۲۳﴾

غفور رحیم ہے۔

کیونکہ وہ سب مائیں ہیں بَنٰتُكُمۡ - یعنی ہر وہ عورت کہ سلسلہ ولادت میں اس کا نسب آپ پر منتہی ہو۔

پس بیٹی کی بیٹی اور بیٹے کی بیٹی اور اس کے بعد جس قدر سلسلہ نیچے چلا جائے گا وہ سب اسی لفظ کا مصداق ہونگی کیونکہ اولاد کی اولاد بھی اولاد کہلاتی ہے۔

عَمّٰتُكُمۡ - جمع ہے عَمَّة کی یعنی ہر وہ عورت جو بہن ہو ایسے شخص کی جس کی طرف آپ کا سلسلہ نسب پہنچتا ہو پس اس لفظ میں باپ دادا پردادا وغیرہ کی بہنیں اور نانا پرنانا وغیرہ کی بہنیں سب داخل ہیں۔

خٰلٰتُكُمۡ :- جمع ہے خالہ کی - یعنی ہر وہ عورت جو بہن ہو ایسی عورت کی جس کی طرف آپ کا سلسلہ نسب پہنچتا ہو تو ماں نانی اور پرنانی وغیرہ کی بہنیں سب اس لفظ میں داخل ہیں۔

بَنٰتُ الۡاَخِ :- اس سے مراد بھائی کی مؤنث اولاد کا سلسلہ ہے جہاں تک نیچے چلا جائے گا۔

بَنٰتُ الۡاُخۡتِ :- اس سے مراد بہن کی مؤنث اولاد کا سلسلہ ہے جہاں تک نیچے چلا جائے گا۔

پس یہ سات قسم کی عورتیں ہیں جن کی نسبی قرابت نکاح سے مانع ہے۔ (۱) ماں (۲) بیٹی (۳) بہن (۴) پھوپھی (۵) خالہ (۶) بھتیجی (۷) بھانجی۔ اور اس کا مختصر طور پر قاعدہ کلیہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ چار قسم کی عورتیں حرام ہیں (۱) ہر وہ عورت

جو اصول میں داخل ہے (۲) ہر وہ عورت جو فروع کے سلسلہ میں داخل ہے (۳) ہر اصل کی پہلی فرع (۴) پہلی قریب اصل کی ہر فرع یا یوں کہہ دیجئے کہ قرابت طولیہ کی فوقانی و تحتانی ہر عورت حرام ہے اور قرابت عرضیہ میں قرابت طولیہ فوقانیہ کی پہلی فرع اور پہلی اصل کی ہر فرع حرام ہیں۔

مجمع البیان میں بروایت ابن عباس منقول ہے کہ خداوند کریم نے عورتوں میں سے سات قسموں کو نسب سے حرام قرار دیا ہے اور سات قسموں کو سبب سے حرام کیا اور وہ یہ ہیں (۱) رضاعی ماں (۲) رضاعی بہنیں (۳) زوجہ کی ماں (۴) زوجہ مدخولہ کی بیٹیاں (۵) منکوحۂ فرزند (۶) دو بہنوں کو اکٹھے نکاح میں لانا (۷) گذشتہ آیت میں باپ کی زوجہ

رضاعی محرمات

جو عورتیں قرابت نسبی کی وجہ سے حرام ہوا کرتی ہیں وہی قرابت رضاعی سے بھی حرام ہوں گی چنانچہ جناب رسالتمآبؐ کا فرمان ہے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَۃِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ یعنی خدا نے رضاع سے وہی عورتیں حرام کی ہیں جو نسب سے حرام کی ہیں۔

اُمَّھَاتُکُمُ الّٰتِیۡۤ اَرۡضَعۡنَکُمۡ۔ تمہاری وہ مائیں حرام ہیں جنہوں نے تمہیں دودھ دیا ہے پس اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل عورتیں داخل ہیں۔

۱۔ وہ عورت جس نے دودھ دیا ہے۔

۲۔ وہ عورت جو دودھ پلانے والی عورت کی ماں ہو خواہ نسب سے خواہ رضاع سے اسی طرح اس کی دادیاں اور نانیاں نسبی و رضاعی سب حرام ہوں گی۔

۳۔ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی (جو اس کا رضاعی باپ ہے) مائیں، دادیاں، نانیاں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی

۴۔ دودھ پینے والے کی نسبی ماں یا نسبی نانی اور نانے کی رضاعی مائیں اور پھر اوپر کا یہ سب سلسلہ۔

۵۔ دودھ پینے والے کے نسبی باپ یا دادے دادی کی رضاعی مائیں اور ہذا القیاس۔

وَاَخَوٰتُکُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَۃِ۔ تمہاری رضاعی بہنیں۔ یعنی دودھ پینے والے کے نسبی والدین کی جو رضاعی اولاد ہوگی وہ اس کے بھائی بہنیں شمار ہوں گے اور ان کی نسبی یا رضاعی اولاد اس کے رضاعی بھانجے اور بھتیجے ہوں گے پس ان سب سے اس کا نکاح حرام ہوگا نیز اسی قاعدہ کے ماتحت نسبی بھائی بہنوں کی رضاعی اولاد اور پھر ان کی نسبی یا رضاعی اولاد آخر تک اسی حکم میں ہے اور اس مقام پر چند مسائل اور بھی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ رضاعی لڑکیاں اور ان کی نسبی یا رضاعی اولاد اور یہ سلسلہ نیچے کی طرف جہاں تک چلا جائے۔ اسی حکم میں ہے

مسئلہ:۔ نسبی فرزند یا بیٹی کی رضاعی لڑکیاں اور پھر ان کی اولاد۔ خواہ رضاعی خواہ نسبی جہاں تک چلی جائے سب حرام ہے۔

مسئلہ :۔ رضاعی فرزند کی لڑکیاں خواہ رضاعی ہوں یا نسبی اور اسی طرح ان کی اولاد کا بھی یہی حکم ہے۔

مسئلہ :۔ رضاعی پھوپھیاں اور رضاعی ماسیاں بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح نسبی سلسلہ میں حرام ہیں پس اس سلسلہ میں باپ دادا پردادا وغیرہ کی رضاعی بہنیں اور ماں نانی پرنانی کی رضاعی بہنیں سب داخل ہیں۔

رضاع کے شرائط

(۱) دودھ نکاح سے ہو خواہ دائمی ہو یا متعہ ہو۔ بنا بریں اگر دودھ دینے والی عورت نکاح سے خالی ہو تو اس کے دودھ کا کوئی اعتبار نہیں۔ نیز منکوحہ ہونے کے علاوہ وہ حاملہ ہو یا بچے کی ماں ہو پس اگر بچہ جننے کے بغیر اور حمل کے زمانہ کے علاوہ اس کا دودھ ہو جائے تو وہ رضاع نہ بنے گا

۲۔ اس قدر دودھ پیئے کہ اس سے بچّہ کا گوشت پیدا ہو اور ہڈی مضبوط ہو۔ لہٰذا اس مقدار سے کم کا کوئی اعتبار نہ ہوگا یا ایک دن رات مکمل دودھ پیتا رہے یا پندرہ مرتبہ پے درپے دودھ پیئے چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ رضاع حرمت کا موجب نہیں بنتا جو ایک دن رات سے کم ہو بشرطیکہ پندرہ مرتبہ پے درپے ہو کہ درمیان میں کسی دوسری عورت کا دودھ نہ پیا ہو اور ایک ہی فحل کا دودھ ہو ورنہ اگر ان پندرہ مرتبہ کے درمیان کسی اور عورت کا دودھ پیئے گا تو رضاع محرّم نہ ہوگا اور بعض علمائے امامیہ دس مرتبہ پے درپے دودھ پینے کو کافی سمجھتے ہیں نیز دودھ پستان سے منہ لگا کر پیئے۔ اگر دودھ کر پلایا جائے تو وہ بھی حرمت کا موجب نہ ہوگا۔

۳۔ دودھ پینے والا بچہ دو سال کے اندر ہو ورنہ رضاع کی حرمت نہ ہوگی۔

۴۔ فحل ایک ہو۔ یعنی ایک عورت جس قدر لڑکوں کو دودھ پلائے گی۔ بشرائط سابقہ وہ سب ایک دوسرے کے بھائی بہنیں رضاعی ہوں گے۔ بشرطیکہ عورت اسی ایک ہی شوہر کا دودھ سب کو پلاتی رہی ہو۔ ورنہ جس قدر بچے عورت کا دودھ ایک شوہر کے نکاح کے دوران میں پئیں گے وہ ایک دوسرے کے رضاعی بھائی بہنیں ہوں گے اور جو بچے اسی عورت کا دودھ دوسرے شوہر کے نکاح کے دوران میں پئیں گے وہ آپس میں تو رضاعی بھائی بہنیں بنیں گے لیکن اسی عورت کے پہلے شوہر کی رضاعی اولاد سے ان کا رشتہ ہو سکے گا۔ البتہ اسی عورت کی نسبی اولاد کا رشتہ نہ اس کے پہلے شوہر کی رضاعی اولاد سے ہوگا اور نہ دوسرے شوہر کی رضاعی اولاد سے ہوگا۔

مسئلہ :۔ جس بچے نے ایک عورت کا دودھ حسب شرائط پیا ہو اس پر اس عورت کی نسبی اولاد سب حرام ہو گی اور رضاعی اولاد صرف وہی حرام ہو گی جو اسی ایک شوہر کے نکاح کے ماتحت اس کا دودھ پی چکی ہو اور اسی طرح اس بچہ پر رضاعی ماں کے اس شوہر کی اولاد بھی حرام ہو گی۔ جس کے نکاح میں اس نے دودھ پیا تھا۔ خواہ اس شوہر کی اولاد اسی عورت سے ہو یا کسی اور عورت سے ہو۔

مسئلہ :۔ دودھ پینے والے بچے کے نسبی بھائی بہنیں بچے کے رضاعی ماں باپ کی اولاد میں رشتہ کر سکتے ہیں

خواہ اس بچے سے بڑے ہوں یا چھوٹے۔

مسئلہ:۔ دودھ پینے والے بچے کا نسبی باپ بچے کے رضاعی باپ کی اولاد نسبی و رضاعی میں نکاح نہیں کرسکتا۔ کیونکہ وہ اس کے لئے بمنزلہ اولاد کے ہوچکے ہیں۔ اسی طرح بچہ کا باپ دودھ پلانے والی عورت کی نسبی اولاد سے بھی نکاح نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اخبار صحیحہ میں وارد ہے۔

مسئلہ:۔ مسئلہ سابقہ کی رو سے اگر زانی یا زانیہ کی منکوحہ بچے کو دودھ پلائے تو چونکہ بچے کی نسبی ماں اس کی رضاعی بہن بن جاتی ہے لہذا بچے کے باپ پر وہ حرام ہوجائے گی۔

مسئلہ:۔ جس طرح اگر رضاع پہلے ثابت ہو تو نکاح نہیں ہوسکتا اسی طرح اگر نکاح ہوچکنے کے بعد رضاع آجائے تو نکاح باطل ہوجائے گا۔ مثلاً اگر ایک بچے یا بچی کو اس کے باپ کی ساس دودھ پلائے تو اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا اس مسئلہ کی جزئیات بہت نکالی جاسکتی ہیں۔

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص چھوٹی بچی سے نکاح کرے اور اس کی دوسری مدخولہ عورت اسی بچی کو دودھ پلائے۔ تو وہ عورت چونکہ اس کی چھوٹی منکوحہ عورت کی رضاعی ماں ہوکر اس کی ساس ہوجائے گی لہذا اس پر حرام ہوجائے گی اور چھوٹی بچی بھی حرام ہوگی کیونکہ وہ اس کی رضاعی بیٹی ہوچکی ہے ہاں اگر اس کی دو عورتوں نے اس چھوٹی بچی کو یکے بعد دیگرے دودھ دیا ہو تو پہلی دودھ دینے والی حرام ہوگی اور دوسری حرام نہ ہوگی کیونکہ اس نے رضاعی بیٹی ہوچکنے کے بعد اس کو دودھ دیا ہے اور چھوٹی بچی بہرصورت حرام ہوجائے گی۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ:۔ یعنی تمہاری عورتوں کی مائیں (تم پر حرام ہیں) اس میں ہر وہ عورت داخل ہے جس کی طرف زوجہ کا نسب پہنچتا ہو۔ یعنی اس کی مائیں دادیاں نانیاں خواہ نسبی ہوں یا رضاعی وہ سب حرام ہیں۔ اس میں فرق نہیں کہ عورت سے دخول کیا ہو یا نہ۔

مسئلہ:۔ بنابریں اگر کوئی شخص کسی مرد سے لواطہ کرے تو اس پر مفعول کی ماں بہن اور بیٹی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىْ الخ۔ یعنی زوجہ کی وہ اولاد جو تمہاری پرورش میں ہے اور پرورش میں ہونے کا ذکر اس لئے ہے کہ عام دستور یہی ہے کہ زوجہ کی سابق شوہر کی اولاد اس کے ہمراہ ہوکر دوسرے شوہر کے ہاں پرورش پاتی ہے ورنہ نکاح کی حرمت میں اس وصف کو کوئی دخل نہیں اگر بالفرض زوجہ کی سابق شوہر کی لڑکیاں اس کی پرورش میں نہ بھی ہوں تاہم اس مرد کا ان سے نکاح کرنا حرام ہے۔ بشرطیکہ اس زوجہ سے دخول کرچکا ہو ورنہ اگر دخول کئے بغیر اس کو طلاق دے دے یا عورت قبل از دخول مرجائے تو اس کی سابق شوہر کی لڑکیاں اس کے نکاح میں آسکتی ہیں نیز زوجہ کی سابق شوہر سے لڑکیاں اور ان کی اولاد اسی طرح زوجہ کی سابق شوہر سے لڑکے کی اولاد یہ سب (رَبَآئِبُكُمْ) میں داخل ہیں۔

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الخ۔ یعنی تمہارے صلبی لڑکوں کی بیویاں (تم پر حرام ہیں) بیٹوں، پوتوں، نواسوں کی بیویاں

سب اس میں داخل ہیں خواہ بیٹے یا پوتے ونواسے نسبی ہوں یا رضاعی۔ بنابریں صلبی قید رضاعی بیٹے کے اخراج کیلئے ہے بلکہ پرورش پانے والے ادعائی بیٹوں کی نفی کے لئے بھی ہے۔ کہتے ہیں چونکہ رسالتمآبؐ نے زید کی عورت سے نکاح کیا تھا تو مشرکین نے زبان طعن دراز کی تھی کہ دیکھو رسولؐ نے اپنی بہو سے شادی کر لی ہے تو یہ آیت اتری اور نیز خدا نے فرمایا وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَکُمْ اَبْنَآءَکُمْ۔ خدا نے تمہارے ادعائی بیٹوں کو حقیقی بیٹوں کا مقام نہیں دیا یعنی متبنّٰی ابن نہیں ہوا کرتا اور جس طرح باپ پر بیٹے کی حلیلہ (زوجہ) حرام ہے اسی طرح بیٹے پر بھی باپ کی۔ اور دادا نانا وغیرہ کی حلیلہ (زوجہ) سے نکاح کرنا حرام ہے چنانچہ اس سے قبل فرما چکا ہے۔ وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآءُکُمْ مِنَ النِّسَآءِ۔

وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ۔ یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا (حرام ہے) قرآن مجید میں جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے ان کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے جو عورتیں اس تفصیل سے باہر ہیں ان سے نکاح کی حرمت نہ ہوگی پس خالہ اور بھانجی اور اسی طرح پھوپھی اور بھتیجی بیک وقت ایک شخص کے نکاح میں جمع ہو سکتی ہیں۔ ہاں البتہ بھانجی یا بھتیجی سے پہلے نکاح ہو تو ان کی پھوپھی یا خالہ سے بلا اجازت زوجہ نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر پہلے خالہ یا پھوپھی سے نکاح ہو تو ان کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح کرنے کے لئے ان سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور مذہب امامیہ کا یہی فتویٰ ہے جو اہلبیت رسالتؐ کے فرامین سے اخذ کیا ہوا ہے اگر یہ بھی حرام ہوتیں تو قرآن مجید میں جہاں دو بہنوں کے بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع وارد ہوئی ہے ان سے بھی منع ہو جاتی تو چونکہ خدا نے محرمات ابدیہ کے تفصیلی ذکر میں ان کو ذکر نہیں کیا تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگلی آیت میں صاف طور پر فرما رہا ہے اُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ یعنی ان بیان شدہ عورتوں کے علاوہ ہر قسم کی عورتیں تم پر حلال ہیں۔

پارہ ۵

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَ

اور (شادی شدہ عورتیں) مگر وہ جن کے مالک ہوں تمہارے ہاتھ یہ فرض اللہ کا ہے تم پر اور

اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ

حلال کی گئیں تمہارے لئے وہ جو ان کے علاوہ ہیں کہ طلب کرو بذریعہ اپنے مال کے شادی کے لئے نہ زنا کیلئے

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

پس جو متعہ کرو بذریعہ مال کے عورتوں سے تو دو ان کو ان کے اجر (حق مہر) فرضی طور پر اور نہیں گناہ تم پر اس میں

تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٢٤﴾

جو باہمی رضامندی سے طے کرلو بعد میں مقرر شدہ کے تحقیق اللہ علیم حکیم ہے

وَالْمُحْصَنٰتُ :- اس کا عطف پیچھے ہے یعنی جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شادی شدہ یعنی منکوحہ عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پہلا شوہر اسے اپنی قید نکاح سے آزاد نہ کردے اور اس کی عدت نہ گزر جائے یا پہلے کی موت کے بعد اس کی عدت نہ گذر جائے اگر کوئی شخص منکوحہ عورت سے زنا کا مرتکب ہو جائے تو وہ عورت اپنے شوہر سے آزاد ہونے کے بعد بھی اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اور اس پہ حرام موبد ہو جاتی ہے۔ بلکہ عدت کے اندر زنا کرنے سے بھی وہ حرام ہو جاتی ہے۔

نکاح متعہ

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ - ابن عباس سے منقول ہے کہ اس جگہ استمتاع سے مراد نکاح متعہ ہے اور وہ نکاح جو مہر معلوم کے ساتھ مدت معلومہ تک کے لئے کیا جائے ۔ آیت مجیدہ میں اس جگہ نکاح متعہ کا مراد ہونا مسلمات میں سے ہے کیونکہ یہ سورہ مدنیہ ہے اور اس دور میں مسلمانوں میں متعہ کا عام رواج تھا اور عامی وخاصی تمام روایات اس کو متفق طور پہ تسلیم کرتی ہیں چنانچہ فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر جلد ثالث مطبوعہ مصر ص۱۹۶ پہ تسلیم کیا ہے۔ کہ واقعی یہ آیت نکاح متعہ کے جواز پہ دلالت کرتی ہے اور اس سے ہمارا کوئی انکار نہیں البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہوگیا ہے اور اس کے نسخ کے قائل بعض کہتے ہیں کہ دوسری آیت قرآنیہ اس کی ناسخ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ احادیث نبویہ اس کی ناسخ ہیں۔ جو لوگ آیات قرآنیہ کو ناسخ قرار دیتے ہیں ان میں باہمی زبردست اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ آیت طلاق اس کی ناسخ ہے کیونکہ بالعموم عورتوں کی علیحدگی کی صورت طلاق ہوتی ہے اور نکاح متعہ

میں طلاق نہیں پس منسوخ ہے بعض کہتے ہیں آیتِ میراث اس کی ناسخ ہے کیونکہ زوجہ مرد کی وارث قرار دی گئی ہے اور متعہ میں ایسا نہیں ہوتا پس منسوخ ہے اور بعض آیت عدد سے جس میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ چار عورتوں تک نکاح کی اجازت ہے اور متعہ اس سے خارج ہے وغیرہ لیکن تأمل و غور کرنے کے بعد صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات میں سے کوئی بھی نکاح متعہ کیلئے ناسخ نہیں ہو سکتی قطع نظر اس سے کہ قائلین نسخ خود ایک دوسرے سے اتفاق نہیں رکھتے کہ کس آیت کو ناسخ قرار دیا جائے اسی طرح سنت سے نسخ کی قائل بھی متفق نہیں ہیں بلکہ بعض کہتے ہیں فتح خیبر کے سال اور بعض کہتے ہیں فتح مکہ کے وقت اور بعض حجۃ الوداع کے موقعہ پر نکاح متعہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں اور علاوہ بریں خبر واحد حکم قرآنی کی ناسخ نہیں ہو سکتی بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ اخبار کو قرآن کے سامنے رکھا جائے جو کتاب اللہ کے موافق ہو وہ قابل عمل ہے ورنہ مردود تو دریں حالات کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے اخبار کو ایسے حکم قرآنی کا ناسخ قرار دیا جائے جو ایک عرصہ دراز تک معمول رہا ہو۔ اور تواتر سے اس پر عمل ثابت ہو۔

چنانچہ علامہ فخر الدین رازی اس مقام پر قائلینِ متعہ کے استدلال کو اس طرح نقل کرتے ہیں (اس میں شک نہیں کہ متعہ اسلام میں جائز تھا البتہ اس کے منسوخ ہونے میں شک ہے تو ہم کہیں گے کہ اس کا نسخ تواتر سے ثابت ہے یا خبر واحد سے اگر تواتر سے ثابت ہوتا تو حضرت علیؑ اور ابن عباس جیسے بزرگوار کیسے اس سے بے خبر رہتے ؟ اور اگر خبر واحد سے نسخ مانا جائے تو غلط ہے کیونکہ حکم متعہ کا ثبوت قطعی ہے اور خبر واحد ظنی ہوا کرتی ہے اور قطعی کو ظنی کے ذریعہ سے منسوخ نہیں کیا جا سکتا۔

نیز جن روایات میں ہے کہ حضرت رسالتمآبؐ نے یوم خیبر متعہ کی حرمت کا حکم دیا تھا وہ اس لئے ناسخ نہیں بن سکتی۔

کہ اکثر روایات میں یہ ہے کہ حضورؐ نے حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے وقت متعہ کی حلیت کا فرمان صادر کیا تھا۔

نیز حضرت عمر کا کہنا ہے کہ دو متعے جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں جائز تھے اور میں ان کو حرام قرار دیتا ہوں ایک متعہ حج اور دوسرا متعہ نساء گویا ان کا صاف اقرار ہے کہ رسالتمآبؐ کے زمانہ میں یہ حلال تھا اور منسوخ نہ تھا اور میں ہی اس کو منسوخ کر رہا ہوں اور عمران بن حصین نے یہی دلیل پیش کی تھی جب اس پر متعہ کے متعلق اعتراض کیا گیا تھا کہ حضرت رسالتمآبؐ نے ہمیں متعہ کا حکم دیا تھا اور ہم کرتے رہے اور آخر تک آپ نے منع نہ فرمایا۔ پھر ایک شخص نے اپنی مرضی سے جو چاہا کہہ دیا یعنی حضرت عمر نے اس سے منع کیا ہے (ملخصاً)

علامہ رازی نے ان روایات اور اعتراض کو بلاجواب چھوڑ دیا۔ گویا دبی زبان سے دلائلِ جواز متعہ کو تسلیم کر لیا لیکن آخر میں یہ کہہ دیا کہ چونکہ حضرت عمر نے صحابہ کے سامنے متعہ کی حرمت کا اعلان کیا اگر یہ منسوخ نہ ہو چکا ہوتا تو صحابہ پر اس سے جہاد کرنا واجب تھا اور چونکہ انہوں نے چپ اختیار کر لی لہذا حضرت عمر کا کہنا درست ہے۔ اور یہ اس سے کاشف ہے کہ حضورؐ نے ضرور منع کیا ہو گا (ملخصاً)

تفسیر میزان میں کنز العمال سے منقول ہے کہ ایک شخص شام سے مدینہ میں وارد ہوا اور ایک عورت سے متعہ کر کے کچھ مدت مقیم رہا بعد میں حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو اس کو بلایا گیا اور پوچھا گیا کہ کیا تو نے ایسا کیا ہے ؟ اس نے کہا ہاں ! سوال کیا گیا کہ تو نے ایسا کیوں کیا ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہم نے جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں کیا ہے اور کرتے رہے ہیں اور حضورؐ نے تادم

وفات منع نہیں فرمایا۔ پھر حضرت ابوبکر کے زمانہ میں بھی کرتے رہے ہیں اور آپ کے دور خلافت میں بھی آج تک ہوتا رہا ہے اور آپ نے منع نہیں کیا تو حضرت عمر نے قسم کھا کر فرمایا کہ اگر اس سے پہلے میں منع کر چکا ہوتا تو ضرور تجھے سنگسار کرتا نیز حرمت متعہ کو جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اولیات عمر میں سے لکھا ہے اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے حرام نہ تھا ورنہ متعہ کی حرمت اولیات عمر سے کیوں کر بن سکتی۔

صحیح مسلم اور مسند احمد سے بروایت عطا منقول ہے کہ جابر بن عبداللہ عمرہ کے لئے آیا تو ہم اس کے پاس جمع ہوگئے پس لوگوں نے مختلف موضوعات پر کلام کرنے کے بعد متعہ کی بحث کو چھیڑا تو جابر نے جواب دیا کہ ہم جناب رسالتمآبؐ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں خود کرتے رہے ہیں ایک اور روایت میں جابر سے مروی ہے کہ ہم نے رسالتمآبؐ کے زمانہ اور حضرت ابوبکر کے زمانہ اور حضرت عمر کے نصف دور خلافت تک متعہ کیا ہے اور اس کے بعد حضرت عمر نے منع کیا ہے۔

محاضرات راغب سے منقول ہے کہ عبداللہ بن عباس چونکہ متعہ کے جواز کا فتوےٰ دیا کرتے تھے تو عبداللہ بن زبیر نے ابن عباس پر اس بارہ میں طعن کیا تو ابن عباس نے کہا کہ اپنی ماں سے دریافت کرو چنانچہ جب اس نے اپنی ماں سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے تجھے متعہ سے جنا تھا (عبداللہ بن زبیر کی والدہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی تھی اور حضرت عائشہ کی بہن تھی اور اس کا حضرت زبیر (جو عشرۂ مبشرہ میں سے شمار ہوتا ہے) سے متعہ تھا اور اسی سے حضرت عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے

نیز صحیح ترمذی میں بھی ہے ایک شخص نے ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا تو اس نے جواز کا فتویٰ دیا تو سائل نے کہا کہ تیرا باپ تو حرمت کا حکم دیتا ہے اس کے جواب میں ابن عمر نے کہا کہ جس چیز کو جناب رسالتمآبؐ نے سنت قرار دیا ہو اگر میرا باپ اس سے روکے تو کیا تم سنت رسول پر عمل کرو گے یا میرے باپ کا کہا مانو گے؟

پس روایات صاف بتلاتی ہیں کہ نکاح متعہ نہ کتاب سے منسوخ ہے نہ سنت سے بلکہ حضرت عمر ہی نے اس کو حرام قرار دیا تھا اور متعہ کرنے والوں کو سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی۔

تفسیر میزان میں مستدرک حاکم سے مروی ہے کہ ابونضرہ کہتا ہے میں نے ابن عباس کے سامنے آیت متعہ تلاوت کی تو ابن عباس نے کہا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى راوی کہتا ہے ہم تو ایسا نہیں پڑھا کرتے تو ابن عباس نے کہا خدا کی قسم اسی طرح نازل ہوئی ہے غالباً مقصد یہ ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں اس آیت کو اس تفسیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے اور جبرئیل اس کا یہی مطلب لے کر آیا تھا بہر کیف منصف مزاج انسان کے لئے تو ان روایات کو دیکھنے کے بعد کوئی شک و شبہ کی گنجائش تک نہیں رہتی کہ متعہ جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں جائز اور مروج تھا اور قطعاً منسوخ نہیں ہوا تھا۔ لہذا آپ کے بعد کسی آپ کے جانشین کو حق نہیں پہنچتا کہ شریعت مقدسہ کے کسی حکم میں ترمیم یا تنسیخ کرے اور اسی بنا پر حضرت امیرالمومنین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ عمر نے متعہ کو حرام نہ کیا ہوتا تو کوئی بدنصیب ہی زنا کا مرتکب ہوتا اور اس روایت کو تفسیر کبیر میں محمد بن جریر طبری کی تفسیر سے نقل کیا گیا ہے۔

متعہ کے جواز بلکہ سنت ہونے کے متعلق اہلبیت اطہار علیہم السلام سے احادیث بحدِ تواتر موجود ہیں اور شہید ثانی اعلی اللہ مقامہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تقیہ کے پیشِ نظر ہماری احادیث میں بسا اوقات اختلاف رونما ہو جایا کرتا ہے لیکن متعہ کا حکم اگرچہ باقی فرق اسلامیہ میں سے شیعہ کا امتیازی فتویٰ ہے لہٰذا اس بارے میں احادیث میں اختلاف کا ہونا بعید نہ تھا اور بایں ہمہ ایک حدیث بھی آئمہ الطاہرین علیہم السلام سے ایسی منقول نہیں جس میں متعہ کی حرمت کا فتویٰ دیا گیا ہو۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ - بروایت تفسیر عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر متعہ کی میعاد ختم ہو جائے اور زن و مرد اس کو بڑھانا چاہیں تو مرد مہر کو بڑھا دے اور عورت مدت کی زیادتی کی اجازت دے پس مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ کا مطلب یہ ہے کہ مدت ختم ہو جانے کے بعد ہر دو کی رضامندی سے مہر اور مدت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ البتہ متعہ کی حرمت کا فتویٰ دینے والے ایک عذر پیش کرتے ہیں کہ جس وقت جناب رسالتمآبؐ نے متعہ کی اجازت دی تھی اس وقت ضرورت لاحق تھی یعنی صحابہ گھروں سے دُور ہونے کی وجہ سے مزید صبر نہیں کر سکتے تھے پس اس ضرر کو رفع کرنے کیلئے یہ حکم عارضی طور پر دیا گیا اور بعد میں منع کیا گیا اس کا جواب تفسیر میزان نے یہ دیا ہے کہ اگر متعہ کو زنا سے تعبیر کیا جائے تو کیا ایسی صورتوں میں زنا کی اجازت دی جا سکتی ہے؟ اور نیز کیا جناب رسالتمآبؐ کے دور کے بعد وہ ضرورت برطرف ہو گئی تھی جبکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں کی فوجیں مشرق سے مغرب تک جایا کرتی تھیں اور کافی عرصہ کیلئے مجاہدوں کو گھروں سے غائب رہنا پڑتا تھا اور نیز حضرت عمر کی ابتدائی خلافت اور اس کے آخری حصہ میں ضرورت کس طرح تبدیل ہو گئی۔

اور پھر زمانِ حاضر میں ضرورت کا جائزہ لیجئے جب کہ جذباتِ شہوانیہ کے مظاہرے ناموسِ انسانیت کو داغدار کر رہے ہیں اور دن بدن روز افزوں ترقی پر ہیں یہاں تک کہ نوجوان طبقہ میں بدکاری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ خدا کی پناہ یہ زنا اور لواطہ کیوں ہمہ گیر ہو رہا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ زیادہ شادیاں کرنا بعض ملکوں میں تو قانوناً ممنوع ہیں اور جہاں ممنوع نہیں وہاں نکاح دائمی کے اخراجات کے بوجھ برداشت کرنے کی طاقت کم ہے یا ایسی رکاوٹیں موجود ہوتی ہیں مثلاً تحصیل علم یا ملازمتیں وغیرہ کہ انسان شادی نہیں کر سکتا۔ پس جذبات کے مقابلہ سے عاجز ہو کر زناکاری اور لواطہ کاری کو ہی باعثِ تسکین سمجھ لیا جاتا ہے۔

ان ضروریات کے پیشِ نظر اگر متعہ جائز ہوتا تو کیوں یہ بدکاری ہمہ گیر طوفان بن کر اہلِ عالم پر چھا جاتی؟

نیز یہ اعتراض بھی ہوتا ہے کہ عورت و مرد کی ازدواجی زندگی صرف نسلِ انسانی کو برقرار رکھنے کے لئے ہے نہ کہ خواہشات کا الو سیدھا کرنے کے لئے اور نکاح متعہ چونکہ صرف جذبات شہوانیہ کی تسکین کے لئے ہوتا ہے لہٰذا یہ غرضِ خلقت کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی احکامِ شرعیہ مصلحتوں کے ماتحت ہوا کرتے ہیں اور نکاح کی مصلحتِ حقیقیہ ہے نسلِ انسانی کو برقرار رکھنا لیکن اس سلسلہ کو جاری کرنے کیلئے جب تک عورت و مرد میں ایک دوسرے کی طرف کشش نہ ہو یہ خواب کیونکر شرمندہ تعبیر ہو۔ پس خداوندکریم نے عورت و مرد میں کشش پیدا کرنے کے لئے ان کو اپنی حکمتِ تامہ کی رُو سے قوتِ شہوانیہ عطا فرمائی تاکہ ان کا باہمی تجاذب سلسلۂ نسلِ انسانی کا پیش خیمہ ہو۔ پس فطری طور پر انسان بقاءِ نسل کی طرف اقدام

کرتا ہے لیکن شہوانی کشش کے ماتحت ورنہ اگر یہ کشش نہ ہوتی تو قطعاً یہ غرض پوری نہ ہو سکتی۔ دیکھئے نکاح سنت ہے اور خداوند کریم کی طرف سے انسان پر عائد شدہ احکام واجبات ومحرمات جن کو شریعتِ مقدسہ نے رائج فرمایا ہے کس قدر زیادہ ہیں اور انسان اور خصوصاً مسلمانوں کا طبقہ ان پر کس حد تک عمل پیرا ہے؟ اور یہ اس لئے کہ ان پر عمل کرنے سے انسان کو لذت نہیں آتی اور جن چیزوں میں نفس لذت محسوس کرتا ہے خواہ خدا ان کو حرام بھی کہے ان سے باز نہیں آتا اور نکاح باوجودیکہ سنت ہے لیکن چونکہ اس میں لذت ہے اس لئے اس کی طرف خوشی سے بلکہ لڑ بھڑ کر اقدام کرتا ہے بلکہ اس راہ میں ہزار رکاوٹیں ہوں تب بھی ان کے دفع کرنے کیلئے ہمہ تن تیار ہوتا ہے بلکہ اس کی خاطر جان ومال تک کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا۔ پس یقینی بات ہے کہ اگر خواہش وشہوت نہ ہوتی نسلِ انسانی کی برقراری کی غرض صرف عورت ومرد کی خلقت سے پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

پس عورت ومرد کی ازدواجی زندگی صرف نسلِ انسانی کی بقا کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ انسان حیوانیت کی بے راہ روی سے بچ سکے اور افراط وتفریط سے یکسو ہو کر تمدن انسانی کا ضامن ہو جس کے لازمی نتیجہ میں نسلِ انسانی کی بقا سے زمین آباد ہو اور عالم سکون واطمینان کا گہوارہ ہو۔ پس خواہشات کا پورا کرنا غرض خلقتِ انسانی کے منافی نہیں۔ ہاں ان کی آوارگی اور بے راہ روی منافی فطرت بھی ہے اور مصادم غرض بھی۔

یہ ضروری نہیں کہ ہر شادی کرنے والا جوڑا صاحبِ اولاد ہو۔ تو کیا ایسی صورت میں ان کا شادی کرنا ناجائز قرار دیا جائے کیونکہ ان کی شادی سے نسلِ انسانی پر کچھ اثر نہیں پڑتا اسی طرح بانجھ عورت سے شادی کرنا اور اسی قسم کی ہزاروں شقیں سامنے لائی جا سکتی ہیں۔ بہرکیف شہوت کی تکمیل حرام نہیں بلکہ تکمیلِ شہوت میں بے راہ روی اور آوارگی شریعتِ مقدسہ نے ناجائز قرار دی ہے۔ بنابریں نکاح متعہ کو شریعتِ مقدسہ نے اسی آوارگی اور بے راہ روی کے سدباب کیلئے ایجاد کیا تھا جبھی تو مولائے کائنات فرمایا کرتے تھے اگر متعہ کو حرام نہ کیا گیا ہوتا تو بدنصیب ہی بدکاری کا مرتکب ہوتا۔ پس اس باب میں اتنا لکھنا کافی ہے اس کے بعد یہ سمجھنا ضروری ہے کہ متعہ انہی عورتوں سے ہو سکتا ہے جن سے نکاح دائمی ہو سکتا ہے اور متعہ کی مدت ختم ہو جانے کے بعد اس کو بڑھایا بھی جا سکتا ہے۔ مدت ختم ہو جانے کے بعد عورت کے لئے طلاق کی نصف عدت تک انتظار کرنا ضروری ہے اس کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح متعہ یا نکاح دائمی کر سکتی ہے نیز متعہ کی اولاد اس مرد کی صحیح اولاد ہو گی اور وہ اپنے ماں باپ کی وارث ہو گی جس طرح دوسری اولاد وارث ہوا کرتی ہے۔ نیز متعہ کے صیغے نکاح کے صیغوں کی طرح پڑھے جاتے ہیں اور مجبوری کی صورت میں ان کے اپنی زبان میں ترجمہ سے بھی متعہ ہو سکتا ہے۔ اور متعہ میں تعداد کی کوئی پابندی نہیں حتیٰ کہ اگر چار منکوحہ عورتیں گھر میں ہوں تب بھی ایک یا زیادہ عورتوں سے متعہ کیا جا سکتا ہے

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ

اور جو طاقت نہ رکھے تم سے مال کی کہ نکاح کرے پاک دامن مومن عورتوں سے تو اُن سے کہ مالک ہوں تمہارے

اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ

ہاتھ کنیزیں مومنہ اور اللہ جانتا ہے تمہارا ایمان کہ تمہارا بعض بعض سے ہے پس ان سے نکاح

بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

کرلو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کو ان کے مہر ساتھ نیکی کے جو پاک دامن ہو نہ ظاہر بدکار اور نہ بنانے

اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ

والی ہوں پوشیدہ یار پس جب شادی شدہ ہو جائیں تو اگر کریں بدکاری تو ان پہ آدھی ہوگی اس کی جو (آزاد) شادی شدہ عورتوں

مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

پہ ہے سزا یہ (کنیزوں سے شادی) اس کے لئے ہے جو ڈرے زنا سے تم میں سے اور اگر صبر کرو تو تمہیں اچھا ہے اور اللہ غفور

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ ۔ یعنی اگر آزاد عورت کے حق مہر اور اخراجات کا بوجھ نہ برداشت کر سکو تو کنیزوں سے شادی کرلو کیونکہ ان کے مہر و اخراجات میں تخفیف ہوتی ہے یعنی دوسروں کی کنیزوں سے ان کی اجازت کے ماتحت ورنہ اپنی کنیز تو بغیر نکاح کے حلال ہوا کرتی ہے اور شرط یہ ہے کہ کنیز بھی مومنہ ہو معلوم ہوا کہ کافرہ سے نہیں ہو سکتا۔

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۔ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ تم سب بنی آدم ہو اور ایک ہی جنس سے ہو۔

یا یہ کہ تم سب آپس میں ایمانی بھائی ہو۔ لہٰذا کنیزوں سے شادی کرنا عار نہ سمجھو

وَلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۔ عرب جاہلی میں بعض لوگ ایسے تھے جو اعلانیہ زنا کو گناہ سمجھتے تھے اور خفیہ زنا کو وہ جائز جانتے تھے اس لئے خداوند کریم نے ان دونوں کو الگ الگ ذکر کرکے منع فرمایا نہ وہ مسافحات ہوں یعنی اعلانیہ زنا کرنے والی اور نہ متخذات اخدان ہوں یعنی خفیہ یار رکھنے والیں۔

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ ۔ یعنی اگر آزاد و منکوحہ عورت زنا کرے تو اس کی سزا کی نصف سزا کنیز کو دی جائے گی ۔ اگر زنا ثابت ہو جائے یعنی پچاس کوڑے۔

لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ ۔ یعنی اگر غلبہ شہوت سے مجبور ہو کر زنا میں پڑنے کا ڈر ہو تو کنیزوں سے شادی کرے ورنہ اگر صبر کر سکے تو

رَحِيمٌ ﴿٢٥﴾ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ

رحیم ہے چاہتا ہے خدا کہ بیان کرے تمہارے لئے (احکام) اور بتائے رستے ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے اور رجوع

عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ

رحمت کرے تم پر اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر رجوع رحمت کرے اور چاہتے ہیں وہ لوگ

يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ

جو پیچھے پڑتے ہیں شہوتوں کے یہ کہ تم کج روی کرو زیادہ چاہتا ہے اللہ کہ تخفیف کرے تم سے اور پیدا ہوا ہے

الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ

انسان کمزور اے ایمان والو! نہ کھاؤ ایک دوسرے کے مال آپس میں غلط طریقہ سے مگر یہ کہ

تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾

تجارت ہو باہمی رضامندی تمہاری سے اور نہ قتل کرو آپس میں تحقیق اللہ تم پہ رحم کرنے والا ہے

اور زیادہ بہتر ہے۔

رکوع نمبر ۲

يُرِيدُ اللَّهُ :- یعنی خدا چاہتا ہے کہ گذشتہ نیک لوگوں کے طریق پر چلو تاکہ جس طرح وہ انجام کار خدا کی رحمت سے واصل ہوئے اسی طرح تم بھی انہی جیسی نعمات حاصل کرو لیکن خواہش پرست لوگ تمہیں خدا کی رحمت سے دُور کرنے پر آمادہ ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم خدا کی حدود شکنی کر کے مستحق عذاب ہو جاؤ۔

أَنْ يُخَفِّفَ :- یعنی آزاد عورتوں سے نکاح نہ کر سکنے کی صورت میں اس نے کنیزوں سے نکاح کر لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے اور وہ صبر نہ سکے گا یا یہ کہ تمہارے گناہوں کے بعد اس نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ کیونکہ وہ انسان کی کمزوریوں کو جانتا ہے۔

بِالْبَاطِلِ، مجمع البیان میں اس سے مراد سود خوری، جوا، دھوکہ اور ظلم ہیں اور یہی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے

لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ :- یعنی خدا کی نافرمانی سے اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو یا بعض بعض کو قتل نہ کرو اور قتل نفس سے باز رکھنے کا حکم خدا کا رحم ہے ورنہ اگر اس کی طرف سے منع نہ ہو تو انسان بلکہ انسانیت تباہ ہو جائے گی۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

اور جو ایسا کرے ازراہ سرکشی و ظلم تو عنقریب اس کو جلائیں گے ہم دوزخ میں اور یہ اللہ پر

يَسِيْرًا ۝۳۰ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا

آسان ہے اگر بچو گناہانِ کبیرہ سے جن سے منع کئے گئے ہو تو ہم دور کردیں گے تم سے برائیاں تمہاری اور داخل کریں گے پاکیزہ

گناہانِ کبیرہ سے بچنے کا حکم

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ :۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے متعلق خداوندکریم نے قرآن مجید میں جہنم کی وعید کی ہے اور اس دنیا میں اس کے لئے حد مقرر فرمائی ہے اور ابن عباس سے منقول ہے کہ ہر وہ چیز جس سے خدا نے منع فرمایا ہے اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے صاحب مجمع البیان فرماتے ہیں ہمارے علماء کا مسلک یہی ہے کہ گناہ سب کبیرہ ہیں لیکن چونکہ بعض بعض سے اکبر ہیں اس لئے ان کو صغیرہ وکبیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے نیز آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر تم گناہانِ کبیرہ سے باز رہو گے جو نکاح میراث اور یتیموں کے اموال اور سودخواری وغیرہ کے متعلق اسی سورہ میں بیان کئے جاچکے ہیں تو اس سے پہلے کی اس قسم کی تمہاری برائیاں معاف کردی جائیں گی اسی بناء پر ابن مسعود سے منقول ہے کہ اس سورہ میں اوّل سے لیکر آیت نمبر۳۰ تک جن چیزوں سے خدا نے فرمایا ہے ان کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور علامہ طبرسی نے اسی کو پسند فرمایا ہے لیکن میرے خیال میں اس کو مخصوص کرنے کی ضرورت نہیں جبکہ آیت کے عمومی الفاظ بھی اس سے انکاری ہیں پس مقصد یہ لیا جائے کہ اگر انسان گناہانِ کبیرہ سے رُک جائے تو اس کے گناہانِ صغیرہ معاف کردیئے جائیں گے تو بہتر ہوگا اور روایات آئمہ بھی اس کی موید ہیں۔ ہاں علامہ طبرسی کے نزدیک چونکہ گناہ سب کبائر ہیں اس لئے انہوں نے شاید اس معنی کو اختیار نہ فرمایا ہو لیکن وہ بھی اپنے مقام پر گناہوں میں فرق تو کرتے ہیں اور معنی ان کے مختار کے مطابق اسی نہج پر ہو سکتا ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے گناہانِ کبیرہ کی فہرست یہ نقل کی گئی ہے کہ عمرو بن عبید بصری نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی اور چپ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا خاموش کیوں ہوا ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ حضور گناہانِ کبائر میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ پس آپ نے فرمایا (۱) سب کبائر سے اکبر گناہ ہے شرک کرنا چنانچہ اس کے متعلق فرماتا ہے وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ :۔ جو شرک کرے گا اس پر اللہ نے جنّت حرام کی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے (۲) اللہ کی رحمت سے ناامیدی چنانچہ فرماتا ہے :۔ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (۳) اللہ کی گرفت سے بے خوف فرماتا ہے لَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ (۴) والدین کی نافرمانی (۵) نفسِ محترمہ کا قتل (۶) پاک دامن شادی شدہ عورتوں کو زنا کی تہمت دینا (۷) یتیم کا مال کھانا (۸) جہاد سے بھاگنا (۹) سود کھانا (۱۰) جادو کرنا (۱۱) زنا (۱۲) جھوٹی قسم کھانا (۱۳) دھوکا (۱۴) زکوٰۃ ادا نہ کرنا (۱۵) جھوٹی گواہی دینا (۱۶) شہادت حق پر پردہ ڈالنا (۱۷) شراب پینا (۱۸) نماز ادا نہ کرنا (۱۹) کوئی دوسرا فرض نہ ادا کرنا (۲۰) عہد شکنی (۲۱) قطع رحمی اور آپ نے ان

تمام گناہوں کے اثبات میں آیاتِ قرآنیہ تلاوت فرمائیں جن کو ہم نے اختصار کے پیشِ نظر چھوڑ دیا ہے پس جب عمرو بن عبید بصری نے سنا تو چیخیں مارتا ہوا باہر نکلا اور یہ کہہ رہا تھا کہ جو شخص اپنی رائے سے کچھ کہے یا آپ سے فضل میں برابری کا دعویٰ کرے تو وہ ہلاک و برباد ہے۔ تفسیر برہان میں فقیہہ سے منقول ہے کہ امام رضا علیہ السلام سے حاکم جائر کی ملازمت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے سلیمان راوی۔ حدیث سے فرمایا (۲۲) اے سلیمان ان کے اعمال میں داخل ہونا۔ ان کی امداد کرنا اور ان کے حوائج میں جدوجہد کرنا کفر کے برابر ہے۔ (۲۳) اور ان کی طرف عمداً نگاہ اٹھا کر دیکھنا گناہِ کبیرہ ہے جس سے انسان دوزخ کا سزاوار ہو جاتا ہے (ممکن ہے اس کے مصادیق اس زمانہ کے سلاطین بنی عباس ہوں جو آئمہ اہلبیتؑ اور جملہ سادات بنی فاطمہؑ کے قتل و آزار کیلئے ہر وقت آمادہ تھے پس چونکہ ان کے کاروبار میں شریک ہونا اور ان کی امداد کرنا قتل آئمہ اور ایذاء سادات میں شرکت کا موجب تھا۔ اس لئے معصوم نے اسے کفر سے تعبیر فرمایا واللہ اعلم) ایک روایت میں حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے (۲۴) مطلق نشہ اور مستی گناہِ کبیرہ ہے (۲۵) اور اسی طرح وصیت میں باقی ورثاء پر زیادتی کرنا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔

تفسیر برہان میں بروایت فقیہ اور تہذیب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تمام گناہانِ کبیرہ میں سے اکبر کل سات ہیں (۱) شرک (۲) قتلِ نفس (۳) مال یتیم کا کھانا (۴) والدین کی نافرمانی (۵) پاکدامن عورت پہ تہمت (۶) جنگ سے فرار (۷) اللہ کی نازل کردہ چیز کا انکار ● شرک کے متعلق تو تم لوگ سن چکے ہو کہ کیا کچھ خدا و رسول نے ہمارے حق میں فرمایا لیکن لوگوں نے اس بارے میں خدا و رسول کو جھٹلایا (پس وہ شرک کے مرتکب ہوئے) ● قتل نفس کے بارے میں امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کا قصہ اظہر من الشمس ہے ● یتیم کا مال سو ہم یتیم ہیں اور ہمارا مال فئے ہضم کیا گیا ● والدین کی نافرمانی تو رسول بفرمان خدا امت کا باپ تھا تو اس کی ذریت کے حق میں اس کی نافرمانی کی گئی ● پاکدامن پہ تہمت۔ سو انہوں نے جناب فاطمہؑ کے متعلق منبروں پہ بہت کچھ کہا ● جہاد سے فرار۔ تو حضرت امیر علیہ السلام کی بیعت کر کے فرار کر گئے ● خدا کی نازل کردہ اشیاء کا انکار تو ہمارا حق ہے جس کا انکار کیا گیا اور یہ وہ گناہ ہیں جن سے کسی کو معاف نہ کیا جائے گا اور پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی مقصد یہ ہے کہ جو شخص ان گناہوں سے بچ جائے اس کے باقی گناہ عفو کے قابل ہوا کرتے ہیں لیکن ان کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ صرف اہلبیتؑ عصمت کی ولایت و محبت کافی ہے اور باقی اعمال کی ضرورت نہیں ورنہ ایسے لوگوں سے آئمہ طاہرینؑ بری الذمہ ہیں۔

چنانچہ ہم نے تفسیر کی جلد اوّل میں بھی اس کی کافی وضاحت کی ہے۔ پہلی روایت میں جن گناہانِ کبیرہ کا ذکر تھا وہ تھی آیت مجیدہ کی ظاہری تفسیر اور آخری حدیث میں گناہانِ کبیرہ کے جن افراد اور ان کے ارتکاب کرنے والوں کا تذکرہ ہے اس سے مراد ہے آیتِ مجیدہ کی باطنی تاویل اور قرآن کے ظاہر پہ جس طرح عمل کرنا واجب ہے اسی طرح قرآن کے باطن پہ بھی ایمان رکھنا واجب ہے اور نیز معصوم کی اس باطنی تاویل کو صرف انہی افراد تک محدود بھی نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ تاویل کا سلسلہ تا قیامت جاری ہے اور قیامت تک کے لئے جو لوگ اس قسم کے کام کریں گے وہ بھی اسی آیہ مجیدہ کے ماتحت گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہو کر سزاوارِ جہنم ہوں گے۔ پس دورِ اوّل کے بعض لوگوں پر آیت کو چسپاں کر کے اپنے اعمال و کردار کو فراموش کرنا شیطانی دھوکا ہے۔

كَرِيمًا ○ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا

جگہ میں اور نہ خواہش کرو اس کی کہ زیادتی دی ہے اللہ نے اس شے کی بعض کو بعض پر مردوں کے لئے ہے حصہ اس

اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ

سے جو کمائیں اور عورتوں کے لئے ہے حصہ اس سے جو کمائیں اور مانگو اللہ سے اس کی زیادتی تحقیق اللہ ہے ہر شے

وَلَا تَتَمَنَّوْا ۔ یعنی دوسرے کے پاس مال نعمت اور خوبصورت عورت دیکھ کر یہ نہ کہنا چاہیئے کہ کاش یہ میری ہوتی کیونکہ یہ حسد ہے ۔ ہاں یہ کہنا چاہیئے کہ میرے اللہ مجھے بھی اس جیسی عطا فرما ۔ مجمع البیان ۔ عن الصادق علیہ السلام

لِلرِّجَالِ ۔ کہتے ہیں اُم سلمہ نے عرض کی تھی یا رسول اللہ مردوں کے لئے جہاد ہے جو عورتوں پر نہیں اور میراث میں بھی عورت کا حصہ آدھا ہے کاش ہم مرد ہوتے تاکہ مردوں کی طرح فضیلت ہمیں ملتی تو یہ آیت اتری کہ اعمال صالحہ میں سے جو مرد کمائے گا وہ مرد کو ملے گا اور جو عورت کمائے گی اس کا بدلہ عورت کو ملے گا ۔ اللہ کے نزدیک جزا و سزا کے لحاظ سے عورت و مرد برابر ہیں ۔ گویا عورت و مرد کے درمیان احکام میں جو فرق کئے گئے ہیں وہ ظاہری دنیاوی نظام کے قائم کرنے کے لئے مبنی بر مصلحت ہیں ۔ ورنہ بعد از مرگ جزا و سزا دونوں کی یکساں ہے ۔

وَاسْئَلُوا اللّٰهَ ۔ احادیث میں مروی ہے کہ خداوند کریم نے ہر شخص کے لئے رزق کا ایک معیار مقرر فرمایا ہے پس جو شخص اپنے رزق میں حرام کی ملاوٹ کرے اسی قدر اس کے رزق حلال سے اس کو کم کر دیا جاتا ہے اگر وہ شخص حرام نہ ملاتا تو اسے اپنا پورا حلال ملتا ۔ تفسیر برہان میں جو روایت ابن شہر آشوب حضرت باقر و حضرت صادق علیہما السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے حق میں اُتری ہے ۔

مَوَالِیَ ۔ مولیٰ کی جمع ہے اور اس جگہ اس سے مراد قریبی اور وارث ہے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام سے بھی یہی منقول ہے

وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ ۔ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ علیحدہ ہے اور پھر اس کے معنی کے متعلق اقوال چند ہیں ایام جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ دو شخص آپس میں ہم قسم ہو کر یہ باہمی عہد کرتے تھے ۔ تیرا خون میرا خون ۔ تیری جنگ میری جنگ ۔ تیری صلح میری صلح اور تو میرا وارث اور میں تیرا وارث ہوں گا اور تو میری اور میں تیری دیت ادا کروں گا ۔ پس اس صیغہ کے جاری ہونے کے بعد جب ان میں سے ایک پہلے مرتا تھا تو دوسرا اس کا حلیف اس کی جائداد میں سے ۱/۶ حصہ کا وارث قرار دیا جاتا تھا پس یہ آیت اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ان کو اپنا مقررہ حصہ دے دو لیکن اس کے بعد آیت اُولُوا الْاَرْحَامِ کے ذریعہ سے یہ حکم منسوخ ہو گیا (۲) وہ لوگ مراد ہیں کہ مدینہ میں آنے کے بعد جناب رسالتمآبؐ نے ان کے درمیان صیغہ مواخات جاری فرمایا تھا پس وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے اور بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا ۔ (۳) لوگ جاہلیت کے زمانہ میں متبنّٰی بناتے تھے جیسے کہ زید جناب رسالتمآبؐ کا متبنّٰی تھا پس ان کے متعلق حکم تھا کہ بوقت مرگ ان کیلئے کچھ نہ کچھ وصیت کر جایا کرو اور یہ آیت اسی حکم پر عمل کرنے کا امر دھرا رہی ہے کہ انہیں اپنا حق دے دو (مجمع البیان)

شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ

کو جاننے والا اور ہر ایک کے لئے بنائے ہم نے وارث اس کے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور صاحبانِ قرابت اور وہ لوگ جو

أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۳﴾ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ

تمہارے ہم قسم ہو چکے ہیں پس دو ان کو حصہ تحقیق اللہ ہر شے پر حاضر ناظر ہے مرد بالادست ہیں عورتوں

عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ

پر بوجہ اس کے کہ فضیلت دی اللہ نے بعض کو بعض پر اور بوجہ خرچ کرنے ان کے اپنے مالوں میں سے پس نیک

یہ آیت مجیدہ بھی جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے دعویٰ فدک کی تصدیق کر رہی ہے کیونکہ آیت مجیدہ کے الفاظ عمومی بانگ دہل کہہ رہے ہیں کہ ہر شخص کے لئے وارث واقربین ہوا کرتے ہیں جو اس کے متروکہ کے مالک ہوا کرتے ہیں خواہ وہ نبی ہوں یا غیر نبی۔ پس حدیثِ مفروضہ کہ نبیوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا محض جھوٹ اور بے حقیقت بہانہ تھا

رکوع نمبر ۳

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ :- خداوند کریم نے مردوں کو عورتوں پر بالادستی عطا فرمائی ہے اور اس آیت مجیدہ میں اس کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں ایک تو یہ کہ مرد کو عورت پر خدا نے فضیلت دی ہے اور وہ علم وعقل اور عزم و تدبیر ہے کہ عورتوں میں یہ صفات بہ نسبت مرد کے یقیناً بہت کم ہوتی ہے اور خانگی نظام میں جب تک مرد کو بالادستی حاصل نہ ہو کبھی تدبیر منزل میں کامیابی نہیں ہو سکتی اور دوسری وجہ مرد کی بالادستی کی جو خدا نے بیان کی ہے وہ ہے مرد کا خرچ کرنا یعنی عورت کے حق مہر کی ادائیگی اور اس کے بعد اس کے جملہ اخراجات بذمہ مرد کے ہوا کرتے ہیں لہذا بالادستی کا حق بھی اسی کو حاصل ہونا چاہیے اس کی مزید وضاحت تیسری جلد میں ہو چکی ہے۔ صـ ۶۳ تا صـ ۶۶ و صـ ۹۵ تا صـ ۱۰۱

حٰفِظٰتٌ صـ ۱۷۱ :- یعنی مرد کی غیر حاضری کے زمانہ میں بھی وہ اپنی ناموس اور مرد کے اموال کی محافظ رہتی ہے جس طرح خداوند کریم نے ان کے حقوق کو محفوظ فرمایا ہے کہ ان کے جملہ اخراجات کا بوجھ مردوں کے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔

وَاللّٰتِيْ تَخَافُوْنَ صـ ۱۷۱ :- یعنی جن عورتوں سے نافرمانی کے آثار نمودار ہونے لگیں اور تمہیں خطرہ محسوس ہو کہ یہ اور آگے بڑھ کر فساد کا پیش خیمہ بنیں گی تو ابھی سے ان کو نصیحت کرو اگر زبانی نصیحت کارگر نہ ہو تو سونے میں ان کے ساتھ کھچاؤ کرو کیونکہ اگر عورت کی مرد کے ساتھ محبت ہوگی تو قطعاً اس مفارقت پر صبر نہ کر سکے گی اور اگر محبت کم ہوگی تو وہ پرواہ تک نہ کرے گی اور جب عورت اس نوبت سے آگے بڑھ جائے تو پھر مرد اس کو سزا دے یعنی کم سزا سے رفتہ رفتہ زیادہ کی طرف قدم بڑھائے اور مارتے وقت اتنا بھی نہ مارے کہ اس کو زخمی کر دے۔

فَابْعَثُوْا حَكَمًا صـ ۱۷۱ :- مجمع البیان میں ہے اس امر کا مخاطب سلطانِ وقت ہے جس کی طرف عورت و مرد نے اپنا مقدمہ پہنچایا ہو چنانچہ صادقین علیہما السلام سے ایسا ہی مروی ہے۔

قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۚ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

عورتیں اطاعت گزار (جان مال کی) پاسدار ہیں پیٹھ پیچھے بوجہ پاسداری اللہ کے اور جو عورتیں ڈرتے ہو تم ان کی نافرمانی سے تو ان کو

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ

نصیحت کرو اور ان سے یکسوئی کرو سونے میں اور ان کو مارو پس اگر اطاعت کرلیں تو نہ طلب کرو ان پر کوئی راہ الزام

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ

تحقیق اللہ بلند و بزرگ ہے | اور اگر ڈرو ان کے باہمی اختلاف سے تو بھیجو ایک مرد مرد کے خاندان سے

وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اور ایک عورت کے خاندان سے اگر چاہیں گے وہ دونو اصلاح تو میل دے گا خدا ان دونوں کو تحقیق اللہ دانا بینا ہے

تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ سائل نے دریافت کیا کہ دونو حکم اگر عورت و مرد سے صاف اجازت لے لیں کہ کیا تم دونوں نے اپنا معاملہ ہمارے سپرد کردیا ہے اگر ہم چاہیں تو تمہیں ملادیں اور اگر چاہیں تو تمہیں الگ کردیں؟ پس عورت و مرد اجازت دے دیں اور اس پر گواہ بھی قائم ہوجائیں تو کیا اب یہ دونوں حکم عورت و مرد کے درمیان طلاق واقع کرکے ان کو جدا بھی کرسکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں لیکن شرط یہ ہے کہ عورت حیض میں نہ ہو اور اس طہر میں عورت و مرد نے ہمبستری نہ کی ہو پھر سائل نے پوچھا اگر ایک حکم ان میں جدائی کرنا چاہے اور دوسرا ان کو ملانا چاہے تو پھر؟ آپ نے فرمایا جدائی نہ ہوگی جب تک دونوں کا اتفاق جدائی پر نہ ہو۔

پس روایات معصومین علیہم السلام میں بکثرت وارد ہے کہ دونوں فیصل مرد و عورت کی تفریق کا حکم نہیں دے سکتے جب تک کہ عورت و مرد سے اجازت نہ حاصل کرلیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ دونو حکم خود مختار ہیں خواہ ان میں تفریق کا فیصلہ کریں خواہ ان کو ملادیں لیکن یہ مذہب امامیہ کے فیصلہ کے خلاف ہے جیسا کہ بعض روایات کا مضمون گزر چکا ہے۔

محمد بن مسلم نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا جب تک عورت و مرد سے اجازت نہ لیں حکمین کے لئے ان کی تفریق جائز نہیں۔ نیز زید شحام نے بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے جس کے الفاظ مثل حدیث سابق کے ہیں اور اس قسم کی بہت سی احادیث خانوادۂ عصمت سے صادر ہوئی ہیں اور اجازت حاصل کرنے کے بعد وہ حکم وکیل طلاق ہوجائیں گے لہذا ان کی تفریق جائز ہوگی اور آیت مجیدہ قرآنیہ میں صرف یہ ہے کہ وہ دونوں اصلاح کی کوشش کریں اور اگر دونوں کی نیت درست ہوگی تو ممکن ہے کہ خدا توفیق صلح دے دے۔ اب آیا مرد و عورت کے درمیان صلح نہ ہوسکے تو دونوں خود بخود ان میں طلاق کا حکم بھی نافذ کردیں تو آیت قرآن اس سے خاموش ہے بس اس سلسلہ میں بجائے قیاس کرنے کے ناطق قرآن کے فیصلہ کو دیکھنا چاہیے اور وہ ہی قرآنی نکات کو تمام امت سے بہتر سمجھنے والے ہیں اور ان کے فرامین ذکر ہو چکے ہیں

مردوں کی حکومت پر ایک نظر

آیت مجیدہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ۔ علی الاطلاق عورتوں پہ مردوں کی بالادستی کا اعلان کر رہی ہے تدبیر منزل میں بھی اور سیاست مدینہ میں بھی اور عورت و مرد کی جداجدا وضع ساخت بھی اسی کی متقاضی ہے۔ ہاں اخروی سزا وجزا میں عورت و مرد مساوی ہیں اور اللہ کے نزدیک اکرم وہ ہے جو متقی ہو خواہ مرد ہو یا عورت چنانچہ تفسیر میزان میں تفسیر درمنثور سے مروی ہے کہ ایک روز جناب رسالتمآبؐ مجمع اصحاب میں رونق افروز تھے کہ اسماء بنت یزید انصاریہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کی حضور میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں صنف نساء کی طرف سے بصورت وفد خدمت بابرکت میں حاضر ہوئی ہوں اور میں جو کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام عورتیں میری آواز سے متفق ہیں۔

آپ کو خداوند حکیم نے مردوں اور عورتوں کی طرف رسول بالحق بنا کر بھیجا ہے۔ پس آپ کی رسالت اور آپ کے بھیجنے والے خدا کی الوہیت پر ہمارا ایمان ہے ہم عورتیں گھروں میں پابند۔ مردوں کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ اور تمہاری اولاد کی حامل ہیں اور تم مردوں کو جمعہ جماعت بیمار پرسی جنازہ خوانی اور حج وغیرہ کے لئے خدا نے ہم پر فضیلت دی اور جہاد ایک افضل عمل ہے وہ بھی مردوں کے حصہ میں ہے لیکن جب مرد حج عمرہ اور جہاد وغیرہ کے لئے گھر سے باہر جائے تو ہم ان کے لباس کی اصلاح اور مال کی تربیت میں مصروف رہتی ہیں تو کیا اجر میں ہم مردوں کے ساتھ شریک نہیں۔

حضورؐ یہ سنتے ہی صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا امور دینیہ کے متعلق تم نے کبھی کسی عورت کو اس سے بہتر سوال کرتے سُنا ہے انہوں نے عرض کی نہیں حضور! ہمیں تو خیال ہی نہیں پڑتا تھا کہ کبھی کوئی عورت اس سنجیدگی سے ایسی بات کرے پس آپ اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے عورت تو واپس جا اور باقی عورتوں کو بھی میرا پیغام پہنچا دے کہ تم میں سے کسی عورت کا مرد کے ساتھ حسن سلوک اور اس کی امور خانہ داری میں فرمانبرداری اور رضاجوئی مردوں کے ان تمام امور خیر کے برابر ثواب رکھتی ہے پس وہ عورت یہ سنتے ہی خوشی سے نعرۂ تکبیر پڑھتی اور ہنستی ہوئی واپس چلی گئی۔

بے شک اسلامی عورت ہمیشہ سے اس طریق اور دیدن پر کاربند رہی ہے اور امور خانہ داری کی اصلاح اور مرد کی اطاعت کو ہی بہترین جہاد سمجھتی ہے اور کبھی عورت کو مردوں کے دوش بدوش گھر سے باہر نکل کھڑے ہونے کا خیال تک نہیں آیا اور اپنی عفت وحیا کو روندنا عورت اپنے لئے منافی شرافت سمجھتی رہی ہے لیکن جب سے مغرب کی جانب سے نام نہاد نسوانی آزادی کی مسموم ہوا چلی ہے اس نے اپنی ہمہ گیر تباہ کن لہروں سے اسلامی عورت کو بھی متاثر کر دیا ہے جس کی بدولت حسن اخلاق عفت اور شرم وحیا کا جنازہ نکل گیا اور مردوں نے عورتوں کی لاحجابی کو اپنی شہوت رانی اور نفس پرستی کا آلہ کار بناتے ہوئے اس تحریک کو اور اچھالا اور ان دونوں کی آزادانہ میل جول کی حیا سوز روش نے انسانیت کے پاک وصاف چہرہ کو ایسا داغدار کیا۔ کہ روح حیوانی بھی اپنے مقام پر دم بخود نظر آتی ہے خداوند کریم مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کی توفیق دے تاکہ ان کے ماتحت اپنے کردار کی اصلاح کر سکیں۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو اس کا کسی شے کو اور ماں باپ سے احسان کرو اور قرابت دار سے اور یتیموں

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا

اور مسکینوں اور ہمسایہ قرابت دار اور ہمسایہ اجنبی اور پہلو کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں کنیزوں کے

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

ساتھ تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا ہے اترانے والے فخر کرنے والے کو جو بخل کرتے ہیں

نبی و علیؑ اُمت کے باپ ہیں

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا :۔ اس آیت مجیدہ کے ذیل میں تفسیر برہان میں متعدد احادیث خانوادۂ عصمت سے مروی ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ اور حضرت علیؑ تمام امت کے باپ ہیں اور جناب رسالتمآبؐ سے بھی مروی ہے کہ اَنَا وَعَلِيٌّ اَبَوَا هٰذِهِ الْاُمَّةِ ۔ اور کتاب مناقب محمد بن جریر سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ منادی کردو جو شخص اپنے اجیر پر اجرت کے متعلق ظلم کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے مولی کے علاوہ کسی اور کی وِلا رکھے گا۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو اپنے ماں باپ پر سب کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے پس حضرت امیرؑ نے منادی کی تو صحابہ کی ایک جماعت جن میں حضرت عمر بھی تھے بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور منادی کے ان کلمات کی تفسیر دریافت کی۔ آپ نے آیت مودّت پڑھ کر فرمایا جو اس بارہ میں ہم پر ظلم کریگا وہ اللہ کی لعنت کا حقدار ہے پھر اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ الخ۔ آیت پڑھ کر حدیث غدیر مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ پڑھی اور فرمایا جو اس کی اور اس کی ذریت کی وِلا چھوڑ کر کسی اور کو مولا بنائے گا اس پر لعنت ہے اس کے بعد فرمایا اَنَا وَعَلِيٌّ اَبَوَا الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی میں اور علی مومنوں کے باپ ہیں جو ہم میں سے ایک کو سب کرے گا اس پر اللہ کی لعنت ہے جب باہر نکلے تو حضرت عمر نے باقی صحابہ سے فرمایا کہ غدیر خم یا دوسرے مقامات کی بہ نسبت وِلا علیؑ کے متعلق حضورؐ کا آج کا تاکیدی فرمان بہت شدید ہے۔ حسان بن ثابت کہتا ہے کہ یہ واقعہ جناب رسالتمآبؐ کی وفات سے سترہ روز پہلے کا ہے۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ہمسائے تین قسم کے ہوتے ہیں ① وہ جن کے حقوق تین ہوتے ہیں ہمسائیگی کا حق۔ قرابت کا حق اور اسلام کا حق ② وہ جن کے حقوق دو ہوتے ہیں ہمسائیگی اور اسلام کا حق ③ جن کا حق صرف ایک ہوتا ہے اور وہ ہے حق ہمسائیگی اور ان سب سے احسان کرنے کا حکم ہے بعض روایات میں اپنے گرد کے چالیس گھروں تک اور بعض روایات میں اپنے گھر سے ہر طرف چالیس ذراع تک ہمسائیگی کا حق ہوتا ہے۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ۔ پہلو کا ساتھی خواہ رفیق سفر ہو خواہ زوجہ ہو خواہ کوئی دوسرا اجنبی غلام ہو اور خواہ مہمانِ نووارد ہو آیت کے عموم کے لحاظ سے اس میں سب داخل ہیں اور ان سے حسن سلوک کرنے کا حکم ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ۔ یہ آیت عام ہے اور اس کا ربط پچھلی آیت کے ساتھ ہے اگر عالم علم کا بخل کرے یا کوئی صاحب

وَيَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا اور چھپاتے ہیں اس کو جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور ہم نے تیار کیا ہے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا

کافروں کے لئے عذاب ذلیل کن اور ان کے لئے جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال دکھلاوے لوگوں کے لئے اور نہیں ایمان رکھتے اللہ اور

بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا

یوم قیامت پر اور جس کا ہو شیطان ساتھی تو وہ بُرا ساتھی ہے۔ اور کیا نقصان تھا ان کو اگر ایمان لاتے

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ

اللہ اور یوم قیامت پر اور خرچ کرتے اس سے جو رزق دیا ان کو اللہ نے اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے تحقیق

اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا

اللہ نہیں ظلم کرتا ذرہ برابر اور اگر ہو نیکی تو اس کو چند در چند کرتا ہے اور اپنی جانب سے اجر عظیم عطا

عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ

فرماتا ہے پس کیا حال ہوگا جب لائیں گے ہم ہر امت سے گواہ اور آپ کو لائیں گے اوپر ان کے

نعمت اس عطا شدہ نعمت کا بخل کرے تو اس آیت کا مصداق ہوگا یعنی ایسوں کو خدا دوست نہیں رکھتا۔

وَيَكْتُمُوْنَ ۔ یہ بھی عام ہے یعنی خدا کو نہیں پسند کہ وہ جسے اپنی نعمت عطا کرے وہ اسے پوشیدہ کرے خواہ علم ہو یا دولت یا کوئی اور نعمت ۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جب خدا اپنے بندے پر کوئی نعمت بھیجتا ہے تو وہ اپنے بندے پر اس کا اثر دیکھنا چاہتا ہے۔

مَاذَا عَلَيْهِمْ ۔ اس سے عقیدہ جبر کا بطلان ظاہر ہے کہ خدا فرماتا ہے انہیں کیا نقصان ہے اگر ایمان لائیں تو معلوم ہوا کہ انسان ایمان لانے اور نہ لانے میں مختار ہے جبھی تو ایمان نہ لانے والوں کی مذمت فرما رہا ہے۔

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۔ مثقال ثقل سے ہے اور اس کا معنی ہے مقدار اور ذرہ سرخ رنگ کی چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں جو بمشکل نظر آتی ہے یا یہ کہ مکان میں سورج کی شعاع پڑتے وقت جو اس میں چھوٹے چھوٹے اجزا دکھائی دیتے ہیں ان کو ذرہ کہتے ہیں یعنی خدا اس قدر بھی اپنے بندوں پر ظلم روا نہیں رکھتا۔

فَكَيْفَ اِذَا ۔ یعنی ہر نبی اپنی اپنی امت پر گواہ ہوگا اور حضرت رسالتمآبؐ اپنی امت پر گواہ ہوں گے ۔ بلکہ اس وقت ہر انسان کے اپنے اعضاء و جوارح بھی گواہ ہوں گے اور بمطابق روایات کے زمان و مکان بھی گواہ ہوں گے اور ابن مسعود سے روایت ہے کہ

شَهِيدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا

گواہ اس دن خواہش کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کاش ان کو برابر کیا جاتا زمین سے اور نہ

يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿۴۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ

چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات اے ایمان والو نہ نزدیک جاؤ نماز کے بحالت بے ہوشی یہاں تک

جب آپ کے سامنے یہ آیت میں نے پڑھی تو آپ کے آنسو بہہ نکلے پس جب شاہد کی یہ حالت ہے کہ اس مقام کی ہولناکی کو یاد کرکے روتے ہیں تو جن کے خلاف گواہی ہوگی۔ ان کا کیا حال ہوگا؟ (مجمع البیان)

تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت بالخصوص امت محمدیہ کے حق میں ہے اور ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک امام ہوگا جو اپنے زمانہ والوں پر شاہد ہوگا اور جناب رسالتمآب ہم پر شاہد ہوں گے اور حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اوصیا صراط پر موجود ہوں گے اور جنت میں ان کا عارف ہی داخل ہوگا اور فرمایا خدا نے انہی کے متعلق فرمایا ہے يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ یعنی وہ گواہ اپنے دوستوں کو پہچانتے ہوں گے۔ الحدیث۔

اور بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہر نبی کی امت پر اس نبی کا وصی گواہ ہوگا اور اس امت پر حضرت علیؑ گواہ ہوں گے

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الخ۔ تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ جن لوگوں نے حضرت امیر علیہ السلام کو ناراض کیا وہ تمنا کریں گے۔ کاش جس دن ہم نے علیؑ کو ناراض کیا تھا اس دن ہمیں زمین نگل گئی ہوتی اور فرمان رسول کو نہ چھپایا ہوتا۔

تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ خواہش کریں گے کہ کاش تمام اہل محشر ہمیں اپنے قدموں سے روندیں جس طرح زمین کو روندا جاتا ہے اور اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہول محشر میں اپنی کرتوتوں کا عذاب سامنے دیکھ کر وہ تمنا کریں گے کہ ہمیں زمین کے برابر اور زمین جیسا کر دیا جاتا اور نیز مروی ہے کہ چوپاؤں کو قیامت کے دن محشور کرکے پھر انہیں موت دیکر مٹی کر دیا جائے گا تو یہ لوگ بھی کہیں گے کاش ہمارے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا اور دائمی عذاب سے بچ جاتے۔ (مجمع البیان)

وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ۔ اس کے معنی میں کئی قول ہیں (۱) ایک معنی تو وہی ہے جو آیت کے نیچے موجود ہے اور وہ اس لئے نہ چھپا سکیں گے کہ ان کے اعضاء و جوارح بھی گواہی دیں گے (۲) اس کا عطف لَوْ تُسَوَّىٰ پر ہو یعنی کاش اللہ کے ساتھ معاملہ کھرا کھرا کیا ہوتا اور منافقت نہ کی ہوتی (۳) اللہ کا دین نہ چھپایا ہوتا اور جناب رسالتمآب کے فرمان پر پردہ نہ دیا ہوتا۔

رکوع نمبر ۴

وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ:۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں بے ہوشی سے مراد نیند کی غشی ہے یعنی اچھی طرح ہوشیار ہو کر نماز پڑھو اور تفسیر برہان میں متعدد احادیث آئمہ طاہرین علیہم السلام سے اسی مضمون کی وارد ہیں۔

زمخشری سے ربیع الابرار میں مروی ہے کہ خداوند کریم نے شراب کی حرمت کے متعلق قرآن مجید میں تین آیات نازل فرمائیں پہلی دفعہ نازل فرمایا

تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیۡ سَبِیۡلٍ حَتّٰی تَغۡتَسِلُوۡا ؕ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ
کہ جان سکو وہ جو کہتے ہو اور نہ حالت جنب میں مگر یہ کہ راہ عبور کرنے والے ہو یہاں تک غسل کرلو　　اور اگر ہو

یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ الخ ۔ تو بعض مسلمان پیتے رہے اور حضرت عمر نے بھی ایک دفعہ پیا اور نشہ کے عالم میں عبدالرحمن بن عوف کا سر پھوڑ دیا اور پھر بدر کے مقتولین پر بیٹھ کر نوحہ پڑھنے لگا اور اسود بن یعفر کے اشعار پڑھے ۔ جب یہ خبر حضرت رسالتمآب تک پہنچی تو غضبناک ہو کر روانہ ہوئے کہ آپ کی ردا مبارک زمین پر خط دے رہی تھی اور یہ آیت نازل ہوئی اِنَّمَا یُرِیۡدُ الشَّیۡطٰنُ اِلٰی قَوۡلِهٖ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ ۔ جب آپ نے پڑھی تو حضرت عمر نے کہا کہ بس آئندہ میں نہ پیوں گا اور تفسیر کبیر جلد ۳ میں فخر الدین رازی نے ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ افضل ترین صحابہ کی عبدالرحمن بن عوف نے دعوت کی اور شراب اس زمانہ میں جائز تھا اس نے بھی طعام کے ساتھ شراب تیار کیا ۔ چنانچہ سب نے خوب کھایا اور پیا جب حالت نشہ میں آئے تو ادھر مغرب کا وقت آپہنچا تو انہوں نے ایک کو آگے کھڑا کر دیا تاکہ امامت کے فرائض انجام دے تو اس نے قرأت میں سورہ کافرون کی تلاوت کی اور اس طرح پڑھی ۔ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ وَاَنۡتُمۡ عَابِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۔ تب یہ آیت اتری کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے چنانچہ اس کے بعد نمازوں کے اوقات میں شراب نہ پیتے تھے اور عشاء کی نماز کے بعد شراب پی لیا کرتے تھے کیونکہ نماز صبح تک اس کا نشہ اتر جاتا تھا ۔ اس واقعہ کے بعد مطلقاً شراب کی حرمت کا حکم آیا ۔ سبحان اللہ! جب رہبر ایسے ہوں تو مقتدیوں کا کیا مقام ہوگا ۔

تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے حلبی نے نقل کیا ہے کہ میں نے آپ سے اسی آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس بے ہوشی سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے یعنی جب تمہیں نیند آرہی ہو اور تم اونگھ رہے ہو اور تمہیں پتہ نہ ہو کہ رکوع سجود تکبیر وغیرہ میں کیا کچھ کہہ رہے ہو تو ایسی حالت میں نماز نہ پڑھی کرو اور اس سے وہ معنی ہرگز مراد نہیں جو لوگ کہتے ہیں کیونکہ مومن شراب نہیں پیا کرتا اور نہ مومن نشہ دار چیز استعمال کرتا ہے اور اسی کی تائید حضرت عائشہ سے نقل شدہ ایک روایت بھی کرتی ہے آپ فرماتی ہیں کہ حضور نے فرمایا جب تم اونگھ رہے ہو تو نماز چھوڑ کر چلے جایا کرو کیونکہ شاید بے شعوری کے عالم میں اپنے لئے بددعا ہی نہ کر رہے ہو ۔ بہرکیف اہلبیت عصمت سے وارد شدہ روایات میں اس جگہ بے ہوشی سے مراد نیند کی بے ہوشی ہے لیکن چونکہ دوسرے مسلمانوں کے نظریہ کے ماتحت صحابہ کرام دور اول میں خوب شراب کے عادی تھے اور شراب کی منع کے بعد بھی نوش فرما لیا کرتے تھے ۔ لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ اس جگہ شراب کا نشہ مراد ہے چنانچہ فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں کہا ہے کہ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ اس جگہ نشہ سے مراد شراب کا نشہ ہے ۔

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیۡ سَبِیۡلٍ ۔ یعنی جنبی حالت میں بھی نماز ادا نہ کرو مگر یہ کہ مسافر ہو اور پانی دستیاب نہ ہو تو پھر تیمم کر کے نماز ادا کی جا سکتی ہے اور بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اَلصَّلٰوةُ سے مراد مَوۡضِعُ الصَّلٰوةِ ہے یعنی مسجد ۔ پس معنی یہ ہوگا کہ نماز کے لئے حالت بے ہوشی میں بھی مسجد میں نہ جاؤ اور نہ جنبی حالت میں مساجد میں جاؤ مگر صرف عبور کے لئے یعنی ایک

مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ

بیمار یا سفر میں یا آیا ہو کوئی تمہارا پیشاب پاخانہ سے یا جماع کیا ہو عورتوں سے پس

تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

نہ پاؤ پانی تو قصد کرو زمین پاک کا پس مس کرو اپنے منہ کا اور ہاتھوں کا تحقیق اللہ معاف

جانب سے دوسری جانب کی طرف عبور کرنے کے لئے مسجد سے جا سکتا ہے اور مسجد میں ٹھہر نہیں سکتا اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کیا جُنبی آدمی مسجد میں بیٹھ سکتا ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ مسجد سے گذر سکتا ہے لیکن مسجد الحرام اور مسجد النبی سے گزر بھی نہیں سکتا

تیمم کا بیان

اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ ۔ اس مقام پر اَوْ بمعنی واؤ کے ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر انسان بیمار ہو اور پانی کا استعمال اس کے لئے باعثِ ضرر و نقصان ہو یا انسان سفر پر ہو اور پانی دستیاب نہ ہوتا ہو اور ہر دو صورت میں پیشاب پاخانہ پھر چکا ہو یا عورت سے ہمبستر ہو چکا ہو تو نماز کے لئے مٹی سے تیمم کرے۔

پیشاب پاخانہ پھرنا اسبابِ وضو میں سے ہے یہاں ایک سبب کو بطور مثال ذکر کیا گیا ہے یعنی تمہیں وضو کرنا ہو اور پانی کے استعمال سے بیماری یا نایابی کی مجبوری ہو تو وضو کے بدلے تیمم کر لیا کرو۔ اور اسبابِ غسل میں سے لمس نساء کو ذکر کیا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ اگر تمہیں غسل کرنا ہو اور پانی کے استعمال سے بوجہ بیماری یا اس کی نایابی کی معذوری ہو تو غسل کے بدلے تیمم کر لیا کرو۔

نیز پانی کے نہ ملنے کی قید سفر کے ساتھ لگائی گئی ہے کیونکہ عام طور پر سفروں میں ہی پانی کی نایابی کا شکوہ ہوا کرتا ہے ورنہ اگر گھر میں ہوتے ہوئے بھی کبھی ایسا اتفاق ہو جائے تو وہاں بھی تیمم قائمقام وضو یا غسل کے ہوگا۔

صَعِيْدًا طَيِّبًا ۔ سے صعید کا معنی مطلق روئے زمین ہے اور طیب کا معنی پاک ہے۔ بنا بریں مطلقاً روئے زمین جو پاک ہو سے تیمم کرنا جائز ہے بشرطیکہ ایسی چیز نہ ہو جس پر استحالہ کی وجہ سے زمین کا نام صادق نہ آتا ہو جیسے سیمنٹ چونا، پختہ اینٹ، راکھ کوئلہ اور شورہ وغیرہ۔

فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ ۔ دونوں ہاتھوں کو ملا کر اگر انگوٹھی چھلا وغیرہ ہو تو اتار کر اکٹھے زمین پر مارے اور پھر آپس میں ہاتھوں کو جھاڑ کر پہلے منہ کا مسح کرے۔ بایں طور کہ دونوں ہاتھوں کو ملائے اور انگوٹھے پھیلائے اور پیشانی کے اوپر سر کے بال اُگنے کی جگہ پر رکھے کہ انگوٹھے پیشانی کی دونوں طرفوں کو گھیر لیں۔ پھر دونوں ہاتھوں کو نیچے کی طرف سرکائے اس طرح کہ ہتھیلیاں بلکہ ہاتھوں کا باطنی حصہ پیشانی کے چمڑے سے جُدا نہ ہو جائے پس ابروں تک ہاتھوں کو لائے پھر اس کے نیچے کا حصہ تیمم میں داخل نہیں۔ البتہ دونوں چھوٹی انگلیوں کو ناک کی بلند جگہ تک لے آئے اس کے بعد بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی پشت کا کلائی سے لے کر انگلیوں کے سرے تک مسح کرے اور پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت کا انگلیوں کے سرے تک مسح کرے اور ہاتھوں کیلئے وہ پہلی منہ والی ضرب کافی ہے۔ زمین پر دوسری ضرب کی ضرورت نہیں نیز فولاد

عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ

کرنے والا بخشنے والا ہے کیا تم نہیں دیکھتے ان کو جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے خرید کرتے پھرتے ہیں گمراہی کو اور

يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۫ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ

چاہتے ہیں کہ تم بھی رستہ بھٹک جاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ ولی اور کافی ہے اللہ

غسل کے تیمم میں کوئی فرق نہیں بعض علماء تیمم بدلے غسل کے اگر ہو تو دوسری ضرب ہاتھوں کے لئے کہتے ہیں یعنی سابقہ طریق سے پہلی ضرب سے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرے اور پھر ایک ضرب زمین پہ مار کر صرف ہاتھوں کا مسح کرے اور بعض فرماتے ہیں کہ اس احتیاط میں بھی وضو اور غسل برابر ہیں لہذا ہر تیمم میں اس طریق کو اختیار کرے تو خوب ہے۔

مسئلہ: تیمم کر لینے کے بعد حکمی طہارت حاصل ہو جاتی ہے پس انسان تمام وہ کام انجام دے سکتا ہے جو طہارت سے مشروط تھے لیکن پانی دستیاب ہونے کے بعد یا ضرر رفع ہونے کے بعد تیمم خود بخود باطل ہو جائے گا اور اس سے حاصل شدہ حکمی طہارت باطل ہو جائے گی۔

مسئلہ: پانی نہ ملنے یا پانی کے استعمال میں ضرر کی صورتوں کے علاوہ پانی مہنگا ملنے کی صورت میں جبکہ اس کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو یا پانی موجود ہو لیکن وہاں جا کر لانے میں عزت جان مال وغیرہ کا خطرہ ہو یا پانی نکالنے کا آلہ موجود نہ ہو یا یہ کہ پانی استعمال کر سکتا ہو لیکن وضو یا غسل کرنے سے نماز فریضہ کے قضا ہو جانے کا ڈر ہو اس قسم کی صورتوں میں بھی وضو یا غسل کے بدلہ میں تیمم کرنے کا حکم ہے۔

تنبیہہ: تیمم کی آیت وضو میں پاؤں کے مسح کو خوب ثابت کرتی ہے کیونکہ پانی دستیاب ہونے یا بے ضرر ہونے کی صورت میں جہاں وضو کا حکم ہے۔ وہیں مجبوری اور معذوری کی حالت میں تیمم اس کے قائم مقام ہے یعنی مٹی پانی کا بدل ہے۔ پس وضو میں جن جن اعضاء کے پانی سے دھونے کا حکم تھا مٹی کی قائم مقامی کی صورت میں انہی اعضاء کا مسح چاہیے اور وہ خدا نے صرف دو بتلائے ہیں ایک منہ اور دوسرے ہاتھ اور اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر وضو میں پاؤں کا دھونا واجب ہوتا تو پانی کی عدم موجودگی میں پاؤں کا تیمم میں بھی حصہ ہوتا پس پاؤں کا تیمم میں نہ داخل ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وضو میں پانی کا دھونا واجب نہ تھا بلکہ وہاں پاؤں کا مسح تھا کیونکہ وضو میں جو مسح کے اعضاء تھے وہ تیمم میں مستثنا قرار پائے ہیں اور جو دھونے کے اعضاء تھے وہ تیمم میں مسح کے نیچے لائے گئے ہیں

مسئلہ: تیمم چونکہ وضو یا غسل کا قائمقام ہے۔ لہذا جو عبادات تیمم سے واقع کی جائیں ان کی قضا واجب نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے مقام پر صحیح شمار ہوتی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ - تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ یہاں ضلالت سے مراد حضرت علیؑ کی ولاء سے انحراف ہے یعنی وہ لوگ خود بھی حضرت علیؑ سے منحرف ہیں اور لوگوں کو بھی ان کی ولا سے انحراف کی ترغیب دیتے ہیں۔

يَشْتَرُوْنَ - چونکہ یہودی علماء کے عوام کی جانب سے وظائف مقرر تھے پس یہ لوگ ان کی مرضی کے مطابق تورات کی

نَصِيرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ

مددگار یہودیوں میں سے بعض ایسے ہیں جو بدل دیتے ہیں لفظوں کو اپنی جگہ سے اور کہتے ہیں

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ

ہم نے سُنا اور نافرمانی کی اور سن نہ سننے پائے اور راعنا موڑتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَقْوَمَ

اور اگر وہ کہتے ہم نے سُنا اور اطاعت کی اور سُن اور نظر کر ہم پر تو خوب تھا ان کے لئے اور بہتر

وَلَٰكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۴۶﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا

لیکن ان پر اللہ کی لعنت ہے بوجہ ان کے کفر کے پس وہ ایمان نہیں لاتے مگر کم اے وہ لوگ جو دیئے گئے

الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا

کتاب ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو ہم نے نازل کی کہ تصدیق کرنے والی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ

فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ

مٹا دیں ہم چہروں کو کہ کردیں ان کو پیٹھ کی طرف یا ان پر لعنت کریں جس طرح ہم نے لعنت کی اصحاب سبت کو اور اللہ کا امر

آیات میں رد و بدل کرلیا کرتے تھے چنانچہ جناب رسالتمآبؐ کی جو تعریف تورات میں موجود تھی۔ صرف اپنے وظائف کے طمع کی خاطر ان کو ظاہر نہ کرتے تھے کیونکہ خواہ عوام یہود مسلمان ہوں یا نہ ہوں دونوں صورتوں میں ان کے وظائف پر اثر پڑتا تھا اگر وہ مسلمان ہوجاتے جناب رسالتمآبؐ کی تعریفیں تورات میں دیکھ کر تو پھر ان کو کیا ضرورت تھی کہ ان کو پیسہ دیتے اور اگر وہ مسلمان نہ ہوتے تو پھر بھی ان کے وظائف بند ہوجاتے کیونکہ اس صورت میں یہ لوگ ان کے ناکام مناظر ثابت ہوتے اور عوام میں مناظر کا کمال یہ ہے کہ مجمع میں دوسرے کو جھوٹا ثابت کرے اور اپنا جھوٹا ہونا قطعاً تسلیم نہ کرے پس ایسے لوگ ہی عوام کے مدح و ثنا کے قابل اور ان کی عطا کے سزاوار ہوا کرتے ہیں اور ان کی نظروں میں عالم کہلوانے کے مستحق بھی صرف وہی ہوتے ہیں۔

وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ۔ یہ بددعا کا کلمہ ہے جس طرح کسی کو کہا جائے یہ بات سُن خدا تجھے سننے کی توفیق نہ دے اور تو نہ سننے پائے۔ اسی طرح رَاعِنَا آپ کی طرف متوجہ ہوکر کہتے تھے اور مراد گالی لیتے تھے اور بولتے وقت زبان کو موڑ دیتے تھے تاکہ اس کا انصراف اس طرف کوئی نہ سمجھے یہ سب اُن یہودیوں سے متعلق ہیں جو اطراف مدینہ میں رہتے تھے اور جناب رسالتمآبؐ اور مسلمانوں کے لئے باعثِ اذیت بنے رہتے تھے۔

مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ

ہو کر رہتا ہے تحقیق اللہ نہیں بخشتا شرک کو اور بخشتا ہے وہ جو علاوہ ہو اس کے

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

جسے چاہے اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے تحقیق اس نے افترا باندھا گناہ عظیم کا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

کیا تم نہیں دیکھتے طرف ان کے جو پاکیزگی بیان کرتے ہیں اپنی بلکہ اللہ پاک کرتا ہے جسے چاہے اور نہ ظلم کئے جائیں گے

فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَا - امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کا معنی یہ منقول ہے کہ اس کو ہدایت سے منحرف کر دے جس طرح اور مقام پر فرمایا کہ ان پر مہر لگ گئی اور یہ ان کی اپنی سرکشی اور بے اعتدالی کا ہی نتیجہ ہوا کرتا ہے اور تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ یہ عذاب حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام کے ظہور کے وقت ہوگا اور دشمنانِ خدا اس عذاب میں ظاہری طور پر گرفتار ہوں گے۔

اَصْحٰبَ السَّبْتِ - اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں مچھلی کے شکار سے سنیچر کے روز منع کیا گیا تھا اور پھر انہوں نے حیلہ سازی کی تھی جس کے بدلہ میں بشکل بندر ان کو مسخ کیا گیا۔ چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد میں اس کو ذکر کیا جا چکا ہے۔

مغفرتِ خدا

اِنَّ اللّٰهَ - آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں کلبی سے منقول ہے کہ حضرت حمزہ کے قاتل غلام سے مشرکین نے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمہیں قتل حمزہ کے بدلہ میں آزاد کر دیں گے لیکن جب واپس مکہ پہنچ کر انہوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا تو وہ اپنے فعل پہ نادم ہوا اور حضرت رسالتمآبؐ کی طرف اپنی ندامت کا پیغام بھیجا اور اسلام کی خواہش ظاہر کی اور کہلا بھیجا کہ چونکہ اسلام میں شرک اور قتل نفس اور زنا کا جرم قابل بخشش نہیں ہے ہم اسی ڈر سے اسلام نہیں لاتے تب توبہ اور عمل صالح والی آیت نازل ہوئی اور آپ نے ان کو بھجوائی تو انہوں نے جواب میں کہلا بھیجا کہ عمل صالح کی شرط بھی سخت ہے شاید ہم پورے نہ اُتر سکیں تو یہی آیت اُتری کہ شرک کے علاوہ خدا چاہے تو باقی تمام گناہ بخش دے تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ شاید ہم مشیتِ خداوندی سے باہر ہو جائیں۔ لہذا ہمیں اطمینان نہیں ہے۔ تب آیت اتری لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا - یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو خدا سب گناہ بخش دے گا جب یہ آیت ان کے پاس پہنچی تو وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مشرف بزیارت ہوئے تو حضورؐ نے قاتل حمزہ سے حمزہ کے قتل کی کیفیت پوچھی جب اس نے واقعہ بیان کیا تو حضورؐ نے فرمایا میری آنکھوں سے دُور ہو جاؤ چنانچہ وہ شام چلا گیا اور وہاں ہی اس کا انتقال ہوا۔ ملخصاً۔

قرآن مجید کی یہ آیت گنہگار مومنین کے لئے بخشش کا سہارا ہے کیونکہ فرماتا ہے شرک کے علاوہ باقی تمام گناہ بخشے جا سکتے ہیں۔

فَتِيلًا ﴿٤٩﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾ ع

پھر بھی دیکھئے کیسے افترا باندھتے ہیں اللہ پہ جھوٹ کے اور کافی ہے یہ گناہ صریح

پس مومن کو کسی صورت میں بخشش خداوندی سے مایوس نہ ہونا چاہیئے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے اگر مومن کی امید مغفرت اور خوف عذاب کو تولا جائے تو وہ ہموزن ہوں گے کیونکہ ناامید ہونے والے کے متعلق فرماتا ہے وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۔یعنی رحمت پروردگار سے صرف گمراہ ہی مایوس ہوا کرتے ہیں اور عذاب خدا سے نڈر لوگوں کے متعلق فرماتا ہے۔ وَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔یعنی اللہ کی گرفت سے خسارہ پانے والے ہی نڈر ہوا کرتے ہیں۔

آیت مجیدہ سے مغفرت عامہ کا استدلال اس طرح کیا جاتا ہے کہ خدا اگر چاہے تو تمام گناہ بلا توبہ کئے ہی بخش دے کیونکہ توبہ کے بعد تو شرک کا گناہ بھی معاف ہو سکتا ہے اس آیت میں شرک اور دوسرے گناہوں کے درمیان فرق کرنے کا مطلب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ اگر انسان بغیر توبہ کئے مر جائے تو شرک کے علاوہ جس قدر گناہ ہوں گے اگر وہ چاہے گا تو بخش دے گا اور شرک کا گناہ قطعاً قابل بخشش ہی نہیں اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شرک کے علاوہ جو گناہ ہیں وہ ہر ایک کے معاف نہ ہوں گے بلکہ بعضوں کے معاف ہوں گے کیونکہ اگر سب کے معاف ہوتے تو فرماتا کہ ہر ایک کے بخش دوں گا یہ نہ فرماتا کہ جس کے چاہوں گا معاف کروں گا اور یہ بات عدل کے منافی بھی نہیں کیونکہ بلا استحقاق کسی کو سزا دینا۔ منافیٔ عدل ہوتا ہے لیکن بلا استحقاق کسی کو انعام و اکرام کرنا منافی عدل نہیں بلکہ عین تفضل ہے اور وہ اپنے افعال میں مجبور نہیں جس پر اپنا فضل و کرم کرنا چاہے اسے کوئی پابندی نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے فضل و کرم کے لئے کوئی ترجیح کی بھی تو وجہ ہو گی کیونکہ فعل حکیم حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا تو اس کے متعلق تفسیر برہان میں نفقیہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن جس حال میں مرے۔ جس دن مرے اور جس ساعت میں اس کی روح قبض ہو۔ وہ صدیق اور شہید ہو کر مرتا ہے۔ میں نے اپنے حبیب جناب رسولؐ خدا سے سنا ہے آپ نے فرمایا اگر مومن دنیا سے کوچ کرے درحالیکہ اس کے اوپر اہل زمین کے گناہوں کے برابر بوجھ ہو تو موت اس کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائیگی پھر فرمایا کہ جو شخص خلوص کے ساتھ کلمہ توحید زبان پر جاری کرے وہ شرک سے بری ہو گا اور جو بھی شرک سے بری ہو کر دنیا سے جائے وہ داخل جنت ہو گا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ مُّحِبِّيْكَ وَشِيْعَتِكَ يَا عَلِيُّ ۔یعنی اے علیؑ یہ تیرے شیعوں کے لئے ہے۔ حضرت فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضورؐ! یہ میرے شیعوں کے لئے ہے تو آپ نے فرمایا ہاں مجھے اپنے پروردگار کی قسم یہ تیرے شیعوں کے لئے ہے۔ اور وہ لوگ قبروں سے نکلیں گے یہ کہتے ہوئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ حُجَّةُ اللّٰهِ ۔پس جنت کے سبز حلے ان کی خدمت میں لائے جائیں گے پس وہ پہنیں گے اور تاج ملک اور دستار کرامت سر پر رکھیں گے اور ناقہ ہائے جنت پر سوار ہوں گے جو انہیں پرواز کر کے جنت میں پہنچائیں گی۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔ان کو قیامت کی سخت گھبراہٹ محزون نہ کرے گی اور ملائکہ ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے یہ تمہارا

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ
کیا نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جو دیئے گئے حصہ کتاب سے ایمان رکھتے ہیں جبت اور طاغوت پر
وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾
اور کہتے ہیں کافروں کے متعلق کہ یہ لوگ زیادہ پانے والے ہیں بہ نسبت مومنوں کے راہ ہدایت کو
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾
ایسے لوگوں کو لعنت کی ہے اللہ نے اور جس کو لعنت کرے اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کا کوئی مددگار
اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾
کیا ان کا حصہ ہے سلطنت سے؟ پھر تو وہ نہ دیں گے لوگوں کو نقیر برابر بھی

وہی دن ہے جس کا تم وعدہ کئے گئے تھے۔ اسی بناء پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے شرک سے مراد لیا ہے کفر ولایت علیؑ اور یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ کا مصداق وہ لوگ ہیں جو حضرت علی علیہ السلام سے ولا رکھتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ ص۱۸۰۔ یہود ونصاریٰ اپنے متعلق کہتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست اور خالص جنتی ہیں۔ آیت مجیدہ نے ان کے قول کی تردید کردی ہے۔

فَتِيْلًا۔ ص۱۸۱ فتیل کھجور کی گٹھلی پر اندر کی طرف جو شگاف ہوتا ہے اور نقیر گٹھلی پر جو پشت کی طرف درمیان میں ایک لکیر ہوتی ہے اور نقیر جو گٹھلی کے اوپر باریک سی جھلی ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں بدن پر انگلیوں کے رگڑنے سے جو بدن کی میل باریک تاگوں کی طرح آجاتی ہے اسے فتیل کہتے ہیں۔

رکوع نمبر ۵

اَلَمْ تَرَ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے شان نزول کے متعلق ہے کہ کعب بن اشرف یہودی ستر آدمیوں کے ہمراہ واقعہ احد کے بعد مکہ پہنچا تاکہ جناب رسالتمآبؐ کے ساتھ منعقدہ معاہدہ کو توڑ کر ان کے خلاف کفار قریش سے معاہدہ قائم کرے۔ پس کعب ابوسفیان کے ہاں ٹھہرا اور باقی یہودی دوسرے قریشیوں کے ہاں فروکش ہوئے ابوسفیان نے اس کی اچھی طرح مہمان نوازی کی۔ جب آپس میں بات چیت ہوئی تو اہل مکہ نے کہا کہ اے گروہ یہود تم بھی اہل کتاب ہو اور حضرت محمدؐ کا بھی صاحب کتاب ہونے کا دعویٰ ہے ممکن ہے تمہارا آپس میں گٹھ جوڑ ہو اور دھوکا آپس میں پھنسانا چاہتے ہو پس اگر تم واقعی طور پر ہمارے ساتھ ہو تو ہمارے ساتھ مل کر ان دو بتوں کا سجدہ کرلو تو کعب بن اشرف نے ان بتوں کا سجدہ کرلیا۔ جس کے متعلق قرآن فرما رہا ہے کہ وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس کعب نے کہا۔ اے اہل مکہ تیس تیس آدمی ہم اور تم میں سے دیوار کعبہ کے ساتھ چھاتی ملا کر حضرت محمدؐ کے برخلاف آپس میں جنگی اور فوجی معاہدہ کریں اور رب بیت کے

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ

بلکہ حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر کہ دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے تو تحقیق دی ہم نے آلِ ابراہیم

إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ

کو کتاب اور حکمت اور دیا ہم نے ان کو ملکِ عظیم تو بعض ایمان لائے اس پر اور بعض

وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا

نے اس سے روگردانی کی اور کافی ہے ان کو جہنم جو جلتی آگ ہے تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں ہماری آیات سے

ساتھ عہد کریں چنانچہ ایسا کیا گیا۔ رسم معاہدہ کے بعد ابوسفیان نے کعب سے کہا کہ تو کتاب کا عالم ہے اور ہم لوگ جاہل ہیں۔ ہمیں سچ سچ بتاؤ کہ ہم سچے ہیں یا محمدؐ تو کعب نے کہا میرے سامنے تم اپنے دین کی وضاحت کرو۔ ابوسفیان نے کہا ہمارا دین یہ ہے۔ کہ ہم حاجیوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اُن کو پانی پلاتے ہیں۔ قیدیوں کو رہا کرتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں اور بیت اللہ کی تعمیر اور اس کا طواف کرتے ہیں اور اہلِ حرم بھی ہیں اور حضرت محمدؐ نے آبائی دین کو چھوڑ کر قطع رحمی کی اور حرم کو چھوڑ کر چلا گیا۔ نیز ہمارا دین پرانا اور محمدؐ کا دین نیا ہے۔ یہ سن کر کعب بن اشرف بولا خدا کی قسم محمدؐ کے دین سے تم لوگ بدرجہا بہتر ہو اور تم راہِ ہدایت پر ان کی بہ نسبت زیادہ قائم ہو جس کے متعلق قرآن کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

تفسیر برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد ظالم امام ہیں جو لوگوں کو جبت اور طاغوت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور آلِ محمدؐ سے ان کو اچھا جانتے ہیں بہرکیف قیامت تک آیت زندہ ہے اور اس کے مصداق ہوتے رہیں گے۔ معصوم نے تاویل کے طور پر ایک کلی قاعدہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ۔ باعتبارِ ظاہر یہودیوں کے حسد کی حکایت ہے کیونکہ وہ حضرت رسالتمآبؐ کی نبوت و سلطنت سے حسد کرتے تھے پس خدا فرماتا ہے آلِ ابراہیم میں یہ نبوت کوئی پہلی بار تو نہیں اس سے پہلے بھی تو آلِ ابراہیمؑ میں نبوت و مملکت رہی ہے حضرت داؤد صاحبِ نبوت و سلطنت تھے جن کی ۹۹ بیویاں اور حضرت سلمان نبی اور بادشاہ جن کی ۱۰۰ یا ایک ہزار تک زوجات تھیں تو ان پر حسد کیوں نہیں کرتے؟ اور چونکہ جناب رسالتمآبؐ تمام لوگوں کی طرف رسولؐ تھے لہذا ان کا حسد تمام لوگوں کے حسد کے برابر ہے اسی لئے کہا گیا کہ یہ لوگ ناس سے یعنی تمام لوگوں سے حسد کرتے ہیں اور باعتبار باطن ہر وہ شخص اس کا مصداق ہے جو خدا کے کسی منتخب بندے پر حسد کرے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہاں فضل سے مراد نبوت و امامت ہے اور ناس سے مراد نبی و آلِ نبی ہیں اور تفسیر عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا ہم وہ ہیں جن کی اطاعت اللہ نے فرض کی اور انفال وغیرہ کے حقدار ہم ہیں اور راسخین فی العلم بھی ہم ہیں اور ہم وہ محسود ہیں جن کے متعلق خدا نے فرمایا کہ وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں یعنی جن پر حسد کیا گیا ہم ہیں (مجمع البیان)

سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا

ان کو جلائیں گے ہم آگ میں جب جل جائیں گے ان کے چمڑے تو ان کو تبدیل کر دیں گے دوسرے چمڑے

لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۵۶ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

تاکہ چکھیں عذاب کو تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے

پچھلی آیتیں جو اس رکوع میں ہیں اور یہ ان کے بعد کی آیتیں سب کا ربط ایک ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے بذریعہ احادیث متواترہ مروی ہے کہ دشمنانِ آلِ محمدؐ کی مذمت میں اور آلِ محمدؐ کی مظلومی کے باب میں ہیں۔ تفسیر برہان میں منقول ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب کہ اولوالامر والی آیت کی تفسیر دریافت کی گئی۔ سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کیا تم لوگوں کو دیکھتے نہیں ہو جو جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں اور فلاں اور فلاں کو آلِ محمدؐ سے افضل قرار دیتے ہیں اگر ان کو ملک وخلافت مل جائے تو آلِ محمدؐ کو ایک ذرہ برابر بھی اس میں سے حصہ نہیں دیتے (یعنی وہاں بھی ناس سے مراد آلِ محمدؐ ہیں) اور یہ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں جن کو خدا نے فضل یعنی امامت عطا فرمائی ہے۔ پس وہ محسود ہم ہیں۔ اور خدا فرماتا ہے ہم نے تو آلِ ابراہیم کو کتاب وحکمت اور ملکِ عظیم دیا اور تعجب ہے کہ ان پر حسد نہیں کرتے اور مان لیتے ہیں اور آلِ محمدؐ کے فضل کا انکار کرتے ہیں اور اس مضمون کی روایات تفسیر برہان میں تیس سے زائد ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ مِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ کے مصداق سلمان، مقداد، ابوذر اور عمار ہیں اور بِهٖ کی ضمیر حضرت علیؑ کی طرف راجع ہے یعنی تفسیر باطنی کے طور پر معصومؑ نے مصداق آیت کے بعض افراد کی طرف اشارہ فرمایا ہے ورنہ ہر دو جانبین کے مصداق تاقیامت ہونے چاہئیں۔ پس محسود بھی قیامت تک اور حاسد بھی قیامت تک آلِ محمدؐ کے سلسلۂ امامت چونکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ لہٰذا ان کے ماننے والے اور حسد کرنے والے بھی تاقیامت موجود رہیں گے اور آیت کا مصداق ہر دور میں قائم رہے گا کیونکہ قرآن قیامت تک زندہ ہے۔

بَدَّلْنٰهُمْ۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مجرم انسان کے اصلی چمڑے کو جلانا تو درست ہے لیکن جب وہ جل جائے تو دوسرا بے قصور چمڑا کیونکر مبتلائے عذاب ہوگا؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ عذاب در حقیقت رُوح کو ہوگا اور چمڑا یا دوسری چیزیں ان کو بھی تکلیف اسی وقت ہوتی ہے جب ان میں رُوح ہو ورنہ اگر رُوح نہ ہو تو ان کو کوئی درد ہوتا ہی نہیں۔ لہٰذا چمڑے کی تبدیلی عذاب روح کے لئے ہے اور حقیقی مجرم بھی وہی ہے اور نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسی چمڑے کو پہلی حالت میں پلٹایا جائے گا۔ جس طرح ایک انگوٹھی ٹوٹ جانے کے بعد اسی چاندی کو پھر انگوٹھی کے سانچے میں ڈھال دیا جائے تو دوسری انگوٹھی بعینہٖ پہلی انگوٹھی بھی ہے اور پہلی کے غیر بھی اس کو کہنا درست ہے اسی طرح ان چمڑوں کو جب نیا کیا جائے گا تو ہوں گے اگرچہ بعینہٖ وہی پہلے لیکن ان کو ان کا غیر بھی کہا جا سکتا ہے اور تفسیر برہان

سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ
عنقریب انہیں داخل کریں گے بہشتوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان میں
فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِیۡلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ
ان کے لئے وہاں بیویاں پاکیزہ ہوں گی اور داخل کریں گے انہیں ٹھنڈی چھاؤں میں تحقیق اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ادا کرو
تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ
امانتیں اپنے مالکوں کو اور جب حکم کرو لوگوں میں تو حکم کرو انصاف سے

میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی معنی مروی ہے۔

اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۔ تفسیر برہان میں فقیہ سے مروی ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام سے ازواجِ مطہرہ کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا مطہرہ سے مراد یہ ہے کہ وہ عورتیں حیض اور ہر قسم کی آلائشوں وناپاکیوں سے پاک و صاف ہوں گی۔

ادائے امانت کا حکم

اِنَّ اللّٰهَ ۔ آیت مجیدہ میں بالعموم تمام امانتوں کی ادائیگی کا حکم ہے۔ چنانچہ صادقین علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے اور نیز یہ قول بھی ہے کہ یہ آیت خاص طور پر اولی الامر کے لئے ہے یعنی جو حاکم اور صاحب امر ہوں ان پر واجب ہے کہ رعایا کے حقوق ادا کریں اور ان کے درمیان عدل وانصاف کا حکم کریں اور صادقین علیہما السلام سے یہ بھی مروی ہے کہ خدا نے ہر امام کو حکم دیا ہے کہ وہ امامت والی امانت بعد والے امام کو پہنچا دے اور اسی قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعد والی آیت میں رعایا کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ تم اللہ اور رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت کرو اور آئمہ سے بھی مروی ہے کہ ان دونوں آئتوں میں سے ایک ہمارے لئے ہے اور دوسری تمہارے لئے ہے۔ بہرکیف چونکہ امانت کی ادائیگی کا حکم عام ہے تو یہ بھی امانت کا ایک فرد ہے اور اس میں داخل ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ حج سب امانتیں ہیں اور انہیں میں سے اولی الامر کو بھی حکم ہے کہ صدقات وغنائم اور رعایا کے دوسرے حقوق ان تک پہنچا دے۔

بعض کہتے ہیں کہ جناب رسالتمآبؐ نے فتح مکہ کے دن کلید بیت اللہ عثمان بن طلحہ سے لے کر عباس کے حوالہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی امانت اس کو واپس کر دی جائے لیکن بالفرض اگر شانِ نزول کے وقت وہ واقعہ بھی رونما ہوا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیت کو وہیں بند کر دیا جائے لہذا اس کا عمومی معنی اختیار کرنا بہتر ہے (ملخص از مجمع البیان)

إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

تحقیق اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تمہیں تحقیق اللہ سننے دیکھنے والا ہے اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور صاحبانِ امر کی جو تم سے ہیں پس تمہیں اگر جھگڑا ہو کسی شے میں

فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ

تو اسے رد کرو طرف اللہ اور رسول کے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روزِ قیامت پر یہ بہتر اور خوب تر ہے

وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ ع

از روئے انجام

أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۔ جناب رسالتمآبؐ نے حضرت امیرؑ سے فرمایا یا علیؑ آپس میں جھگڑا کرنے والوں کو ایک نظر سے دیکھا کرو اور ایک جیسے لہجے میں ان سے خطاب کیا کرو۔ نیز وارد ہے کہ ایک مرتبہ دو بچے حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس اپنا لکھا ہوا خط لائے اور امام حسنؑ سے فیصلہ کی خواہش کی کہ ان میں سے کونسا خط خوب ہے۔ حضرت علیؑ نے دیکھ لیا۔ تو فرمانے لگے ۔بیٹا فیصلے میں خیال کرنا۔ یہ بھی حکم ہے اور خدا بروزِ محشر اس کے متعلق بھی باز پرس کرے گا۔

بہرکیف تفسیر برہان اور تفسیر صافی وغیرہ میں احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت مجیدہ آئمہ طاہرینؑ کے حق میں ہے اور ان کو حکم ہے کہ اسرارِ امامت یکے بعد دیگرے دوسرے امام کو سپرد کرتے چلے جائیں اور پھر علی العموم یہ آیت ہر امانت کو بھی شامل ہے اور تفسیر صافی میں ہے کہ معصومین علیہم السلام سے متعدد روایات میں پہنچا ہے کہ کسی شخص کے لمبے رکوع اور لمبے سجدوں کو نہ دیکھو کیونکہ یہ چیز ہمیشہ دیکھنے میں آتی ہے ہاں تم سچائی اور امانت کو دیکھا کرو اور فرمایا اگر علیؑ کا قاتل میرے پاس کوئی شے امانت رکھے اور میں قبول کر لوں تو عندالطلب اس کو بھی واپس دے دوں گا۔

اولوالامر کی تشخیص

فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بات خوب کہی ہے کہ اس مقام پر خداوندکریم نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم جزمی اور قطعی طور پر دیا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ اولی الامر وہی ہو سکتے ہیں جو معصوم ہوں کیوں کہ اگر معصوم نہ ہوں تو ان سے غلطی کا امکان ہوگا اور ان کی غلط باتوں میں بھی ان کی اطاعت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ حتمی طور پر بلا استثناء اولوالامر کی اطاعت کا حکم ہے لیکن غلط کاریوں سے بھی منع فرماتا ہے۔ لہٰذا ایسے مقام پر اطاعت

ساقط ہونی چاہیئے تو آیت اولی الامر رُو سے اس کی اطاعت کے وجوب کا حکم اور غلطی سے بچنے کے عمومی اوامر کے ماتحت اس کی عدم اطاعت کا حکم تناقص ہے اور محال ہے پس ثابت ہوا کہ یہاں اولوالامر سے مراد معصوم ہے لیکن اس کے بعد کہتا ہے کہ وہ معصوم امت میں سے کوئی خاص آدمی ہوں گے یا اس سے مراد مجموع امت ہو گی۔ پہلی صورت باطل ہے کیونکہ اگر خاص افراد مراد ہوتے تو ہمیں ان کی نشاندہی کی جاتی اور تعارف کرایا ہوتا کیونکہ بغیر تعارف کے ان کی اطاعت کا حکم ناجائز ہے اور چونکہ ہمیں بتلائے نہیں گئے تو معلوم ہوا کہ خاص افراد مراد نہیں ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس سے مراد مجموع امت ہے تو مقصد یہ ہے کہ امت کے ارباب حل و عقد جب ایک بات طے کر دیں تو اس کی اطاعت واجب ہے اور آیت مجیدہ اجماع کی حجیت پر دلیل ہے۔

دیکھئے عداوتِ آلِ محمدؐ کا بھوت کس طرح دل و دماغ کو معطل کر دیتا ہے کہتا ہے اگر خاص افراد مراد ہوتے تو اُن کی نشاندہی کرائی گئی ہوتی اور ہمیں اس کی نشاندہی نہیں کرائی گئی کس قدر صریح جھوٹ اور خدا و رسولؐ پر کس قدر بہتانِ عظیم ہے۔

۱۔ آیتِ مجیدہ تطہیر اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ (الایہ) اس کے متعلق ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں ذکر کیا ہے کہ اکثر مفسرین اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی۔ مسلم نے باب فضائل اہلبیت میں حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے حسنینؑ فاطمہؑ اور علیؑ کو ردا کے اندر اکٹھا کر کے آیت تطہیر پڑھی جلال الدین سیوطی نے درِ منثور میں بھی اسے نقل کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس حدیث کو نقل کر کے اسے صحیح علی شرط البخاری قرار دیا ہے۔ نیز ترمذی باب مناقب اہلبیتؑ میں عمر بن ابی سلمہ سے مروی ہے کہ جب آیت تطہیر نازل ہوئی تو اس وقت جناب رسالتمآبؐ اُمِ سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے پس علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کو جمع کر کے ان پر چادر ڈال دی اور دُعا مانگی۔ اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھۡلُبَیۡتِیۡ فَاذۡھَبۡ عَنۡھُمُ الرِّجۡسَ وَطَھِّرۡھُمۡ تَطۡھِیۡرًا۔ نیز مستدرک اور ترمذی اور مسند احمد میں انس سے مروی ہے کہ اس کے چھ ماہ بعد تک جناب رسالتمآبؐ جب صبح کی نماز کے لئے مسجد کی طرف تشریف لے جاتے تھے تو دروازہ فاطمہؑ سے گذرتے ہوئے آیۂ تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے اور درِ منثور میں ابوالحمراء سے منقول ہے کہ مجھے یاد ہے کہ پورے آٹھ ماہ بعد جب حضورؐ صبح کی نماز کے لئے گھر سے نکلتے تھے تو علیؑ کے دروازہ پر پہنچ کر اپنے دونو ہاتھ مبارک دروازہ کے دونو پہلوؤں پر رکھتے تھے اور فرماتے تھے الصلوٰۃ الصلوٰۃ اور پھر آیۂ تطہیر پڑھتے تھے۔ اور ابن عباس نے نقل کیا ہے کہ پورے نو ماہ بعد تک حضورؐ ہر نماز کے وقت علیؑ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اھل البیت اور آیت تطہیر پڑھتے تھے اور ہر روز پانچ مرتبہ ایسا کرتے تھے (ملخص از دلائل الصدق)

بہرکیف اس باب کی تمام روایات کو جمع کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اور علماء نے اس موضوع پر انفرادی طور پر کتابیں بھی لکھی ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے تواتر میں کوئی ذی شعور شک و شبہ نہیں کر سکتا اور اس کے خلاف جن لوگوں نے اس آیتِ مجیدہ کے شانِ نزول کو ازواج سے خاص کرنے کی کوشش کی ہے تو صرف اہلبیت کی خاص فضیلت کو

پوشیدہ کرنے یا ان کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے ہی ان کی رگِ عصبیت تڑپی ہے لیکن باین ہمہ ان نقول متواترہ کے مقابلہ میں ان کو لانا فضول ہے۔

اب جائے غور ہے کہ خداوند کریم اس آیتِ تطہیر میں ان ذواتِ مقدسہ کی علی الاطلاق تطہیر کا اعلان فرما رہا ہے۔ اور ہر قسم کے رجس کی دوری کی تصریح فرما رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر وہ فعل جو منشاء خدا کے خلاف ہو وہ رجس ہے اور ہر وہ نظریہ جو خطا اور غلط ہو وہ رجس ہے پس جب خدا نے مطلقاً اہلبیت عصمت سے رجس کو دور فرمایا اور ان کی ہر رجس سے تطہیر کا اپنی پاک کتاب میں اعلان فرمایا تو معصوم کی نشاندہی اور اس کا تعارف اس سے زیادہ واضح اور کھلے لفظوں میں اور کس طرح ہوگا جس کا عذر فخر الدین رازی بیان کر رہا ہے کیا اسے آیتِ تطہیر یاد نہیں تھی کیا وہ ان روایات کو نہیں جانتا تھا؟ سب کچھ تھا اس کی نظر سے یہ باتیں اوجھل نہ تھیں البتہ علیؑ کی دشمنی اس کو ان حقائق کے اظہار کی اجازت نہیں دے سکتی تھی۔ لہٰذا وہ مجبور تھا کہ یہ بہانہ بنائے۔

۲۔ آیتِ مباہلہ:۔ تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ مباہلہ میں رسولؐ کے ساتھ جانے والے افراد یہ بزرگوار تھے جو آیتِ تطہیر کا مصداق تھے اور سچ اور جھوٹ کے امتیاز کا یہ آخری اور چوٹی کا مقابلہ تھا چنانچہ اس کی نشانی یہ تھی کہ جھوٹوں پر لعنت کی بد دعا کی جائے پس نصرانیوں کی تسلیم نے یہ مسلمانوں پر بھی ثابت کر دیا کہ رسولؐ اور رسولؐ کے ہمراہ جانے والے سچے ہیں اور صداقت جس طرح قول میں ہوتی ہے اسی طرح فعل میں ہوتی ہے اور اسی طرح عقلی نظریوں میں ہوا کرتی ہے اور علی الاطلاق سچا وہ کہے جانے کا مستحق ہے جو قول فعل اور اعتقاد میں ہر پہلو سے سچا ہو اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کے قول عمل اور اعتقاد میں غلطی کا شائبہ نہ ہو اور اسی کو معصوم کہا جاتا ہے پس آیتِ مباہلہ میں معصوم کی نشاندہی نہیں تو اور کیا ہے اور كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ کا امر اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ کی دوسری تعبیر ہے لیکن چونکہ علیؑ کو پیچھے ہٹانا ہے لہٰذا کچھ بھی ہو ماننا نہیں۔

۳۔ آیتِ صلوٰۃ یعنی اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ الخ۔ صحیح مسلم سے منقول ہے کہ حضورؐ سے صلوٰۃ کا طریقہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس طرح کہا کرو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ۔ اور ظاہر ہے جس پر خدا کا درود و سلام ہو اور مومنین کو بھی درود و سلام کا حکم دے وہ معصوم ہوگا چنانچہ بعد میں سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کا حکم دے کر ان کی اطاعت کو بھی لازم و واجب قرار دے دیا اور آلِ محمدؐ کے متعلق آیتِ تطہیر کے شانِ نزول نے وضاحت کر دی کہ وہ کون لوگ ہیں۔

۴۔ آیتِ ولایت اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ الخ اور مفسرین کا اجماع ہے کہ حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دینے والا سوائے حضرت امیر کے اور کوئی نہیں تھا پس اللہ اور رسولؐ کی طرح حضرت علیؑ بھی ولایتِ مطلقہ کا مالک ہے تو جس قسم کی ولایت اللہ و رسولؐ کو حاصل ہے حضرت علیؑ بھی اس میں شریک ہیں اور خدا کسی کو ولایتِ مطلقہ نہیں دیتا جبکہ معصوم نہ ہو۔

بہر کیف اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں جو اس مقام پر گنوائی جا سکتی ہیں۔ جن کے ذکر سے طول ہو جائے گا۔ اور منصف مزاج انسان کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اب جناب رسولِ خدا کی نشاندہی کا جائزہ لیں تو ان احادیث کی طویل فہرست ہے جو اس ذیل میں ذکر کی جا سکتی ہیں۔ البتہ مناسبت مقام سے بعض کا ذکر ناگزیر ہے۔

۱۔ حدیثِ منزلت جو صحیح بخاری صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں بھی منقول ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کو فرمایا۔ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ حضرت رسالتمآبؐ نے حضرت علیؑ کو ہارون سے مشابہت دے کر فرمایا کہ حضرت ہارون کے لئے جو خصوصیات تھیں وہ تجھ میں ہیں سوائے نبوت کے اور باتفاق علماء اسلام حضرت ہارونؑ معصوم تھے اور روایت مذکورہ کو فضل بن روزبہان سے متعصب نے بھی تسلیم کیا ہے۔

۲۔ بروز خندق حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا بَرَزَ الْاِیْمَانُ کُلُّهٗ اِلَی الشِّرْكِ کُلِّهٖ کہ سارے کا سارا ایمان سارے کے سارے شرک کے مقابلہ میں جا رہا ہے کیا غیر معصوم کو عین ایمان کہا جا سکتا ہے؟ اور عمرو بن عبدود کے مارے جانے کے بعد حضورؐ نے فرمایا علیؑ کی یہ ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے یا میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے کیا یہ عصمت نہیں تو اور کیا ہے؟ حدیث مذکور کو فضل بن روزبہان نے بھی تسلیم کیا ہے۔

۳۔ حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا لَا یُحِبُّكَ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُكَ اِلَّا مُنَافِقٌ جس کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں ذکر کیا ہے اور فضل بن روزبہان نے بھی اسے تسلیم کیا ہے کیا خطاکار کی محبت ایمان کی نشانی ہو سکتی ہے یا خطاکار سے بغض رکھنا منافق کی علامت ہے؟ کھلے لفظوں نہ سہی التزاماً یہ حدیث حضرت علیؑ کی عصمت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟

۴۔ حدیثِ طیر جو کتبِ صحاح میں موجود ہے اور مسند احمد بن حنبل میں بھی مذکور ہے کہ حضرت کے پاس ایک بھونا ہوا پرندہ آیا تو آپ نے دعا مانگی اَللّٰهُمَّ ائْتِنِیْ بِاَحَبِّ النَّاسِ اِلَیْكَ یَاْكُلُ مَعِیْ فَجَاءَ عَلِیٌّ فَاَكَلَ مَعَهٗ۔ یعنی اے اللہ تو وہ بندہ بھیج جو تیری مخلوق میں سے تیرا محبوب ترین ہو۔ پس آپ کی دعا مقبول ہوئی اور حضرت علیؑ آئے اور حضرت رسالتمآبؐ کے ساتھ وہ پرندہ نوش فرمایا۔ یہ حدیث متواترات میں سے ہے اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کا محبوب ترین بندہ غیر معصوم نہیں ہو سکتا۔

۵۔ ترمذی اور مستدرک حاکم اور دیگر کتب صحاح میں موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ وَعَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ لَنْ یَّفْتَرِقَا الخبر۔ کیا یہ الفاظ حضرت علیؑ کی عصمت کا کھلا اعلان نہیں کر رہے۔ کیا خطاکار بھی حق سے جدا نہیں ہو سکتا؟

اس باب کی حدیثیں کافی جمع کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً حدیث نور حدیث ثقلین حدیث سد الابواب حدیث مواخاۃ وغیرہ ان تصریحات کے بعد کیا کوئی منصف مزاج انسان کہہ سکتا ہے کہ معصوم پر نص وارد نہیں اور ہمیں معصوم کا تعارف نہیں کرایا گیا؟ البتہ فخر الدین اور اس کے ہمنوا جن لوگوں کی عصمت کے خواہشمند ہیں اگر ان کے متعلق تصریحاً تو بجائے خود تلویحاً بھی کوئی ایسی منقبت مذکور ہوتی جس سے ان کی عصمت کا شائبہ ہو سکتا تو یقیناً اسے ببانگِ دہل اچھالتے لیکن عصمت کی نصوص ان لوگوں

کے متعلق ہیں جن کو یہ لوگ پیچھے ہٹانے کے درپے ہیں اور اگر انہیں معصوم تسلیم کر لیں تو انہیں آگے لانا پڑتا ہے۔ پس یہ عذر ہی سوچا کہ کسی کے متعلق عصمت کی نص ہے نہیں لہٰذا اولوالامر کے مصداق افرادِ معینہ نہیں ہو سکتے۔

اب ذرا ان سے پوچھا جائے کہ حضور! جن ارباب حل وعقد کا فیصلہ حجّت قرار دیا جا رہا ہے اور آیت اولوالامر کا ان پر انطباق کیا جا رہا ہے۔ آیا ان کے متعلق کہیں عصمت کی نص آپ کے پاس پہنچ چکی ہے اور کیا ان کی نشاندہی جنابِ رسالتمآبؐ نے کر دی تھی۔

تہافت اور تناقص گوئی کی یہ حد کہ ایک دفعہ تو کہا کہ معصوم مجموعِ امّت یا فرد پھر دلیل میں فرد کی نفی کر کے اربابِ حل وعقد کو سامنے لے آئے ثابت تو کرنا تھا۔ مجموعِ امّت کی عصمت کو جس کے لئے افراد کی عصمت کو راستہ سے ہٹایا لیکن جب مجموعِ امّت کے کردار پر نظرِ ثانی کی تو بجائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ افراد کو پھر پیش کیا جائے لیکن الفاظ تبدیل کر دیئے اور کہہ دیا اربابِ حل وعقد۔ سبحان اللہ؟ عجیب منطق لڑائی اور خوب علمی طریق سے بحث کی۔

کیا میں دریافت کر سکتا ہوں؛ کہ مجموعِ امّت اولوالامر کی مصداق ہے تو اطیعوا کا حکم ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں یا یہودیوں وغیرہ کو ہو رہا ہے اور اربابِ بست وکشاد اگر اس کا مصداق ہیں تو کیا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ کے خطاب سے وہ خود باہر ہوں گے یا وہ بھی کسی صاحب الامر کی اطاعت کے نیچے ہوں گے اور نیز اگر باقی امّت ہی اس خطاب سے مخصوص ہے تو وہ اربابِ حل وعقد کون ہیں اور کون معصوم اربابِ حل وعقد گذرے ہیں اور موجودہ زمانہ میں کون کون ہیں؟

اگر یہ کہا جائے کہ ہر روز کے اربابِ حل وعقد اگرچہ انفرادی طور پر ہر ایک غیر معصوم ہوتا ہے لیکن ان کا متفق علیہ حکم واجب الاتباع ہوتا ہے پس ان کا متفقہ فیصلہ ہی اولوالامر کا مصداق ہے جیسا کہ فخرالدین رازی بھی اسے اجماعی فیصلہ کی حجیت کو دلیل بنا رہا ہے تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ جب انفرادی طور پر اربابِ حل وعقد میں سے ہر ایک سے غلطی کا امکان ہے تو یہ سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ چند غلط کاروں کا مجموعی اتفاقی فیصلہ کیسے عصمت کی صفت سے متصف ہو سکتا ہے؟ اور مشاہدۂ حال بتلاتا ہے کہ اربابِ حل وعقد کا فیصلہ جو آج ہوا ہے کل وہی اربابِ حل وعقد اپنے فیصلہ کے خلاف ہو رہے ہیں کیا عصمت اسی کا نام ہے؟

اگر تاریخ وحدیث کا جائزہ لیا جائے تو اسلام کے دورِ اوّل میں صحابہ کرام کے فیصلوں میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکا چنانچہ گذشتہ ابحاث میں گذر چکا ہے حضرت ابن عباس حضرت ابن مسعود اور حضرت علیؑ وغیرہ جوازِ متعہ کے قائل تھے۔ اور حضرت عمر نے اس کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ ماہِ رمضان کی تراویح حضرت ابوبکر کے زمانہ میں باجماعت نہیں تھیں اور حضرت عمر نے ان کو باجماعت پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اور اس قسم کے ہزاروں مسائل ہیں۔ جن میں صحابہ کو باہمی طور پر اتفاق نہ تھا پھر یہی اختلاف فتاویٰ تابعین اور تبع تابعین میں چلا آتا رہا اور آئمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت

امام احمد بن حنبل اور حضرت امام مالک اور اس دور کے باقی مفتیان کے فتاویٰ کا جائزہ لیجئے بہت کم ایسے مسائل ہوں گے جن میں آئمہ کا اختلاف نہ ہو بلکہ میرے خیال میں تو ہر مسئلہ اختلاف کا شکار ہے تو دریں صورت ارباب حل وعقد کی اطاعت کیسے ہوگی اور ان کے فیصلہ پر عصمت کا لیبل کس طرح چسپاں ہوگا؟

ہاں یہ سب کچھ نتیجہ ہے رسولؐ کی وصیت کو بھلا دینے کا اور اہلبیت عصمت کو پیچھے ہٹانے کا اور یقیناً اگر وصیت رسولؐ کے مطابق مسلمانوں نے ثقلین یعنی کتاب اور عترت طاہرہ ہر دو سے تمسک کیا ہوتا تو اس تاریکی میں پھنسنے اور اس خار دار وادی میں اُلجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی اور اسلام کا شیرازہ منتشر نہ ہوتا۔ حضورؐ نے حجت تمام کر دی۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ۔ یہ حدیث احادیث متواترہ میں سے ہے اور اس کی نقل پر شیعہ سنی متفق ہیں۔ ہم نے تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمۂ تفسیر میں بعض عبارتیں درج کر دی ہیں اور اس تمام بحث کے بعد یہ چیز اظہر من الشمس ہے کہ اولوالامر کا مصداق سوائے خاندانِ عصمت کے اور کوئی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور یہی وہ ہستیاں ہیں جو صفتِ عصمت سے متصف ہیں اور جن کی عصمت پر آیۂ تطہیر خداوند کریم نے بطور مہر ثبت کر دی ہے اور اس آیتِ مجیدہ میں تمام ایمان والوں کو دعوت دی ہے کہ انہی کی اطاعت کرو اور انہی کو خدا اور رسولؐ کے بعد اپنا حاکم اور مقتدا سمجھو اور جناب رسالتمآبؐ نے مقام غدیر خم پر ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں بازو سے پکڑ کر اعلان فرمایا مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ جو کہ تواتر سے ثابت ہے۔

اولوالامر کا معیار

جن لوگوں کی اطاعت کا حتمی طور پر خدا حکم دے ان کا کوئی معیار ہونا ضروری ہے۔ چونکہ دینِ اسلام بنی نوع انسان کی دینی و دنیاوی فلاح و بہبود کا ضامن ہے پس وہ اولوالامر جن کی اطاعت اللہ کی طرف سے واجب ہو وہ ایسے ہوں جو دین و دنیا کی انسانی کامیابی میں انسان کے پیش رو بن سکیں۔ جناب رسالتمآبؐ چونکہ بنی نوع انسان کے دین و دنیا کے ہر دو شعبوں میں رہبر کامل تھے اور معصوم تھے اور نیز اولوالامر کی اطاعت کو بھی رسولؐ کی اطاعت کے برابر کہا گیا ہے تو گویا اولوالامر رسولؐ کی عدم موجودگی میں رسولؐ کے قائمقام کی حیثیت سے انسانوں میں فرائض قیادت انجام دینے والے ہوں گے اور جس طرح رسولؐ انسانوں کے رہبر کامل تھے اسی طرح اولوالامر کو بھی رہبرِ کامل ہونا چاہیئے اور رہبر کامل کے لئے جن جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے وہ اولوالامر میں ہونی ضروری ہیں۔ اس لحاظ سے تمام انسان بحیثیت شاگرد کے اور رہبر کامل بحیثیت استاد کے ہوں گے۔

سکول کے لڑکے اپنی رہنمائی کے لئے اور کورس میں عبور اور کامیابی کے لئے خود اپنے میں سے کسی کو بحیثیت مدرس منتخب نہیں کر سکتے اور ایسا کرنے کے بعد قطعاً وہ کامیابی کے امیدوار نہیں ہو سکتے اور نہ لڑکوں میں ان کے ارباب حل وعقد یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ سب کے سب محتاج ہیں تعلیم حاصل کرنے کے اور قاعدہ ہے کہ فاقد الشیٔ معطی الشیٔ نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس کے پاس ایک شئ موجود نہیں وہ اس شئے کا دوسرے کے لئے داتا نہیں ہو سکتا پس

مدرس سکول کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک جوہر ہو اور اس کا ایک معیار ہو جس کے ماتحت وہ ان لڑکوں کی تعلیم و تربیت کے لئے اہل قرار دیا جاسکے ۔ اسی طرح بیماروں کے علاج کے لئے اِن ہی میں سے ارباب حل و عقد ان کی بیماری کے علاج کے لئے کافی نہیں اور نہ ان کا اجماع کسی صحیح اور کامیاب پروگرام مرتب کرنے پر قادر ہو سکتا ہے بلکہ ان کے علاج کے لئے ایک ڈاکٹر کی ضرورت ہے جو ایک معیار پر فائز ہو ۔ علیٰ ہذا القیاس تمام بنی نوع انسان بحیثیت روحانی مریض کے سمجھئے یا انسانیت کی صحیح فطری تعلیم کے طالب علم سمجھئے جنہیں خدا و رسولؐ کی اطاعت کے بعد اولوالامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے اور دین و دنیا کی کامیابیوں کے لئے ان سے درس حاصل کرکے ان پر عمل پیرا ہونے کا ارشاد ہے ۔

بعض جہال کہہ دیا کرتے ہیں کہ اگر اولوالامر سے مراد علیؑ اور یکے بعد دیگرے ان کی نسل سے آئمہ طاہرینؑ ہوتے تو خدا نے ان کا نام بیان کر دیا ہوتا ۔ یہ بات صرف عقل و فکر کے اندھے ہی کہہ سکتے ہیں کیونکہ جب ایک چیز کا معیار قائم ہو اور ان معیاری صفات میں صرف چند افراد ہی امتیازی حیثیت کے حامل ہوں اور پھر کہا جائے کہ فلاں معیار والوں کی اطاعت واجب ہے تو کیا اب بھی کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہے اور کوئی کہہ سکتا ہے کہ نام کیوں نہیں لیا گیا ۔ مثلاً جب کہا جائے کہ جس کے پاس ڈاکٹری کی سند ہو علاج کے لئے اس کی طرف رجوع کرو اور پورے ملک میں سند صرف ایک ہی شخص کے پاس ہو تو کیا کسی صاحب انصاف کو کہنے کی مجال ہے کہ اس کا نام نہیں لیا گیا ۔ بڑا سوال یہ ہے کہ نشاندہی نہیں کرائی اور نام نہیں لیا گیا ۔ کیا جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اس وقت صحابہ کو اس کے مصداق کی تعیین کی ضرورت نہ تھی ۔ بلا ضرورت امور کے متعلق سوال کرتے تھے ۔ مثلاً چاند کیا چیز ہے ؟ اور رُوح کیا چیز ہے ؟ وغیرہ تو اولی الامر کی تعیین کے متعلق کیا کسی نے سوال نہ کیا ہوگا کہ ارباب حل و عقد کو اس کے حل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ؟ ہاں ضرور سوال کیا ہوگا بلکہ کیا تھا اور نشاندہی بھی کرائی گئی تھی ۔ نیز خم غدیر کا فرمان اسی سوال کا جواب تھا جو متواتر منقول ہے لیکن چونکہ منشاء کے مطابق نہ تھا اس لئے دبانے کی کوشش ہے اور زبان پر رٹ جاری ہے کہ حضورؐ نے نشاندہی نہیں کرائی لیکن کیا ارباب حل و عقد کی نشاندہی کرائی تھی تو چپ ۔ ہاں نشاندہی بھی کرائی تھی نام بھی بتلائے تھے اور معیار بھی بیان کیا تھا لیکن ماننے کون ؟

قرآن مجید میں اطاعت کے لئے جو خدا کی طرف سے معیار مقرر ہے وہ خدا نے ایک مقام پر اہل اسلام کے متنبہ کرنے کے لئے ذکر فرما دیا ہے ۔ چنانچہ طالوت اور جالوت کا قصہ اس کا بیّن شاہد موجود ہے ۔ جب نبی سے استدعا کی گئی کہ ہمارے لئے ایک واجب الاطاعت حاکم مقرر کیا جائے تو نبی نے جواب دیا خدا نے اس معاملہ میں طالوت کو منتخب کیا ہے انہوں نے مل جُل کر طالوت کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کے انتخاب پر نکتہ چینی کی تو نبی نے معیار انتخاب واضح کر دیا کہ چونکہ وہ علمی اور جسمانی حیثیت سے ممتاز ہیں ۔ لہٰذا وہ ہی اس عہدہ کے اہل و سزاوار ہیں ۔ وہاں بھی ارباب حل و عقد نے اجماع کیا اور نبی سے اپنے اجماعی فیصلہ کے منوانے کی سعی بلیغ کی لیکن نبی نے ان کی ہر بات کو ٹھکرا کر رکھ دیا اس کی تفصیلی بحث تفسیر کی تیسری جلد میں گذر چکی ہے ۔

جب نبی نے کھلے لفظوں ارباب حل وعقد کے اجماعی فیصلہ کو رد کر دیا اور خدائی معیار انتخاب ان کے گوش گذار کرکے انہیں خاموش کر دیا اور خدا نے قرآن مجید میں اس واقعہ کو دھراتے ہوئے نبی کے اس فعل پر نکتہ چینی کرنے والوں کو مذمت کے لہجہ میں یاد فرمایا تو کیا یہ واقعہ خدا نے صرف قصہ خوانی کے طور پر قرآن مجید میں بھرتی کیا ہے اور کیا قرآن کی ہر ہر آیت اور اس کا پیش کردہ ہر مضمون اسلام والوں کی ہدایت کے لئے نہیں ؟

اسی پارہ کے دوسرے رکوع کی پہلی آیت میں ارشاد ہے۔ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ الخ یعنی خدا چاہتا ہے کہ تمہارے لئے بیان کرے اور تمہیں چلائے ان لوگوں کے راستہ پر جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں تو کیا طالوت کا انتخاب اور ارباب حل وعقد کے اجماع کی تردید اور مذمت پہلے لوگوں کا قصہ نہیں جو ہمارے لئے ایک اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان ہوتے ہی ملائکہ کا مقدس اجماع ان کی خلافت کے متعلق بارگاہ رب العزت میں عرض گذار نہیں ہوا تھا جب ان کے سامنے معیار انتخاب پیش کیا گیا اور وہ تھا علم تو ملائکہ نے فوراً اپنا سوال واپس لے لیا تھا اور آدم کے سامنے سربسجود ہو کر اپنی غلطی کی تلافی کی تھی۔ کیا قرآن کے اس قسم کے واقعات سے ہم درس عبرت نہیں لے سکتے کہ اولوالامر کے عہدہ کے لئے بھی وہی معیار ہونا ضروری ہے جو کسی خدا کی طرف سے واجب الاطاعت انسان کے لئے ہونا ضروری ہے۔ آیت مجیدہ میں چونکہ رسولؐ کی اور اولوالامر کی اطاعت کا حکم مطلق ہے اور بلا قید ہے یعنی یہ نہیں کہ اگر جائز حکم دیں تو اطاعت کرنا ورنہ اطاعت ساقط ہے جس طرح والدین کی اطاعت کا حکم دیا لیکن پابندی لگادی کہ اگر ان کا حکم خدا کے دین کے خلاف ہو تو اس میں اطاعت ساقط ہے پس اولوالامر کی اطاعت میں یہ قید نہ لگانا اس امر کی دلیل ہے کہ ولی امر معصوم ہوگا ورنہ یہ قید ضرور لگادی گئی ہوتی تو آیت سے ثابت ہوا کہ اولوالامر بھی رسولؐ کی طرح معصوم ہوتے ہیں

اسی آیت مجیدہ سے پہلی آیت میں امانتوں کی ادائیگی اور رعایا کے درمیان عادلانہ فیصلے کا حکم ہے جس سے اولوالامر کا معیار خود بخود واضح ہو جاتا ہے اور انداز آیت بتلاتا ہے کہ اس آیت کا مخاطب وہ ہے جس کو حکومت تفویض ہوئی ہے پس اس میں ان صفات کا ہونا ازبس ضروری ہے۔

(۱) صفت عدل رکھتا ہو اور یہ صفت کما حقہٗ معصوم میں ہی ہو سکتی ہے جس سے غلطی کا امکان نہ ہو۔

(۲) حکم کی نوعیت کو سمجھتا ہو اور خدائی فیصلہ کے ماتحت ان کے درمیان حکم کر سکتا ہو لہٰذا علم میں کمال رکھنا ضروری ہے۔

(۳) فیصلہ کرنے میں جرأت سے کام لے سکتا ہو۔ اگر فیصلہ کسی کے خلاف ہو تو اس سے دب کر حق کو چھوڑنے والا نہ ہو پس صفت شجاعت ضروری ہے۔

(۴) لوگوں کو اس پر اعتماد کلّی ہو۔ خائن نہ ہو۔ جبھی تو پہلے امانتوں کے ادا کرنے کا ذکر فرمایا ہے بلکہ خود فیصلہ و حکم کرنا بھی ایک امانت ہے۔

اس آیت کے بعد فوراً حکم دے دیا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو توسباق آیت صاف بتلاتا ہے اور قرآن مجید میں تھوڑا سا تدبر اور فہم رکھنے والا انسان خود سمجھ سکتا ہے کہ یہاں اولوالامر سے مراد وُہ انسان ہے جو گذشتہ آیت کا مصداق ہوتے ہوئے ان صفات مذکورہ بالا کا حامل ہو۔

صفتِ عدل کے متعلق آیتِ مباہلہ آیتِ تطہیر۔ آیتِ ولایت اور آیتِ صلوٰۃ وغیرہ پر مختصر عرض کیا جاچکا ہے کہ امتِ محمدیہ میں سے سوائے علیؑ اور اس کی یکے بعد دیگرے معصوم اولاد کے کوئی بھی اس صفت سے کما حقہٗ متصف نہیں ہے اور صفتِ امانت خود بخود اسی ضمن میں آجاتی ہے۔

علم کے متعلق تفسیر کی جلد اوّل یعنی مقدمہ صث۸۷، ۸۸ میں ہم نے بہت کچھ لکھا ہے جو منصف مزاج انسان کے لئے کافی ہے اور یہاں بھی احادیث کا دھرانا خالی از فائدہ نہیں۔

علامہ نے مسند احمد بن حنبل اور صحیح مسلم سے نقل کیا ہے کہ

لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ يَقُوْلُ سَلُوْنِيْ اِلَّا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔

جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ میں سے سلونی کا دعوٰی کرنے کی کسی کو جرأت نہ تھی سوائے علی بن ابی طالبؑ کے اور جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا تھا میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

اس پر فضل بن روزبہان جو ایک متعصب انسان گذرا ہے۔ کہتا ہے یہ حدیث حضرت علیؑ کے کثرتِ علم پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ کہ حضرت کو وقائع مختلفہ کے جوابات معلوم تھے اور متفرق علوم و معارف پر ان کو اطلاع تھی اور یہ سب باتیں مسلم ہیں لیکن یہ چیزیں حضرت علیؑ کی خلافت پر نص نہیں ہوسکتیں کیونکہ خلیفہ کے لئے اعلم ہونا ضروری نہیں بلکہ خلیفہ وہ ہونا چاہیئے جو حوزۂ اسلامیہ کو محفوظ رکھ سکے اور امت کے لئے اصلح ہو اور اگر حضرت ابوبکر امت کے لئے اصلح نہ ہوتا تو لوگوں نے اس کو منتخب نہ کیا ہوتا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست۔ میں اس بے ہودہ قول کا جواب نہ دینا بہتر سمجھتا ہوں۔ سابق قرآنی معیارِ حکومت کے سامنے اس نظریہ کو رکھ کر صاحبانِ انصاف خود اندازہ کرلیں کہ عالم کے مقابلہ میں جاہل سے اصلاح کی توقع کیا ہوسکتی ہے اور کیا امت کا ایک بے علم کو انتخاب کرلینا خدائی معیار کو منسوخ کرسکتا ہے۔ حضرت طالوت کے انتخاب پر نظر رکھیں۔ اور امت جن کو چننا چاہتی تھی۔ ان کی مذمت کو بھی ملحوظ رکھیں۔

۲۔ علامہ نے صحیح ترمذی سے نقل کیا ہے۔ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا اور بعض روایات میں ہے۔ اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا۔ اس کے نیچے فضل بن روزبہان کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ علیؑ امت کے علماء میں سے تھے اور لوگ ان کی طرف علم میں محتاج تھے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ وہ حقائق و معارف اور علم کے پہنچانے میں جناب نبی

علیہ السلام کے وصی تھے لیکن بایں ہمہ وہ خلافت کے حقدار نہیں تھے کیونکہ خلافت کے لئے علم کی ضرورت نہیں)

۲۔ سیوطی سے لئالی مصنوعہ میں حاکم سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔

مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی اٰدَمَ فِیْ عِلْمِهٖ وَنُوْحٍ فِیْ فَهْمِهٖ وَاِبْرَاهِیْمَ فِیْ حِلْمِهٖ وَیَحْیٰی فِیْ زُهْدِهٖ وَمُوْسٰی فِیْ بَطْشِهٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی عَلِیٍّ۔ جو دیکھنا چاہے آدمؑ کو علم میں نوحؑ کو فہم میں ابراہیمؑ کو حلم میں یحییٰ کو زہد میں اور موسیٰ کو طاقت میں تو علیؑ کو دیکھے۔

اس حدیث کی تردید فضل بن روزبہان جیسے متعصب سے بعید نہیں اس لئے کہ حضرت کی فضیلت اس کی آنکھ کا خار ہے اور ہم نے ثابت کیا ہے اپنے مقام پر کہ جب جناب رسالتمآبؐ تمام عالمین کے رسول ہیں اور انبیاء سے افضل ہیں تو جو بھی ان کا صحیح قائم مقام اور جانشین ہوگا وہ عالمین کا امام ہوگا اور عالمین سے افضل ہوگا۔ مقدمہ تفسیر میں حدیث ثقلین کے بیان میں ملاحظہ فرمائیے۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ نے متعدد مرتبہ اعتراف کیا لَوْلَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ اور ابن عباس حبر الامت کا قول ہے مَا عِلْمِیْ وَعِلْمُ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ فِیْ عِلْمِ عَلِیٍّ اِلَّا كَقَطْرَةٍ فِیْ سَبْعَةِ اَبْحُرٍ کہ میرا اور جملہ اصحاب رسالتمآبؐ کا علم حضرت علیؑ کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا سات سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرۂ آب۔

صفتِ شجاعت۔ اسی جلد میں جنگِ اُحد کے بیان میں بہت کچھ گذر چکا ہے۔ جنگِ خندق میں انہیں کی ایک ضربت کو تمام امت کی یا ثقلین کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا اور بروز خیبر حضرت علیؑ کے متعلق ہی رسولؐ نے فرمایا جس کو صحیح مسلم بخاری اور مسند احمد بن حنبل وغیرہ سے نقل کیا گیا ہے اِنِّیْ دَافِعُ الرَّایَةِ غَدًا اِلٰی رَجُلٍ یُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَرَّارٍ غَیْرِ فَرَّارٍ لَا یَرْجِعُ حَتّٰی یَفْتَحَ اللّٰهُ لَهٗ۔ یعنی کل علم اس مرد کو دوں گا۔ جو اللہ و رسولؐ کا محب اور محبوب ہوگا جو کرار غیر فرار ہوگا اور نہ پلٹے گا جب تک کہ خدا اس کو فتح نہ عطا کرے گا۔ اسی حدیث کے متعلق فضل کہتا ہے یہ حضرت امیر علیہ السلام کے فضائل میں ایسی فضیلت ہے جس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں اور اسی قسم کے اور بھی بہت سے فضائل ہیں الخ

احادیث میں سیر کرنے والا اور تاریخ سے دلچسپی رکھنے والا خود بخود اس نظریہ پر پہنچ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ امت محمدیہ میں تمام افراد امت سے افضل تھے۔ اور جملہ صفاتِ کمالیہ میں اُن کی نظیر کوئی نہیں تھا۔ بشرطیکہ طبیعت میں انصاف ہو اور حسد و تعصب سے بالاتر ہو کر حقائق کا جائزہ لینے والا ہو۔ ورنہ اگر دھڑ بندی اور پارٹی بازی کا لحاظ ہو تو حب الشی یعمی و یصم یعنی شے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیا کرتی ہے، کے مقولہ کے ماتحت حق تک رسائی مشکل بلکہ محال ہے اور خصوصاً یہ صفات جو صاحبانِ حکومت الٰہیہ اور اولوالامر کے لئے ضروری ہیں۔ اس کے متعلق خود اکابر صحابہ کے اعترافات موجود ہیں اور متعصب ذہنیت کے لوگ فضل بن روزبہان جیسے بھی انکار نہیں کر سکتے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ خدا

نے نام نہیں لیا۔ یا حضرت رسالتمآبؐ نے نص نہیں فرمائی۔ صرف حق سے کنارہ کشی اور حقائق سے روگردانی نہیں تو اور کیا ہے؟ نیز اسی آیت کا آخری جملہ ہے اگر تم کسی شے میں جھگڑا کرو تو اس کو خُدا و رسولؐ پہ رد کرو جو فیصلہ وہ فرمائیں اسی پر عمل کرو اور ہمیں جب اولوالامر کی تعیین میں نزاع ہے کیوں نہ اس کا فیصلہ خدا اور رسولؐ سے کرالیں اور خدا و رسولؐ کا جب فیصلہ ہو جائے اور وہ صراحتاً بھی فرمائیں اور معیار کے ذریعے سے بھی بتائیں تو پھر ادھر اُدھر جانا اور بہانے تلاش کرنا کیا فائدہ رکھتا ہے؟

اولوالامر کا مصداق حضرت علیؑ اور ان کی عترتِ طاہرہ کو اگر قرار دیا جائے جیسا کہ نصوص صریحہ اس پہ دال ہیں۔ تو فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک اور علمی مظاہرہ کیا ہے اور وہ یہ کہ خدا فرماتا ہے اولوالامر کی اطاعت کرو اور یہ ہے جمع کا صیغہ اور مذہبِ شیعہ کے نزدیک ایک وقت میں صرف ایک ہی امام ہو سکتا ہے لہٰذا اس لحاظ سے بھی اولوالامر سے مراد مذہبِ شیعہ کے بارہ امام نہیں ہو سکتے۔

یہ صرف تعصب اور حسد ہی ہے جس کو اگلا جا رہا ہے اس کو عوام بھی سمجھ سکتے ہیں کہ جب مجموع کی طرف ایک مجموع کا خطاب ہو تو اس سے مراد اپنے متعلقہ افراد ہی ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً حکومتِ وقت کا حکم جاری ہوتا ہے کہ تمام رعایا کو چاہیئے کہ افسروں سے تعاون کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ملک کے ہر فرد کے لئے ہر ہر افسر سے تعاون ضروری ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر جگہ کے باشندوں کے لئے اپنے اپنے مقامی افسر سے تعاون کرنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ ایک ہی وقت میں ایک مقام پر زیادہ تعداد میں افسر مقرر کئے جائیں تاکہ رعایا کی طرف جمع کا خطاب صحیح ہو بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب ایک تبدیل ہو جائے اور دوسرا آجائے۔ پھر تیسرا۔ پھر چوتھا۔ پس رعایا کو اپنے مقامی افسر کی ہر دور اور ہر زمانہ میں اطاعت اور اس سے تعاون کرنا ضروری ہے اور قرآن کریم کا لہجہ کوئی نیا نہیں۔ بلکہ یہ گفتگو عالم عرف کے ماتحت ہے۔ جس طرح فرماتا ہے اگر عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت یہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص ہر عورت کو طلاق دے۔ اگرچہ صیغہ جمع کا ہے لیکن مقصد یہ ہے کہ اپنی منکوحہ عورت کو طلاق دو تو ان کی عدت یہ ہوگی۔ کہا جاتا ہے خدا نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی بھیجے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر فرد کے لئے وہ سب نبی بیک وقت تھے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ مجموعی طور پہ ایسا ہوا ہے ورنہ ہر ہر زمانہ کے لئے الگ الگ نبی تھے۔

خداوند کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ حافظوا علی الصَّلَوٰتِ نمازوں پر محافظت کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب نمازیں اکٹھی پڑھو۔ بلکہ جس نماز کا وقت آتا جائے اسے ادا کرتے جاؤ و علیٰ ہذا القیاس۔

اسی طرح یہاں بھی قیامت تک کے لئے جمیع اُمت کو خطاب ہے کہ اولوالامر کی اطاعت کرو یعنی ہر دور میں واجب الاطاعت امام کی پیروی کرو۔ اور معیار اولی الامر متعلق تفصیلی بحث ہماری کتاب اسلامی سیاست میں ملاحظہ فرمائیں۔

اولوالامر کی تعیین

تفسیر برہان میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے جب یہ آیت اَطِیْعُوااللّٰہَ الخ نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ ہم نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو جان لیا۔ لیکن یہ فرمایئے کہ وہ اولوالامر کون ہیں؟ جن کی اطاعت آپ کی اطاعت کے ساتھ مقرون ہے تو آپ نے فرمایا۔ اے جابر وہ میرے خلفاء ہیں جو میرے بعد مسلمانوں کے امام ہوں گے۔ ان میں پہلا علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔ پھر حسنؑ، پھر حسینؑ، پھر علی بن الحسین پھر محمد بن علی جو تورات میں باقر کے لقب سے معروف ہے۔ اے جابر تو اس کی زیارت کرے گا جب ان سے ملنا تو میرے سلام ان کو پہنچانا۔ پھر جعفر بن محمد صادق پھر موسیٰ بن جعفر پھر علی بن موسیٰ، پھر محمد بن علی، پھر علی بن محمد، پھر حسن بن علی پھر میرا ہمنام اور ہم کنیت محمد ہوگا۔ زمین پر حجۃ اللہ اور مخلوق میں بقیۃ اللہ ہوگا۔ حسن بن علی کا فرزند ہوگا۔ اس کے ہاتھوں پر خدا مشرق و مغرب کی فتح نصیب کرے گا۔ جو کافی عرصہ اپنے شیعوں اور دوستوں سے غائب ہوگا اور اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کی امامت کے اقرار پر وہی ثابت قدم رہے گا۔ جس کا دل ایمان کے لئے امتحان کی کسوٹی سے پورا اتر گیا۔ جابر کہتا ہے میں نے عرض کی حضورؐ! اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کے وجود سے شیعوں کو کچھ فائدہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ جس نے مجھے برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اس کی قسم شیعہ اس کے نور سے روشن ہوں گے اور اس کی ولا سے نفع مند ہوں گے جس طرح سورج بادل میں اگر مخلوقِ خدا کو نفع پہنچایا کرتا ہے۔

نیز ابوبصیر سے مروی ہے کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے اسی آیت مجیدہ کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا یہ آیت حضرت علیؑ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہم السلام کے حق میں اتری ہے تو میں نے عرض کی حضور! لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے علیؑ اور اہلبیتؑ کا نام کیوں نہیں لیا؟ آپ نے فرمایا۔ خدا نے نماز کا حکم دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ اس کی رکعتیں تین ہیں یا چار۔ پس جناب رسالتمآبؐ نے ہی تفصیل بیان فرمائی ہے اسی طرح زکوٰۃ کا خدا نے حکم دیا اور یہ نہیں کہا کہ چالیس درہموں میں سے ایک دیا جائے تو رسالتمآبؐ نے تفصیل بیان کی۔ اسی طرح آیت اَطِیْعُوااللّٰہَ الخ اتری اور جناب رسالتمآبؐ نے بیان فرمایا کہ یہ علیؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کے حق میں ہے۔ حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور نیز فرمایا میں تم کو کتاب خدا اور اہلبیتؑ کی وصیت کرتا ہوں اور خدا نے میری دعا کو مستجاب فرمایا۔ پس یہ دونوں جدا نہ ہوں گی اور تمہیں حوض کوثر تک میرے پاس پہنچائیں گی۔ پس تم لوگ ان کو مت سکھانا یہ تم سے اعلم ہیں اور یہ تمہیں کبھی ہدایت سے گمراہی کی طرف نہ لے جائیں گے اور پھر حدیث کساء کے ذریعے سے آپؐ نے اہلبیتؑ کی بھی تعیین فرما دی تاکہ آل فلاں اور آل فلاں اہلبیتؑ ہونے کا دعویٰ نہ کر دیں۔ چنانچہ اہلبیتؑ کی عصمت پر نص۔ آیت تطہیر نازل ہوئی۔ پس علیؑ سب سے اولیٰ تھے اور ان کے بعد امام حسنؑ اور پھر امام حسینؑ اور ان کے بعد ان کی اولاد یکے بعد دیگرے اور اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ کی تاویل جاری رہی۔ حدیث طویل تھی میں نے اختصار کے پیش نظر اس کا خلاصہ عرض کر دیا ہے۔ اسی مضمون کی احادیث بکثرت موجود ہیں ان میں سے بعض مقدمہ تفسیر میں بھی ذکر کی جا چکی ہے۔ یہاں تک یہ ثابت ہو گیا ہے کہ اولوالامر

سے مراد حضرت علیؑ اور اس کی عترتِ طاہرہ ہے جو یکے بعد دیگرے عہدۂ امامت پر فائز ہیں اور سب کے سب گناہانِ صغیرہ وکبیرہ سے پاک و معصوم ہیں اور اس وقت اس آیتِ مجیدہ کا مصداق حضرت ولی عصر صاحب الزمان عجل اللہ فرجہٗ علیہ السلام موجود ہیں جو ہماری آنکھوں سے غائب ہیں جب اللہ کا حکم ہوگا وہ ظہور فرمائیں گے۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے پُر کریں گے جس طرح کہ جور و ستم سے پُر ہو چکی ہے۔ اللھم عجل فرجہٗ واجعلنا من انصارہ۔

تنبیہ اس آیتِ مجیدہ کو بعض ذاکر و واعظ پیش کر کے اس سے ثابت کرتے ہیں کہ اہلبیت طاہرین خالق ہیں ان کا استدلال اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ چونکہ خدا نے ان کو اولوالامر کہا ہے اور خدا نے اپنے امر کی تعریف کی ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۔ یعنی خدا کا امر یہ ہے کہ جب وہ کسی کے متعلق ارادہ کرے کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جایا کرتی ہے جب خدا نے کہہ دیا یعنی امر کے مالک تو کُن کہنے والے یہی ہیں۔ اور انہی کے ارادہ اور امر کن سے مخلوق پیدا ہو رہی ہے وغیرہ وغیرہ

خداوندکریم ایسے عقیدہ رکھنے والوں کو ہدایت کرے جو مذہب امامیہ حقہ کو بدنام کرنے کے درپے ہیں انہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ خدا کا امر تکوینی ہے اور امر تکوینی کا تعلق ذاتِ آمر سے ہی ہوا کرتا ہے اور اہلبیت کو جس امر کا اختیار دیا گیا وہ امر تشریعی ہے ہاں اولوالامر میں الامر چونکہ مطلق ہے اس لئے ان کو یہ اشتباہ ہوا ہے لیکن یہ ان کی لاعلمی اور دیدہ دہنی کا ہی نتیجہ ہے کیونکہ امر تکوینی کبھی قابل نیابت ہو سکتا ہی نہیں اور جو امر قابلِ نیابت ہے وہ صرف امر تشریعی ہے۔ اور امر تکوینی کا ناقابل نیابت ہونا ہی اس کا مقید ہے۔ لہٰذا علیحدہ قید لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ چونکہ ایک علمی بحث ہے اس کا پھیلانا ناظرین کتاب کے لئے اُلجھن کا باعث ہوگا۔ لہٰذا اس مسئلہ کو یہیں ختم کرتا ہوں اور واعظین و ذاکرین کرام کی خدمت میں گذارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے عقائد کو مضبوط کریں اور حاجاتِ دنیا اور اس کے عارضی مفاد کی خاطر قرآن سے غلط نظریہ نہ خود قائم کریں نہ عوام کے عقائد کو تباہ کریں۔ خدا ہر شے کا خالق و مالک ہے اور محمدؐ و آل محمدؐ اس کی مخلوق میں سے افضل و برتر مخلوق ہیں اور اس کی جانب سے تمام کائنات کے حاکم ہے۔ ان کی ولا موجب جنت اور ان سے عداوت موجب جہنم ہے اور یہی شیعہ عقیدہ ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ

کیا دیکھتے نہیں ان کو جو بزعم خود کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر جو نازل ہوا آپ پر اور جو کچھ نازل ہوا

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا

آپ سے پہلے وہ چاہتے ہیں کہ آپس میں حاکم بنائیں شیطان کو اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کا انکار کریں

بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو گمراہ کرے انتہائی گمراہی اور جب ان کو کہا جائے آؤ طرف

إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ ج

اس کے جو نازل کیا اللہ نے اور طرف رسولؐ کے تو دیکھے گا منافق لوگوں کو روگردانی کرتے ہیں، آپ سے روگردانی کرنا

اَلَمْ تَرَ - تفسیر برہان میں تہذیب سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوبصیر سے فرمایا تحقیق خدا جانتا تھا کہ اُمت میں حکام جور ہوں گے اور یہاں وہی حکام جور ہی مقصود ہیں۔ اے ابوبصیر! اگر تیرا کسی پر کچھ حق ہو اور تو اسے حاکم عادل کے فیصلہ کی دعوت دے لیکن وہ تجھے حاکم جائر کی طرف فیصلہ لے جانے کو کہے تو سمجھ لینا کہ وہ طاغوت کی طرف فیصلہ لے جا رہا ہے اور اسی کو حاکم مقرر کر رہا ہے۔

اس سے پہلی آیت میں واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کو کس قسم کے حاکم کی اطاعت کرنی چاہیئے پس جو لوگ اللہ کی طرف سے حکومت کے اہل ہیں وہ حاکم عادل ہیں اور جو خدائی معیارِ حکومت سے الگ ہیں وہ اس آیت کے مصداق ہوں گے۔ خواہ ان کے اوپر اسلام کا لیبل کیوں نہ لگا ہوا ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ ۔ اس میں بھی اُمت کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ خدا اور رسولؐ کے فیصلہ سے جی نہ چراؤ۔ اور خدا و رسولؐ کے فیصلہ سے اعراض کرنے والوں کو منافق سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

وجوب تقلید

چونکہ ہر زمانہ میں اولوالامر کی اطاعت واجب ہے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے نائب عمومی یا نائب خصوصی کی طرف رجوع ضروری ہے پس زمانِ غیبت میں نائب عام مجتہد عادل کا فیصلہ شرعی مومن کے لئے واجب القبول ہے اور اس کے فیصلہ کا انکار کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے امامِ حق کے فیصلہ کو ٹھکرایا ہو چنانچہ معصوؐم نے فرمایا دیکھو جو شخص ہماری احادیث کا راوی ہو اور ہمارے حلال و حرام کو سمجھتا ہو اور ہمارے احکام کو جانتا ہو تو اس کو اپنے درمیان حاکم مقرر کرو۔ کیونکہ میں نے انہیں تمہارا حاکم مقرر کر دیا ہے۔ اسی بنا پر ہر بالغ و عاقل پر مجتہد جامع الشرائط کی تقلید واجب ہے تاکہ اس کے فتاویٰ سے اپنے اعمال کی

فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ

پھر کیسے جب انہیں پہنچے مصیبت بوجہ اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے تو پھر آجاتے ہیں قسمیں

بِٱللَّهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَٰنًا وَتَوْفِيقًا ﴿۶۲﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ يَعْلَمُ ٱللَّهُ مَا فِى

اللہ کی کھاتے ہوئے کہ نہ تھا ہمارا ارادہ مگر احسان اور اتفاق کا یہ لوگ جانتا ہے اللہ وہ جو ان کے دلوں میں ہے

قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِىٓ أَنفُسِهِمْ قَوْلًۢا

پس چشم پوشی کرو ان سے اور نصیحت کرو ان کو اور کہو ان کو ان کے نفسوں کے بارے میں آخری بات

بَلِيغًا ﴿۶۳﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓا۟

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسولؐ مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے بحکم خدا۔ اور اگر وہ جب انہوں نے

أَنفُسَهُمْ جَآءُوكَ فَٱسْتَغْفَرُوا۟ ٱللَّهَ وَٱسْتَغْفَرَ لَهُمُ ٱلرَّسُولُ لَوَجَدُوا۟ ٱللَّهَ تَوَّابًا

اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا۔ تیرے پاس آجاتے پس اللہ سے خود بھی بخشش طلب کرتے اور طلب بخشش ان کیلئے رسول بھی کرتا تو پاتے

اصلاح کرے۔ پس جس شخص کی جس مجتہد جامع الشرائط تک رسائی ہو سکتی ہو اور آسانی سے اس سے مسائل دریافت کر سکتا ہو اس کی تقلید اس پر واجب ہے اور جو لوگ اعلم کی تقلید کے وجوب کا اعلان کرتے ہیں اُن کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اور معصوم کا فرمان عام ہے اس کی بلا دلیل تخصیص تصرف فی الدین ہے اور مسئلہ کی مزید وضاحت مقدمہ تفسیر میں ملاحظہ ہو۔

فَكَيْفَ إِذَا۔ روایاتِ معصومین علیہم السلام میں ان آیات کے مخاطبین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اولوالامر کی تعیین میں جناب رسالتمآبؐ کی عملی مخالفت کی اور آیات کا باہمی ارتباط بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ جب وہ حضورؐ کی خدمت میں پہنچتے ہیں تو اپنی خیر خواہی کی قسمیں کھاتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں جو بات ہے سو وہ ہے تو جناب رسالتمآبؐ کی تسلی کے لئے ارشاد ہے کہ ان کے دل کی باتیں میں جانتا ہوں۔ آپ اُن سے چشم پوشی اور درگذر کا معاملہ کرتے رہیں۔ اور ان کو ان کے نفع یا نقصان کے متعلق صاف صاف اور آخری بات بتا دیں اور وہ یہ کہ میری مخالفت میں تمہارا انجام بُرا ہوگا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ :۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ ۱۲ منافقین نے ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں جناب رسالتمآبؐ کے قتل کرنے کی تجویز پاس کی اور جبرئیل نے آکر حضورؐ کو اطلاع دی پس آپ نے بھرے دربار میں فرمایا کہ تم میں سے جن جن آدمیوں نے یہ مشورہ کیا ہے وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہوں گے۔ لہٰذا کھڑے ہو کر اللہ سے معافی مانگ لیں اور اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں۔ تاکہ میں ان کے حق میں سفارش کروں لیکن کوئی نہ اُٹھا اور حضورؐ نے کئی دفعہ اپنے

رَّحِيمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا

اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ ایسا نہیں تیرے رب کی قسم یہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک تیری حکومت نہ مانیں اپنے باہمی جھگڑوں میں

فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۶۵﴾

پھر نہ محسوس کریں اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو تو فیصلہ کرے اور تسلیم کریں جس طرح تسلیم کا حق ہے

فرمان کو دھرایا لیکن کوئی نہ اٹھا۔ پس آپ نے نام لے لے کر فرمایا کہ تو کھڑا ہو تو کھڑا ہو اور آپ نے دُہ بارہ آدمی گنے۔ پس انہوں نے کھڑے ہو کر اعترافِ جُرم کیا اور توبہ کا اظہار بھی کیا لیکن آپؐ نے فرمایا اب یہاں سے نکل جاؤ۔الخ خداوند کریم اسی واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن آیت عام ہے اور ہر دور میں اس کے مصداقات جاری ہیں اور ہر مُجرم کو توبہ کی طرف جلدی کرنے کی دعوت ہے۔

معیارِ ایمان فَلَا وَرَبِّكَ ۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ طاغوت کی طرف فیصلہ بھی لے جائیں اور اس کو حاکم بھی تسلیم کریں اور ان کا دعویٰ ایمان بھی سچا ہو۔ بلکہ ایمان دار نہیں ہو سکتے۔ جب تک آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کریں۔

تفسیر برہان میں قمی سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ وہ لوگ جنہوں نے علیؑ کی ولایت کے اعلان کے خلاف باہمی معاہدے کئے ہوئے تھے یہ آیت انہی کے متعلق ہے کہ وہ ایمان دار نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہمی مشاجرات یعنی اختلافی امور میں آپ کی حکومت کو تسلیم نہ کریں اور علیؑ کی ولایت کے متعلق جو کچھ آپ فیصلہ فرما چکے ہیں اس کو بدل و جان قبول نہ کرلیں اور ولایتِ علیؑ کو اس طرح تسلیم کریں جس طرح تسلیم کرنے کا حق ہے۔

اور کافی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک قوم اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت گذار ہو نمازیں پڑھنے والے، حج کرنے والے، زکوٰۃ دینے والے اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنے والے ہوں لیکن خدا یا اُس کے رسولؐ کے کسی فیصلہ پر یہ کہہ دیں کہ ایسا کیوں کیا؟ بلکہ اس طرح کرنا نہیں چاہیئے تھا یا اپنے دلوں میں بوجھ تنگی محسوس کریں تو یہ لوگ مشرک شمار ہوں گے۔ پھر آپ نے اپنے صحابہ سے متوجہ ہو کر فرمایا۔ تسلیم کو نہ چھوڑنا۔

تنبیہ جس طرح جناب رسالتمآبؐ کے ہر فیصلہ پر کیوں کرنا یا اس سے دل تنگی انسان کو ایمان سے خارج کر دیتی ہے اسی طرح ان کے بعد ان کے حقیقی خلفاء یعنی آئمہ طاہرینؑ کے فیصلہ کے اُوپر نکتہ چینی یا ان کے کسی فرمان پر دل کی کڑھن وغیرہ ایمان کی علامت نہیں بلکہ یہ منافیٔ ایمان ہے اور اسی کو معصومؑ نے فرمایا ہے۔ کہ شرک میں داخل کرتی ہے۔ جبھی تو صحابہ کو تاکید کی کہ خبردار! تم تسلیم کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ ہمارے عوام میں یہ مرض عام ہے کہ جب ان کو کسی مسئلہ میں اُلجھن پیدا ہوتی ہے یا نفسِ امارہ کسی بات کو نہیں مانتا تو وہ آئمہ کے فیصلہ پر اعتراض کرتے

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ

اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ قتل کرو اپنے نفسوں کو یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ کرتے

اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ

سوائے چند کے ان میں سے اور اگر کرتے وہ جس کی نصیحت کئے گئے البتہ خوب ہوتا ان کے لئے اور زیادہ ثابت قدمی

تَثْبِيْتًا ۝۶۶ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۶۷ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۶۸

کا موجب اور پھر ہم ان کو عطا کرتے اپنی جانب سے اجر عظیم اور ان کو توفیق ثبات دیتے راہِ مستقیم پر

ہیں اور آئمہ کے فیصلہ کو خلافِ عقل کہنے پر تُل جاتے ہیں حالانکہ ہمارے عقول کی مجال نہیں کہ مسائل شرعیہ کے تمام مصالح کو سمجھ سکیں اور نہ ان پر ضروری ہے کہ ہر حکم کی مصلحت کو ہر شخص کے سامنے بیان کرتے رہیں۔ جہاں انہوں نے مناسب سمجھا صرف حکم کو بیان فرمایا اور وجہ بیان نہ کی بہرکیف مومن کا کام ہے تسلیم کرنا۔ پس جہاں ہمارے عقول ان کے فرمانات کی مصلحت سمجھنے سے قاصر ہوں تو یہ نہیں کہنا چاہتے کہ یہ حکم خلافِ عقل ہے بلکہ کہنا چاہیئے کہ حکم شرعی مطابق عقل ضرور ہے لیکن میری عقل اس کی مصلحت کو سمجھنے سے قاصر ہے اور یہی ہے ایمان و تسلیم۔

وَلَوْ اَنَّا۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اگر ہم ان پر اپنے نفسوں کا قتل اور گھروں سے جلاوطنی کا حکم صادر کرتے جیساکہ قوم موسٰی پر کیا تھا اور انہوں نے اس پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفسوں کو قتل بھی کیا تھا اور گھروں کو چھوڑ کر تیہ کی طرف نکل کھڑے تھے تو ان لوگوں سے یہ اُمید نہیں کہ عمل کریں۔ سوائے چند لوگوں کے اور وہ جناب رسالتمآبؐ کے صحابہ کی ایک جماعت تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اگر ہمیں ایسے سخت احکام دیئے جائیں تو ہم ماننے کو تیار ہیں۔ اور اللہ کی حمد ہے کہ اس نے ہمیں اس قسم کی سخت آزمائش سے محفوظ رکھا اور عبداللہ بن مسعود اور عمار بن یاسر بھی انہیں میں سے تھے تو جناب رسالتمآبؐ نے ان کے حق میں فرمایا۔ میری اُمت میں ایسے بندے بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے اور تفسیر برہان میں ہے کہ حضرت علیؑ کی ولایت کے متعلق ہے۔ کہ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا الخ یعنی اگر وہی کرتے جو انہیں کہا گیا ہے یعنی ولایت علیؑ کے بارے میں تو ان کے لئے خوب ہوتا۔ اور امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ امام کی تسلیم میں انہیں حکم دیئے جائیں تو سوائے چند آدمیوں کے کوئی بھی نہ مانے گا۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کا ایک ثوبان نامی غلام تھا جو آپ کی محبت میں دلوانہ تھا۔ ایک دن حضورؐ نے دیکھا کہ اس کا رنگ متغیر اور جسم کمزور ہے۔ آپ نے

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور جو اطاعت کرے اللہ و رسولؐ کی تو وہ ساتھ ان کے ہوں گے جن پر انعام کیا اللہ نے

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ

نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکوں میں سے اور بہترین ہے اُن کا

رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ ع

ساتھ یہ فضل ہے اللہ سے اور کافی ہے اللہ جاننے والا

وجہ پوچھی تو غلام نے عرض کی حضور! نہ مجھے بیماری ہے نہ درد۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے آپ کے دیدار کے بغیر آرام نہیں آتا۔ اور جب میں آخرت کو یاد کرتا ہوں تو خیال گذرتا ہے کہ شاید وہاں آپ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا درجہ نبیوں کے ساتھ بلند ہوگا اور میں اگر جنت میں گیا تو یقیناً آپ کی منزلت سے کہیں پست منزل میں ہوں گا اور اگر جنت سے محروم ہوگیا تو آپ سے اور زیادہ دُور ہو جاؤں گا۔ پس اسی فکر میں ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی۔

اطاعت گذاروں کا درجہ

تفسیر برہان میں عیاشی سے منقول ہے۔ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا اللہ پر حق ہے کہ ہماری وِلا والوں کو نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کا رفیق بنائے۔

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ ابن بابویہ سے مروی ہے جناب اُمّ المؤمنین امّ سلمہ کہتی ہیں۔ میں نے جناب رسالتمآبؐ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا نَبِیِّیْنِ سے مراد میں ہوں اور صِدِّیْقِیْن سے مراد علیؑ ہے۔ اور شہدآء سے مراد حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ صالحین سے مراد حمزہ اور بہترین ساتھ آئمہ عشر ہیں (آیت میں جمع کے صیغوں سے اشتباہ نہ کیا جائے کیونکہ حضورؐ نے اپنی امت کے لئے آیتِ مجیدہ کے مصداق تفسیر باطن کے لحاظ سے بیان فرمائے۔ واللہ اعلم

بعض روایات میں نبیین کا مصداق جناب رسالتمآبؐ اور صدیقین و شہداء کا مصداق آئمہ طاہرینؑ اور صالحین کا مصداق شیعیانِ اہلبیت کو کہا گیا ہے جیسا کہ کافی سے بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے اور آپ نے فرمایا اے ابوبصیر جس طرح خدا نے تمہیں صالحین کے خطاب سے ذکر کیا ہے۔ تم خود بھی صالحین میں اپنا نام پیدا

کرو اور بعض روایات میں نبیّین سے مراد جناب رسالتمآبؐ اور صدیقین سے مراد حضرت علیؑ اور شہدار سے مراد حضرت حمزہ اور صالحین سے مراد عترت طاہرہ لی گئی ہے۔ جیساکہ بروایت امالی شیخ کتاب مصباح الانوار سے منقول ہے کہ انس بن مالک کے سوال کے جواب میں جناب رسالتمآبؐ نے آیتِ مجیدہ کی تفسیر بیان فرمائی اور یہ مصداق بیان فرمائے (بہرکیف اس قسم کے اختلاف رواۃ حدیث سے ہو جایا کرتے ہیں اور مقصد ایک ہی ہے۔)

خلقتِ نوری کی تفصیل

روایت مذکورہ میں انس کہتا ہے کہ جب آپؐ آیت کے الفاظ کے مصداق بیان کر چکے تو آپ کے چچا حضرت عباس جو حاضرِ مجلس تھے اور کھڑے ہوئے تھے اور حضورؐ کے قریب آکر سامنے بیٹھ گئے۔ پھر عرض گزار ہوئے۔ حضورؐ! کیا میں اور آپ اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام سب ایک درخت سے نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا اس سوال کا مطلب؟ تو عباس نے عرض کی حضور! صرف علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کی ہی تعریف فرما رہے ہیں؟ حضور ہنس پڑے اور فرمایا یہ درست ہے کہ ظاہری خلقت میں ہم ایک درخت سے ہیں۔ لیکن عمّ بزرگوار! خدا نے مجھے علیؑ فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو خلقتِ آدمؑ سے پہلے خلق فرمایا جب نہ آسمان کی بنا تھی نہ زمین کا فرش، نہ ظلمت تھی نہ نورؔ اور نہ جنّت تھی نہ نار اور نہ شمس و قمر تھے۔ پس عباس نے خلقتِ نوری کی تفصیل دریافت کی تو آپ نے فرمایا جب اللہ نے ہماری تخلیق کا ارادہ فرمایا تو پہلے نور کو پیدا کیا اور پھر روح کو خلق فرمایا اور ان دونوں کو ملا کر مجھے اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو پیدا کیا۔ پس ہم اس وقت تسبیح گذار تھے جب تسبیح نہ تھی اور اس وقت ہم اس کی تقدیس کرنے والے تھے جب تقدیس نہ تھی (تقدیس کرنے والا کوئی نہ تھا) پس جب مخلوق کو خلق فرمانا چاہا تو میرے نور سے عرش کو پیدا کیا۔ پس عرش کا نور میرے نور سے ہے لہٰذا میرا نور عرش سے افضل ہے پھر علیؑ کے نور سے ملائکہ کو خلق فرمایا۔ پس ملائکہ کا نور علیؑ کے نور سے ہے اور علیؑ کا نور اللہ کے نور سے ہے لہٰذا ملائکہ کے نور سے علی کا نور افضل ہے۔ پھر زمین و آسمان فاطمہؑ کے نور سے ہیں اور فاطمہؑ اللہ کے نور سے ہے لہٰذا فاطمہؑ آسمانوں اور زمین سے افضل ہے۔ پھر حسنؑ کے نور سے شمس و قمر پیدا ہوئے۔ پس شمس و قمر کا نور حسنؑ کے نور سے ہے اور حسنؑ کا نور اللہ کے نور سے ہے لہٰذا حسنؑ شمس و قمر سے افضل ہے۔ پھر حسینؑ کے نور سے جنّت اور حور العین کو پیدا کیا تو جنّت و حور حسینؑ کے نور سے ہیں اور حسینؑ اللہ کے نور سے ہے لہٰذا حسینؑ جنّت و حور سے افضل ہے۔ پھر ظلمات کو حکم دیا کہ چھا جائیں چنانچہ آسمانوں میں تاریکی چھا گئی اور ملائکہ تسبیح و تقدیس کے ذریعہ سے بارگاہِ رب العزت میں عجز و انکساری سے عرض گزار ہوئے۔ اے ہمارے الٰہ و سیّد! جب سے تو نے ہمیں خلق فرمایا اور ان پاک و انوار کی معرفت عطا کی۔ آج تک ہم نے یہ مصیبت نہیں دیکھی۔ پس ان پاک انوار کے واسطہ سے اس ظلمت کو دور فرما۔ پس خدا نے نورِ فاطمہؑ سے ایک قندیل نور کو ظاہر کر کے زیرِ عرش آویزاں کیا جس سے آسمان و زمین منور ہو گئے اور اسی لئے اس کو زہرا کہا جاتا ہے ملائکہ نے عرض کی پروردگار! یہ نور ظاہر کس کا

ہے جس سے زمین و آسمان روشن ہو گئے۔ تو وحی ہوئی کہ یہ نور میں نے اپنے نور جلال سے خلق فرمایا ہے۔ میری کنیز جو میرے حبیب کی دختر میرے ولی کی زوجہ اور میرے برگزیدہ آئمہ کی ماں ہے اس کا نور ہے اور تمہیں شاہد بنا کر کہتا ہوں۔ اے ملائکہ! تمہاری تمام تسبیح و تقدیس کا ثواب اس پاک بی بی اور قیامت تک کے اس کے شیعہ و محب لوگوں کے لئے ہو گا۔ پس جب یہاں تک پہنچے تو عباس اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؑ کی پیشانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہنے لگے۔ یا علیؑ خدا کی قسم خدا اور قیامت پر ایمان رکھنے والوں کیلئے تو ہی حجت بالغہ ہے۔

تنبیہ ادائے امانت والی آیت کے بعد کی تمام آیات کا تسلسل اور روانی بتلاتی ہے کہ ان آیات میں اولوالامر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے اور اس معاملہ میں تسلیم کی تائید کی گئی ہے جیسا کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین تائیدی طور پر پیش کئے جا چکے ہیں۔ ہاں بعض آیات کے شان نزول کے خصوصی واقعات آیات کو انہی موارد پر بند نہیں کر سکتے کیونکہ قرآن تا قیامت زندہ ہے اور اس کے مصادیق تا قیامت موجود ہونے ضروری ہیں۔ اسلوب قرآن سے واقفیت رکھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ ان آیات میں ایسی چیز کے متعلق پُر زور تاکید کی گئی ہے جس کے ماننے سے دعویٰ ایمان کرنے والے کتراتے تھے اور ان کے دلوں میں کرھن پیدا ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ نماز روزہ حج اور جملہ واجبات و محرمات میں مومنین نے کبھی جی نہیں چرایا تھا اور خدا نے ان جی چرانے والوں کو منافق کے خطاب سے بھی ذکر کیا اور رسولؐ کو ان کی تفہیم کا بار بار ارشاد فرمایا اور آخر کار کھلے لفظوں فرمایا کہ تمہارا ایمان ہرگز قابل قبول نہیں۔ جب تک رسولؐ کے فیصلہ کو بدل و جان قبول نہ کر لو گے۔ یہاں تک کہ تمہارے نفسوں پر ان کا بوجھ تک نہ رہے اور کتب سیر و تاریخ صاف بتلاتی ہیں کہ وہ صرف حضرت علیؑ کی خلافت تھی جس کا آپ وقتاً فوقتاً اعلان فرماتے تھے اور آخر نتیجہ وہی ہوا۔ جس کی پیشین گوئی قرآن کر رہا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾

اے ایمان والو! لگاؤ ہتھیار پس روانہ ہو دستے دستے ہوکر یا اکٹھے (لشکر بن کر)

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ

اور تحقیق بعض تم سے (جو منافق ہیں) پیچھے رہتے ہیں پس اگر تمہیں پہنچے مصیبت تو کہتے ہیں خدا کا احسان ہے

اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ

مجھ پر کہ میں نہ تھا ان کے ہمراہ حاضر اور اگر ملے تمہیں اللہ کا فضل (غنیمت) تو کہتا ہے اس طرح جیسے نہ تھی

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا

تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہائے افسوس ہیں ان کے ہمراہ ہوتا تو حاصل کرتا

عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

بڑی کامیابی پس لڑنا چاہیئے اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو جو بیچتے ہیں زندگی دنیا کے

بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

بدلے آخرت کے اور جو لڑے راہِ خدا میں تو قتل کیا جائے یا فتح مند ہو عنقریب دیں گے اسے اجرِ عظیم

رکوع نمبر ۷

یہ آیات پھر جہاد کی ترغیب اور تیاری کے لئے ہیں۔

قَدْ اَنْعَمَ اللّٰہُ - مجمع البیان اور برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اگر تمام اہلِ آسمان و زمین مل کر یہ کلمہ کہہ دیں کہ خدا کا احسان ہے کہ ہم رسولؐ اللہ کے ہمراہ نہ تھے تو سب کے سب مشرک ہو جائیں گے۔

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ یہاں معترضہ ہے اور اس کا ربط پچھلی آیت کے ساتھ ہے۔ یعنی کلام میں تقدیم و تاخیر ہے کہ منافق جو پیچھے رہ جاتا ہے کہتا ہے شکر ہے کہ میں ان کے ہمراہ نہ تھا ورنہ میں بھی مبتلائے مصیبت ہوتا اور یہ فقرہ اس طرح دریدہ دہنی سے کہتا ہے گویا اس کا اور تمہارا کسی وقت آپس میں دوستانہ ہی نہ تھا۔ اور اگر تم فتح یاب ہو جاؤ اور غنیمت لے آؤ تو کہتا ہے کاش میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا۔ تو میرا بھی اس غنیمت میں حصہ ہوتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ تقدیم و تاخیر نہیں اور جملہ اپنے مقام پر ہے مقصد یہ ہے کہ جب مومنوں کو غنیمت ملے تو اس طرح

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

اور تمہیں کیا ہے کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور کمزور مردوں اور عورتوں

وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ج

اور بچوں کے لئے جو دعا مانگتے ہیں اے پروردگار نکال ہمیں اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے باشندے

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ

اور مقرر کر ہمارا اپنی طرف سے ولی اور مقرر کر ہمارا اپنی طرف سے مددگار جو لوگ

آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا

ایمان لائے وہ لڑتے ہیں راہ خدا میں اور جو لوگ کافر ہیں لڑتے ہیں راہِ شیطان میں پس لڑو

أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾ ع

شیطان والوں کے ساتھ تحقیق مکر شیطان کا کمزور ہے

جیسے تمہاری اور اس کی آپس میں کوئی راہ ورسم ہی نہ ہو صرف لالچ دنیا کیلئے کہتا ہے۔ کاش میں بھی اس کے ساتھ ہوتا ہر دو صورت میں لَيَقُولَنَّ کا مقولہ يٰلَيْتَنِي ہی ہے اور دوسرے ترجمہ کی صورت میں جملہ كَأَنْ لَّمْ تَكُنْ موضع نصب میں حال واقع ہوگا۔

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا۔ تفسیر برہان میں بروایت عیاشی امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ حضرت خدیجہ کا ہجرت سے ایک سال قبل انتقال ہوا۔ اور اس کے ایک سال بعد حضرت ابو طالب کا انتقال ہوا۔ پس حضرت رسالتمآبؐ سخت رنجیدہ خاطر ہوئے تو وحی ہوئی کہ أَخْرِجْ مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا۔ یعنی اس ظالم لوگوں کی بستی سے نکل جاؤ۔ اور مدینہ کی طرف ہجرت کر جاؤ کیونکہ مکہ میں تمہارا ناصر اب کوئی نہیں رہا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ۔ تفسیر برہان میں صادقین علیہما السلام سے منقول ہے کہ اس کے مصداق ہم ہیں (باعتبار مصداقِ باطنی کے) رَبَّنَا۔ حضورؐ کی ہجرت کے بعد کچھ مومن مکہ میں رہ گئے جو کمزور تھے اس طرح کچھ عورتیں اور بچے جن کو کفار ظلم۔ ستم کا نشانہ بناتے تھے وہ کہتے تھے کہ پروردگارا! ہمیں اس بستی سے نجات دے جس کے باشندے ظالم ہیں تو خدا نے ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا چنانچہ مکہ فتح ہوا اور وہ مسلمان ظلم کے شکنجے سے نجات یافتہ ہوئے اور خدا اسی طرح ذلی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان کے پیروکاروں کے پاس دلیل و برہان نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ وہ شک و شبہات کی بنا پر لڑتے رہتے ہیں اور مومنوں کے پاس اپنے مذہب و عقیدہ کے لئے مضبوط دلائل

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

کیا نہیں دیکھا ان کو جنہیں کہا گیا کہ روک لو اپنے ہاتھ (لڑائی سے) اور قائم کرو نماز کو اور دو

الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

زکوٰۃ پس جب فرض ہوئی ان پر لڑائی تو ایک گروہ ان کا ڈرتا ہے لوگوں سے

كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ

اللہ کے ڈر کی طرح یا اس سے بھی سخت اور کہتے ہیں اے رب کیوں فرض کی تو نے ہم پر لڑائی

لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ

کیوں نہیں ٹال دیا اسے کچھ وقت تک فرما دیجئے دنیا کا نفع تھوڑا ہے اور آخرت

ہوتے ہیں جو ان کے ثبات قدمی کا باعث بنتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ ۔ جب مکہ میں قریش کے ظلم سے مسلمان تنگ آتے تھے تو جناب رسالتمآبؐ سے درخواست کرتے تھے کہ ہمیں جہاد کا حکم دیجئے اور آپ انہیں نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے ابھی جنگ کا حکم نہیں آیا جب یہاں سے ہجرت کرکے مدینہ میں پہنچے اور بدر کی لڑائی کا حکم ہوا تو پھر کہنے لگے جہاد کیوں فرض ہوگیا ہے ابھی کچھ اور مہلت دی جاتی تو اچھا تھا ۔ شان نزول خواہ کچھ ہو آیت قیامت تک چلے گی اور اس پر عمل کرنے والے قیامت تک ہوں گے اور ہر ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جن کو یہ آیت تنبیہہ کرتی چلی جا رہی ہے ۔ اسی بناء پر تفسیر برہان میں متعدد روایات ہیں جن میں اس کا مصداق امام حسین علیہ السلام کے زمانہ والوں کو قرار دیا گیا جبکہ جہاد ان پر فرض تھا لیکن کوتاہی کر گئے ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور اپنی زبانوں کو محفوظ رکھو اور ان کے نتیجہ میں جنت میں پہنچو ۔ اپنے موالیوں کو خطاب کرکے فرمایا خدا کی قسم اس آیت کے اہل تم ہو تفسیر صافی میں عیاشی سے منقول ہے کہ امام حسنؑ کے زمانہ میں لڑائی سے ہاتھ روکنے کا حکم ہوا اور امام حسینؑ کے ساتھ جہاد کا حکم ہوا اور آیت مجیدہ کے وہ لوگ بھی مصداق ہیں۔

تنبیہہ عوام کو دھوکا میں ڈالنے کے لئے شاہ عبدالقادر نے کفوا ایدیکم الخ کا ترجمہ کیا ہے اپنے ہاتھ بند رکھو اور قائم کرو نماز اور تھانوی نے ترجمہ کیا ہے اپنے ہاتھوں کو تھامے رہو اور نمازوں کی پابندی رکھو۔

خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

بہتر ہے اس کے لئے جو تقوٰی کرے اور نہ ظلم کئے جاؤ گے معمولی بھی جہاں بھی ہو گے پالے گی تمہیں موت اگرچہ ہو گے

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ

ایسے قلعوں میں جو مضبوط ہوں اور اگر ان کو پہنچے اچھائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

اور پہنچے ان کو برائی تو کہتے ہیں یہ آپ کی جانب سے ہے فرما دیجئے سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ

پس کیا ہے ان لوگوں کو کہ بات نہیں سمجھ پاتے؟ جو کچھ پہنچے تمہیں اچھائی تو

تاکہ جہال تحت اللفظی ترجمہ دیکھ کر یہ سمجھیں کہ قرآن مجید نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم دے رہا ہے حالانکہ بالکل غلط بلکہ بہتان عظیم ہے اور مفسرین اہلسنت مثلاً فخرالدین رازی اور بیضاوی وغیرہ نے صاف لکھا ہے کہ اس سے مراد ہے جنگ سے ہاتھ روکو اور نماز زکوٰۃ کی پابندی کرو

وَاِنْ تُصِبْهُمْ - جب یہودیوں کے پھلوں اور زراعت میں کمی واقع ہوتی تھی تو کہا کرتے تھے کہ یہ حضرت محمدؐ کی وجہ سے ہے اور جب آبادی اچھی ہوتی تو کہتے تھے یہ اللہ کی جانب سے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جنگِ احد میں جو خسارہ پہنچا ہے وہ آنحضرت کی جانب سے ہی ہے لیکن غنیمت حاصل ہونے پر کہتے تھے یہ اللہ کی طرف سے ہے ممکن ہے ہر دو فریقین کی باتوں کو نقل کیا جا رہا ہو۔ اور اسی کو علامہ طبرسی نے ترجیح دی ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ - یہ خطاب جناب رسالتمآبؐ کی طرف ہے اور مراد امّت ہے یا یہ کہ مطلق انسان کو خطاب ہے کہ جو اچھائی ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور جو برائی ہے وہ خود تیرے نفس کی جانب سے ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں خدا نے ہر اچھائی و برائی کو اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔ اور دوسری آیت میں تفریق کر دی ہے کہ اچھائی کو اپنی جانب اور برائی کو بندے کی طرف منسوب کر دیا ہے یہ کیوں؟ تو صادقین علیہما السلام نے اس کا حل اس طرح فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں حسنات وسیّات کو دو طریقوں پر استعمال کیا گیا ہے صحت سلامتی امن اور وسعتِ رزق کو حسنات کہا ہے اور مرض خوف بھوک اور تکلیف وغیرہ کو

فَمِنَ اللّٰهِ	وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ	فَمِنْ نَّفْسِكَ	وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ	
اللہ سے ہوگی	اور جو کچھ پہنچے تمہیں برائی	وہ تمہارے اپنے نفس سے ہوگی	اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو	
رَسُوْلًا	وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾	مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ	فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ	
لوگوں کیلئے رسول	اور کافی ہے اللہ گواہ	جو اطاعت کرے گا رسول کی	تو تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت	
وَمَنْ تَوَلّٰى	فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾	وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ	فَاِذَا بَرَزُوْا	
کی اور جو الٹا ہوا	تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو نگران اُن پر	اور زبانی کہتے ہیں اطاعت قبول	اور جب نکلتے	

سیئات سے تعبیر کیا ہے جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے مقولہ کو نقل فرمایا وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ کہ وہ برائی کی بدشگونی کو حضرت موسیٰ اور ان کے ساتھیوں سے منسوب کرتے ہیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسانوں کے نیک اعمال کو حسنات اور بداعمالی کو سیئات سے تعبیر کیا ہے۔

پس پہلی آیت میں حسنات وسیئات کا پہلا معنی ملحوظ ہے اور دوسری آیت میں دوسرا معنی مراد ہے۔ یا کہ دوسری آیت میں حسنات وسیئات سے عام مراد ہو۔ پس حسنات تو اللہ کی جانب سے ہیں دونوں معنوں کے اعتبار سے لیکن سیئات تو وہ پہلے معنی کے لحاظ سے اگرچہ ہیں اللہ کی طرف سے لیکن چونکہ وہ انسانوں کے بعض کرتوتوں اور غلط کاریوں کے نتیجہ میں ہوتے ہیں اس لئے وہ بندوں کی طرف بھی منسوب ہو سکتی ہیں۔ اور سیئات کا دوسرا معنی تو بندوں کے سوءِ اختیار کا چونکہ نتیجہ ہے اس لئے ان کی طرف منسوب ہیں بلکہ اس صورت میں بھی اس لحاظ سے اللہ کی طرف ان کی نسبت ہو سکتی ہے۔ کہ افعالِ بد کی بنیادی طاقتیں اللہ کی جانب سے عطا شدہ ہیں۔ پس دونوں آیتوں میں نسبت کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔

مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ انسان کو لکڑی سے کوئی خراش پہنچے یا رگ میں کوئی تکلیف ہو یا قدم پھسل پڑے تو وہ کسی گناہ کا بدلہ ہوا کرتا ہے اور خدا اس سے زیادہ معاف بھی کر دیتا ہے۔ اور اس مطلب کی احادیث آئمہ طاہرینؑ سے بھی مروی ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ :۔ تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا۔ چوٹی کی بات اور انتہائی کام کی بات جو تمام باتوں کی کلید کی حیثیت سے ہے اور جس میں اللہ کی خوشنودی مضمر ہے وہ ہے امام کی اطاعت اور معرفت چنانچہ خدا اسی آیہ مجیدہ میں فرما رہا ہے اگر کوئی شخص عمر بھر راتوں کو عبادت کرے

مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۖ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ

ہیں آپ کے پاس سے تو رات کو ٹھان لیتا ہے ایک گروہ ان کا آپ کے فرمان کی مخالفت اور اللہ محفوظ کر

مَا يُبَيِّتُونَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

لیتا ہے وہ جو رات کو کام کرتے ہیں پس ان سے درگذر کیجئے اور توکل کیجئے اللہ پر اور کافی ہے اللہ وکیل

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ

کیا تدبر نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا غیر اللہ کی طرف سے تو پاتے اس

اور دن کو روزہ سے رہے اور تمام مال راہ خدا میں خرچ کر دے اور حج بھی کرتا رہے لیکن اللہ کے ولی کی معرفت نہ رکھتا ہو اور اس کا موالی نہ ہو تا کہ اس کے اعمال اس کی رہبری سے ہوں تو اللہ پر اس کے اعمال کا کوئی بدلہ نہیں ہے اور نہ وہ اہلِ ایمان سے ہے۔ ہاں ان میں سے بعض نیکوں کو اپنے فضل سے جنت دے گا (شاید ان بعض سے مراد وہ لوگ ہوں جن کے کان میں کلمۂ حق نہ پہنچا ہو اور اہلبیت سے اعلانیہ عداوت بھی نہ رکھتے ہوں۔ واللہ اعلم

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے تمام معاملات جناب رسالتمآبؐ کے سپرد فرمائے چنانچہ فرمایا وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ اور جناب رسالتمآبؐ نے معاملہ حضرت علیؑ اور باقی آئمہ طاہرین کے حوالہ فرمایا پھر اپنے صحابیوں سے متوجہ ہو کر فرماتے ہیں) تم نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے اور لوگوں نے انکار کیا ہے۔ پس خدا کی قسم ہم محبوب رکھتے ہیں کہ جو ہم کہیں تم کہو اور جس سے ہم خاموش رہیں تم بھی خاموشی اختیار کرو۔ ہم اللہ اور تمہارے درمیان وسیلہ ہیں۔ (الحدیث)

بَيَّتَ طَآئِفَةٌ۔ کافی سے مروی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا اس سے مراد تین شخص ہیں۔ فلاں اور فلاں اور ابو عبیدہ جراح۔

قرآن میں تدبّر کرنے کی دعوت

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ان کو دعوت غور و فکر دی گئی ہے کہ ذرا قرآن کے معانی میں ان کے نظم و نسق میں فکر کر کے تو دیکھیں قرآن مجید میں جس قدر احکام بیان ہوئے ہیں ایک دوسرے سے ان کا ایسا جوڑ ہے کہ ان میں کہیں تصادم و اختلاف نہیں نہ ان میں کوئی عقلی خرابی ہے اور نہ لفظی سقم ہے انسان

اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ

میں اختلاف بہت اور جب آئے ان کے پاس بات امن کی یا ڈر کی تو اسے پھیلاتے ہیں

کو امورِ خیر کی دعوت ہے اور امورِ شر سے ممانعت کی گئی ہے۔ حسن اخلاق نیکی اور زہد کی ترغیب سے بھرپور ہے اور جہاں اخبار وقصص کا بیان ہے وہ سب مبنی برصدق وحقیقت ہیں۔ علاوہ ازیں فصاحتِ لفظی سلاست اور معنوی اسلوب بیان میں جس معیار پر یہ کلام فائز ہے وہ صرف اسی کا حصہ ہے اور اس میں اپنی نظیر خود آپ ہی ہے پس جو شخص ان باتوں کا جائزہ لے گا اسے مجبوراً اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ کلام انسانی طاقت سے بلند وبالا ہے اور ناچار کہنا پڑے گا کہ یہ خالق کا کلام ہے۔

وَلَوْ كَانَ۔ اس کی مزید وضاحت کے لئے فرماتا ہے کہ اگر یہ کلام مخلوق کا کلام ہوتا تو کسی کلام کی خوبی کے پرکھنے کے لئے جن جن پہلوؤں کا مدنظر رکھنا ضروری ہوا کرتا ہے اس میں ہر پہلو کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی عیب ضرور پایا جاتا۔ مثلاً حق وباطل کے بیان میں کہیں سقم، کہیں اخبار گذشتہ کی واقعیت میں غلطی کہیں فصاحت وبلاغت کے انداز میں کوتاہی کہیں احکام مبینہ میں تناقض اور کہیں سلاست ونظم مطالب کا فرق وغیرہ کیونکہ جب کلام طولانی ہو اور اس میں مطالب بہت کثرت سے بیان ہوں۔ عقلیات بھی ہوں اور نقلیات بھی ہوں اوامر بھی ہوں نواہی بھی۔ اور خطاب میں بھی عوام وخواص سب داخل ہوں تو ناممکن ہے کہ کسی انسانی دماغ سے کسی پہلو میں تشنگی نہ رہے اور نہ کہیں سقم پیدا ہو لیکن قرآن مجید ان سب باتوں کے باوجود ہر پہلو کے لحاظ سے ہر سقم وعیب سے مبرا ومنزہ ہے حتیٰ کہ عرب کے فصاحت وبلاغت کے چرچے کے زمانہ میں اس کے سامنے فصحا زمانہ اور بلغاءِ عصر کی گردنیں جھک گئیں اور قرآن مجید کے بار بار چیلنج کرنے کے باوجود کسی کو مقابلہ کی جرأت تک نہ ہو سکی۔ چنانچہ پہلے فرمایا اس کی مثل لاؤ۔ پھر فرمایا اس پورے کی مثل نہ سہی اس کے ایک سورہ کی مثل لاؤ اور بالآخر فرمایا چلو اسی معیار کے ماتحت ایک آیت ہی لے آؤ۔ تاہم تمام فصحاء وبلغاء اس کے جواب سے گنگ رہے اور قرآن مجید میں ایک ذرہ بھر کے برابر نقص وعیب پیدا نہ کر سکے پس قرآن میں ہر خوبی کے جامع ہونے کے باوجود اس میں اختلاف وتصادم کا نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے ورنہ اگر مخلوق کا ہوتا تو کچھ صحیح اور کچھ سقیم بعض حصہ میں بلیغ تو بعض گرا ہوا اور کہیں واقعات کے بیان میں صدق تو کہیں جھوٹ بھی آجاتا اور یہ اختلاف مخلوق کے کلام میں ناگزیر ہے لیکن اللہ کا کلام اس سے پاک ومبرا ہے۔ صدق اللہ العزیز الحکیم۔ قرآن میں تدبر کی دعوت اس امر کی دلیل ہے کہ اصولِ دین میں تقلید حرام ہے۔ اسی لئے تو ان کو قرآن پر ایمان لانے کے لئے تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ۔ مدینہ میں جو عام خبریں پھیلائی جاتی تھیں مثلاً کسی وقت دشمنوں کے حملہ کی خبریں کہ وہ فلاں طرف سے آمادہ جنگ ہو کر آرہے ہیں اور کسی وقت مومنوں کی فتح کی خبریں کہ فلاں مقام پہ مومنوں کو فتح ہوئی

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ

اور اگر اسے رد کرتے طرف رسولؐ کے اور اپنے اولوالامر کے تو جان لیتے اسے وہ لوگ جو

يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ

استنباط کرتے ہیں ان میں سے اور اگر نہ ہوتا فضلِ خدا تم پر اور اس کی رحمت تو تم تابعدار بن جاتے

الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

شیطان کے سوائے چند کے

تو بعض لوگ تو بغیر اس کے کہ ان اخبار کی تحقیق کی جائے ان کی اشاعت پر زور دیتے تھے جس کی بدولت بعض اوقات مومنوں میں سنسنی سی پھیل جاتی اور سخت پریشانی کا سامنا ہوا کرتا پس خدا نے اس رویہ سے منع فرمایا اور ہدایت کی کہ آئندہ اگر کوئی ایسی بات ہو تو وہ رسولؐ کو بتا دی جائے تاکہ اس کی پوری تحقیق ہو سکے اور چونکہ دین اسلام قیامت تک کے لئے ہے اور ہمیشہ اس قسم کے معاملات سے نپٹنا ضروری ہوا کرتا ہے۔ لہذا رسولؐ کی عدم موجودگی میں اس قسم کی اخبار کو رسولؐ کے قائم مقام یعنی اولوالامر کے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا جو واقعات کی تحقیق کرکے اس پر مناسب عمل کی لوگوں کو دعوت دیں اور برمحل کارروائی کریں۔

وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ۔ مجمع البیان اور برہان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اولوالامر سے مراد یہاں بھی معصومین علیہم السلام ہیں اور تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد آلِ محمدؐ ہیں اور وہی قرآن سے استنباط کر سکتے ہیں اور وہی حلال و حرام کو جانتے ہیں اور خلق خدا پر حجت ہیں۔

يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔ ھم کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں نے ان منافقوں کو بنایا ہے جو خبریں پھیلایا کرتے تھے۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ جن کا ایمان درست نہیں اُن کے استنباط کی مدح کس طرح ہو سکتی ہے۔

یہاں ھُمْ کی ضمیر کا مرجع اولی الامر ہیں اور مِنْ اس لحاظ سے بیانیہ ہوگا نہ کہ تبعیضیہ اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اولی الامر ہیں وُہ ہی صحیح استنباط کر سکتے ہیں اور اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ میں ھُم کی ضمیر کا مرجع اگرچہ منافقین ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان میں سے ہیں بلکہ یہ اس طرح ہے جس طرح رسولؐ کے متعلق متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ اس نے ان پڑھ لوگوں میں رسولؐ بھیجا جو ان سے ہے یا تمہاری طرف رسولؐ بھیجا جو تم میں سے ہے یعنی تمہاری قوم و قبیلہ سے ہے یا تمہارے ملک و وطن سے ہے۔

بہرکیف تمام اُمت کو رسولؐ اور اولی الامر کی طرف رُجوع کی دعوت دی گئی ہے اور اولی الامر کے استنباط کی خدا نے

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
پس جہاد کیجئے اللہ کی راہ میں آپ مکلف نہیں مگر اپنے نفس کے لئے اور ترغیب
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ
دیجئے مومنوں کو یقیناً اللہ روک دے گا شدت ان کی جو کافر ہیں اور اللہ
اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾
سخت گیر اور سخت سزا دینے والا ہے

مدح فرمائی ہے اور جناب رسالتمآبؐ نے حدیث ثقلین اور دوسری متعدد احادیث میں فرمایا ہے کہ قرآن اہلبیتؑ کے ساتھ ہیں اسی طرح علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے لہٰذا قرآن فہمی کے لئے بھی اولی الامر کے دروازہ پر جھکنا واجب اور ضروری ہے اور اس کے بغیر امتِ اسلامیہ کبھی اسلامی تعلیمات سے کما حقہٗ بہرہ ور نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں احادیث بکثرت وارد ہیں اور یہاں ان کا جمع کرنا باعث طول ہے اور جو کچھ نقل کی گئی ہیں ساہلِ انصاف کے لئے وہی کافی ہیں اور صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ فضل سے مراد رسولِ خدا اور رحمت سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔

فَقَاتِلْ۔ یہ خطاب صرف جناب رسالتمآبؐ کے لئے ہے اور مجمع البیان میں اس کے ارتباط کیلئے دو قول منقول ہیں۔ پہلے چونکہ گذر چکا ہے کہ جو راہِ خدا میں جہاد کرے گا خواہ قتل ہو جائے یا فتح مند ہو کر آئے۔ دونوں صورتوں میں اس کے لئے اجرِ عظیم ہے پس اس کا ربط اسی سے ہے یا یہ کہ پہلے فرمایا تھا ان کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ راہِ خدا میں جہاد نہیں کرتے پس یہ آیت اسی سے مربوط ہے لیکن جب جمع قرآن مجید میں ترتیب آیات کا لحاظ ہی نہیں اور نیز آیاتِ قرآنیہ بھی الگ الگ مواقع پر اترا کرتی تھیں تو خواہ مخواہ ہر آیت کے لئے پچھلی آیت سے ربط تلاش کرنا فضول دماغ سوزی ہے۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیتِ مجیدہ میں جناب رسالتمآبؐ کو ایسا حکم دیا گیا ہے جو مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیا گیا۔ اور وہ یہ کہ تنہا جنگ کرو اگرچہ ساتھی کوئی بھی نہ ہو اسی بنا پر ان کو حق بھی اپنے برابر دے دیا چنانچہ اپنے حق میں نیکی کرنے والے کے لئے فرمایا ایک کے بدلہ میں دس دوں گا۔ پس رسولؐ کے حق میں نیکی کرنے والے کے لئے بھی دس گنا ثواب مقرر فرمایا چنانچہ رسولؐ پر درود بھیجنے والے کے لئے ایک دفعہ درود کا بدلہ دس نیکیاں ہیں۔

مَنۡ يَّشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنۡ لَّهٗ نَصِيۡبٌ مِّنۡهَا ۚ وَمَنۡ يَّشۡفَعۡ

جو سفارش کرے اچھی سفارش تو ہوگا اس کے لئے حصہ اس (کے اجر) سے اور جو سفارش کرے

شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنۡ لَّهٗ كِفۡلٌ مِّنۡهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ

بری سفارش تو ہوگا اس کے لئے گناہ اس سے اور ہے اللہ ہر چیز پر نگران یا

مُّقِيۡتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا ؕ

قادر اور جب تمہیں سلام دیا جائے تو جواب سلام اس سے اچھا کرکے دو یا وہی پلٹا دو

مَنۡ يَّشۡفَعۡ ۔ اچھی اور بُری سفارش کا معیار یہ ہے کہ ہر وہ کام جو شریعت مقدسہ میں جائز ہے اس کی سفارش اچھی اور ہر وہ کام جس سے شریعت نے منع کیا ہے اس کے متعلق سفارش بُری اور ناجائز ہے پس جو شخص کسی مومن کی جائز کام میں سفارش کرے خواہ اس کا کام ہو یا نہ ہو اس کو ہر صورت میں ثواب ملے گا اور جو شخص برائی میں کسی کی سفارش کرے گا تو جس طرح وہ گنہگار ہوگا یہ بھی گنہگار ہوگا اور بعضوں نے اس جگہ سفارش سے مراد دُعا لی ہے یعنی جو شخص امورِ خیر میں مومن کے حق میں دعا مانگے گا اس کو بھی اس سے حصہ دیا جائے گا اور جو شخص مومن کے لئے بُری سفارش کرے گا یعنی اس کے لئے بددُعا کرے گا تو وُہ خود اس کے وبال میں گرفتار ہوگا ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جو شخص دو مومنوں کے درمیان صُلح کرائے گا اور ایک کی دوسرے کی طرف سفارش کرکے ان کے رنج کو دُور کرے گا اس کے لئے ثواب ہے اور جو چغلی لے کر ایک مومن کو دوسرے سے متنفر کرے گا وُہ گنہگار ہوگا ۔ نیز اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہ ہوگا ۔ بہرکیف آیت مجیدہ کے الفاظ عام ہیں سب معانی مراد لئے جا سکتے ہیں ۔

تفسیر صافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے حق میں دُعائے خیر کرے تو مقبول ہوتی ہے اور فرشتے دُعا کرنے والے کو اس سے دوچند کی خوشخبری دیتے ہیں ۔

سلام اور جواب سلام

وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ ۔ خداوند کریم نے مسلمانوں کو اتحاد و یگانگت کا درس دیتے ہوئے ان کو باہمی میل جول کے طریقے تعلیم فرمائے ہیں کہ جب مسلمان و مومن ایک دوسرے سے ملیں تو پہلے سلام و جواب سلام ہو نیز جب ایک مومن دوسرے مومن کو سلام دے تو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

تحقیق اللہ ہر شے کا بدلہ دینے والا ہے اللہ! نہیں کوئی معبود مگر وہی ضرور جمع کرے گا

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾

تمہیں بروزِ قیامت اس میں کوئی شک نہیں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں

دوسرے کو اس سے اچھا جواب دینا چاہیئے ورنہ کم از کم اس جیسا جواب تو ضروری ہے مثلاً جب ایک کہے السلام علیکم تو جواب میں کہا جائے وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ اور جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ جب اہل کتاب تمہیں سلام دیں تو اُن کے جواب میں علیکم کہہ دو اس سے آگے نہ پڑھو (یعنی اچھا جواب دینا یا اس جیسا جواب دینا صرف مومن کے لئے ہے۔

مسئلہ ۔ سلام دینا مستحب ہے لیکن جواب سلام واجب ہے کیونکہ اس کے متعلق امر وارد ہے اور اگر کافی آدمی موجود ہوں تو جواب سلام واجب کفائی ہوتا ہے یعنی ان میں سے اگر ایک شخص جواب سلام دے دے تو باقیوں سے وجوب ساقط ہے لیکن اگر ایک شخص کو خاص طور پر سلام کہے تو اس کے لئے جواب دینا واجب ہو جاتا ہے۔

مسئلہ :۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے کو کسی نے سلام کہا تو نمازی پر انہی لفظوں میں اس کا جواب واجب ہوا کرتا ہے۔

مجمع البیان میں صادقین علیہما السلام سے مروی ہے کہ تحیۃ سے مراد عام ہے خواہ سلام ہو یا کوئی اور نیکی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی مومن دوسرے کے ساتھ کوئی نیکی کرے تو اس کے لئے اس کے جواب میں اس سے بڑھ کر نیکی کرنی چاہیئے ورنہ کم از کم اس جیسی تو ضرور کرے۔

(۲) برہان میں کافی سے منقول ہے جناب رسالتمآب نے فرمایا اگر کوئی شخص سلام کہے بغیر کوئی بات کرے تو اس کا جواب نہ دو بلکہ پہلے سلام اور پھر کلام کرو۔

(۳) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حدیث قدسی میں ارشاد خداوندی ہے کہ بخیل وہ انسان ہے۔ جو سلام میں بخل کرے

(۴) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ سلام کہنے والے کو بآواز بلند سلام کہنا چاہیئے تاکہ وہ سُن لے پھر اسے یہ کہنے کا موقعہ نہ ملے کہ میں نے سلام دیا اور جواب نہیں ملا گیا اسی طرح جواب سلام کہنے والے کو بھی آوازِ بلند سے جواب دینا چاہیئے تاکہ سلام دینے والے کو شکوہ کا موقعہ نہ ملے اور فرمایا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ نہ خود غصہ کرو اور نہ کسی کو غصہ میں لاؤ ۔ سلام کو عام کرو ۔ کلام پاکیزہ کرو اور نماز شب پڑھو۔ جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

پس سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو گے۔

(۵) امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص صرف السلام علیکم کہے اس کے لئے دس نیکیوں کا ثواب ہے اور جو السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہے اس کے لئے بیس نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے اور جو السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ کہے اس کے لئے تیس نیکیوں کا ثواب ہوتا ہے۔

(۶) تفسیر مجمع البیان میں ہے ایک شخص جناب رسالتمآبؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم تو آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ، پھر دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم و رحمۃ اللہ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ پھر تیسرا شخص وارد ہوا تو اس نے کہا السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ پس لوگوں نے دریافت کیا حضورؐ پہلے اور دوسرے سلام کے جواب میں تو آپ نے زیادتی فرمائی لیکن تیسرے کے جواب میں زیادتی نہیں کی اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ تحیہ کی حد یہاں تک ہے اس لئے میں نے اس کو اس کے سلام جیسا جواب دیا ہے۔

(۷) تفسیر برہان میں بروایتِ کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن کو جمع کے صیغے سے جواب دیا جاتا ہے اگرچہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو (۱) جب کوئی شخص چھینک دے تو اس کو کہا جاتا ہے۔ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہ اگرچہ وُہ اکیلا ہی ہو (۲) اگر کوئی سلام دے تو اس کے جواب میں کہا جائے وعلیکم السلام (خواہ تنہا ہی ہو) (۳) جب انسان دوسرے کے لئے دعائیہ کلمہ کہے تو کہنا چاہیے عَافَاکُمُ اللّٰہ اگرچہ وُہ ایک ہی ہو۔ الحدیث

(۸) آپ نے فرمایا سلام کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو سلام دے اور راہ گذر راستہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام دے اور چھوٹی جماعت زیادہ کو سلام دے۔

(۹) آپ نے فرمایا تھوڑے بہتوں کو، سوار پیدل کو خچر سوار، گدھے سوار کو اور گھوڑے سوار خچر سوار کو سلام کہیں۔

(۱۰) نیز فرمایا اگر زیادہ لوگ زیادہ لوگوں پر سے گذریں تو گذرنے والوں میں سے صرف ایک کا سلام کہنا کافی ہے۔

(۱۱) فرمایا گھر والے کے لئے سلام کی تکمیل مصافحہ سے اور مسافر کے لئے سلام کی تکمیل معانقہ (گلے لگ کر ملنے) سے ہوتی ہے

(۱۲) فرمایا نماز گذار کو انہی لفظوں میں جواب دینا چاہیے جو سلام دینے والے نے کہے تھے اور نہ کہے وعلیکم السلام چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمار گذرے اور جناب رسالتمآبؐ نماز پڑھ رہے تھے۔ پس عمار نے سلام دیا تو آپ نے انہی لفظوں میں جواب دیا اور نیز بروایتِ تہذیب آپ نے فرمایا نماز کی حالت میں جواب سلام باآواز بلند نہ ... چپکے سے دیدو

(۱۳) بروایت ابن بابویہ آپ نے فرمایا ۔یہود، نصاریٰ ۔مجوس ۔بت پرست ۔ دسترخوانِ شراب پر بیٹھے ہوئے نرد و شطرنج کھیلنے والے ۔مخنث اور شاعر لغو گو پر سلام نہ کہا کرو ۔نیز نمازی پہ بحالتِ نماز سلام نہ کہا کرو کیونکہ سلام دینا سنت ہے اور جواب واجب ہے اور وہ نماز میں پابند ہو چکا ہے ۔اسی طرح سود خور، پیشاب پاخانہ پھرنے والے حمام کرنیوالے

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ

پس کیا ہوگیا تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہوگئے اور خدا نے ان کو ذلیل کیا بوجہ اس کے جو انہوں نے کیا۔

تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

کیا تم چاہتے ہو کہ ہدایت پر لاؤ جن کو گمراہی میں چھوڑا اللہ نے اور جن کو گمراہی میں چھوڑا اللہ نے پس ہرگز نہ پاؤ گے اُن کے لئے کوئی راہ

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

وہ چاہتے ہیں کہ تم کافر بن جاؤ جیسے وہ خود کافر ہوگئے پس برابر ہو جاؤ لہذا ان میں سے نہ بناؤ دوست

اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ

یہانتک کہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں پس اگر پھر جائیں تو پکڑو انہیں اور مار ڈالو

حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

انہیں جہاں بھی پاؤ اور نہ بناؤ ان میں سے دوست اور نہ مددگار

اور اعلانیہ فسق کرنے والوں پر بھی سلام نہ کہو۔

رکوع نمبر۹

فَمَا لَكُمْ۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے شانِ نزول کے متعلق مروی ہے کہ مکہ سے ایک گروہ مدینہ میں آیا اور اظہار اسلام کیا۔ پھر جب واپس مکہ کو گئے تو شرک میں داخل ہوگئے اور وہاں سے مشرکین کا مال و متاع لے کر بغرض تجارت یمامہ کی طرف روانہ ہوئے تو مسلمانوں نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا لیکن ان میں باہمی پھوٹ پڑ گئی۔ بعض کہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان ہیں لہذا ان سے لڑنا ناجائز ہے تب یہ آیت اُتری اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اس شانِ نزول سے آیت کا مطلب واضح ہے اور خدا ان لوگوں کی مذمت فرمارہا ہے جنہوں نے مرتد لوگوں کی طرفداری کی تھی۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ۔ تفسیر برہان میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ اور بعد والی آیت بنی اشجع اور بنی ضمرہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب جناب رسالتمآبؐ جنگ حدیبیہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کا گذر ان کے علاقہ کے نزدیک سے ہوا اور آپ بنی ضمرہ کے ساتھ اس سے پہلے صلح کا معاہدہ کر چکے تھے۔ صحابہ نے بنی ضمرہ سے جنگ کرنے کی خواہش کی اور کہا کہ ممکن ہے یہ لوگ قریش کے معاون بن جائیں۔ لہذا پہلے ان کا معاملہ صاف کر لیا جائے تو آپ نے

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ

مگر وہ جو ملے ہوں ایسی قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو یا تمہارے پاس آئیں

صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ

کہ تنگ دل ہوں تمہارے ساتھ لڑنے سے یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے اور اگر چاہتا اللہ تو مسلط کردیتا

عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ

ان کو تم پر پس پھر وہ لڑتے تم سے پس اگر وہ تم سے کنارہ کریں پھر نہ لڑیں اور پیش کش کریں تمہیں صلح کی۔

فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾

تو نہیں دی اللہ نے تمہیں بھی راہ (جواز ان سے لڑنے کی)

فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ لوگ والدین سے احسان کرنے والے صلہ رحمی کرنے والے اور وفائے عہد کرنے والے ہیں لہذا ان کے ساتھ لڑنا قطعاً موزوں نہیں ہے ان دنوں بنی اشجع کے علاقہ پر قحط سالی تھی اور بنی ضمرہ کا علاقہ آباد تھا۔ اور یہ دونوں قبیلے چونکہ ایک دوسرے کے حلیف تھے لہذا بنی اشجع بنی ضمرہ کے علاقہ میں فروکش تھے جب آپ کو بنی اشجع کا بنی ضمرہ کے ہاں فروکش ہونا معلوم ہوا تو آپ نے بنی اشجع کے ساتھ جنگ کا ارادہ فرمایا (اور غالباً بنی اشجع ہی وہ تھے جو اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگئے تھے جن کا اس سے پہلی آیت میں تذکرہ ہے) تو یہ آیت اتری وَدُّوا الخ کہ وہ تو کافر ہوئے خبردار تم ان سے رواداری کرکے ان جیسے نہ ہوجاؤ اور نہ ان سے دوستانہ تعلقات رکھو جب تک کہ وہ ہجرت کرکے نہ آجائیں اور اگر ایسا نہ کریں تو ان کو پکڑو اور قتل کرو وہ جہاں بھی ملیں۔ اور پھر تاکید کے طور پر فرمایا کہ ان کو دوست یا مددگار نہ سمجھو۔

إِلَّا الَّذِينَ الخ۔ یہ بنی اشجع کا استثناء ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں سے نہ لڑو جن کا تمہارے حلیفوں سے میل ملاپ ہے اور نیز ان لوگوں سے بھی جنگ نہ کرو جو تمہارے لڑنے سے کتراتے ہیں اور اپنی قوم کے ساتھ بھی تمہارے طرفدار نہیں بن کر لڑ سکتے پس وہ اگر تم سے نہ لڑیں اور صلح کی پیش کش کریں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کا حق نہیں ہے۔ آیت مجیدہ کے اترنے کے بعد آپ کا بنی اشجع کے ساتھ لڑائی کا پروگرام خود بخود ختم ہوگیا لیکن حالات حاضرہ کے پیش نظر ادھر بنی اشجع کو خوف تھا کہ چونکہ لشکر اسلام قریب پہنچ چکا ہے کہیں وہ ہم پر دھاوا نہ بول دے اور ادھر مسلمانوں کو اپنے مقام پر خطرہ تھا کہ کہیں وہ ہمیں نقصان نہ پہنچائیں۔ پس بنی اشجع جن کی تعداد سات سو تھی۔ اپنے رئیس مسعود بن رجیلہ کے ہمراہ اس طرف روانہ ہوئے

اور یہ واقعہ ۵ھ ماہ ربیع الاول کا ہے اور حضور نے اسید بن حصین کو تین صحابہ کے ساتھ ان کی طرف روانہ فرمایا کہ وہ کیا چاہتے ہیں تو انہوں نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟ بنی اشجع کے رئیس مسعود بن رجیلہ نے اسید اور اس کے ساتھیوں پر سلام کیا اور کہا کہ ہم حضرت محمدؐ کے ساتھ صلح کی گفتگو کرنا چاہتے ہیں پس اسید نے واپس آکر حقیقت حال بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ لڑائی سے ڈر گئے ہیں لہٰذا صلح پہ آمادہ ہیں بنی اشجع کے سرداروں نے دس بار اونٹ کے جو نرما تھی بطور ہدیہ پیش کئے آپ نے فرمایا حاجت سے پہلے ہدیہ بہترین چیز ہے اور آپ نے دریافت فرمایا کہ اب تم کیا چاہتے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا حضورؐ! ہمارے گھر یہاں سے قریب ہیں ہم اپنی قوم میں تھوڑے آدمی ہیں۔ لہٰذا آپ کے ساتھ لڑنے سے ہم کتراتے ہیں اور نیز اسلام قبول کرکے اور آپ کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے بھی نہیں لڑنا پسند کرتے۔ لہٰذا صلح کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ پس آپ نے اس کا ہدیہ قبول فرمایا اور ان سے صلح کر لی۔ وہ لوگ دن بھر یہیں رہے اور پھر واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ۔ یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے کہ اگر خدا چاہتا تو انہیں غلبہ دے دیتا لیکن اس نے چونکہ تم لوگوں کو غلبہ دیا ہے۔ لہٰذا تمہارا جہاد صرف بربریت اور حیوانیت کا مظاہرہ نہ ہو بلکہ عدل و انصاف اور انسانیت کے اصولوں کے ماتحت ہو۔ پس جو لوگ خود بخود تم سے خوف کھاتے ہوں نہ خود تمہیں چھیڑیں اور نہ کسی کا ساتھ دے کر تمہارے نقصان کے درپے ہوں اور تمہاری طرف پھر دست صلح بھی دراز کریں تو تمہیں ان سے روادار بن کر رہنا چاہیئے۔

رواداری

قرآن مجید نے کس طرح اچھوتے اور نرالے انداز سے مسلمانوں کو کفار سے بھی رواداری کا حکم دیا تاکہ انسانی تمدنی زندگی پر امن و پرسکون ہو سکے لیکن نہایت افسوس کا مقام ہے کہ وہ مسلمان جن کو کافروں سے رواداری کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ خود آپس میں دست و گریبان ہیں اور رواداری کی زبانی رٹ لگانے کے باوجود مقام عمل میں خود غرضی اور نفس پرستی کو مقدم کرتے ہوئے ایک دوسرے کا خون چوسنے میں لذت محسوس کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات مصالح وقتیہ کے ماتحت کفار کی طرف تو رواداری کے بہانہ سے دوستی کا ہاتھ بڑھا لیتے ہیں لیکن باہمی جذبۂ محبت و الفت سے بالکل کورے ہوتے ہوئے اپنے مسلک و ہم مشرب افراد کے لئے حسد و کینہ کے ترکش اپنی بغل میں رکھتے ہیں

شیعہ علماء جو محمدؐ و آل محمدؐ کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کا ببانگ دہل دعویٰ رکھتے ہیں۔ میں نے دیکھا ان میں سے بعض نام نہاد دوسروں سے بعض اوقات رواداری اختیار کر لینے میں تو جھجک محسوس نہیں کرتے لیکن اپنوں کو نشانہ تنقید بنا کر اپنی برتری کا الو سیدھا کرنے میں خدمت دین سمجھتے ہیں چنانچہ شیخ المتالہین علامہ شیخ احمد ابن زین الدین احسائی اعلی اللہ مقامہ اسی قسم کے نام نہاد مفاد پرست بدلگام حاسدین ملاؤں کی ناجائز تنقید کا نشانہ بنے حالانکہ ان کی تصانیف انیقہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے دور کے وحید و فرید شیعہ عالم دین تھے جن لوگوں نے ان پر کفر و الحاد کے فتووں کی بارش کی وہ درحقیقت ان کے مطالب علمیہ کی گہرائیوں تک پہنچنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے ان کی تحریریں جس طرح توحید پروردگار کے انمول موتی اپنے دامن میں رکھتی ہیں وہاں محمدؐ و آل محمدؐ کے فضائل و مناقب کا بحر ذخار ان کی قلم کے دہانے سے جاری نظر آتا ہے خداوند کریم ہر مومن کو حسد و کینہ کے موذی امراض سے نجات بخشے

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا

عنقریب پاؤ گے ایک اور گروہ جو چاہتے ہیں کہ تم سے امن میں رہیں اور امن میں رہیں اپنی قوم سے بھی جب بھی

اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا

پھیرے جائیں طرف کفر کے تو وہ پلٹ جاتے ہیں اس میں پس اگر تم سے کنارہ نہ کریں اور نہ پیش کریں تمہیں صلح کی اور نہ روک

اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا

لیں اپنے ہاتھ تو پکڑو انہیں اور مار ڈالو جہاں بھی ان کو پاؤ اور ایسے لوگ کی ہے

لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ع ﴿۹۱﴾

ہم نے تمہارے لئے ان پر حجت ظاہر

دورنگی سے ممانعت

سَتَجِدُوْنَ - تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ ایک قوم ریاکاری کے طریقہ سے مسلمان تھی جب وہ قریش کے پاس جاتی تھی تو وہاں شرک و بت پرستی میں مشغول رہتی تھی ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں سے بھی امن پائیں اور کفار قریش کے شر سے بھی محفوظ رہیں پس خدا نے ان کے اس رویّہ کو ناپسند فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ نعیم بن مسعود اشجعی کے بارے میں اُتری ہے کہ جناب رسالتمآبؐ اور مشرکین کے درمیان وہ دورنگی کی پالیسی پر عامل تھا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت عیینہ بن حصین فزاری کے بارے میں اُتری ہے کہ ان کے علاقہ میں قحط ہُوا تو اُس نے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اجازت لی کہ بطن نخل میں قیام کرے اور اسے ضرر نہ دی جائے اور درحقیقت یہ شخص منافق و ملعون تھا اور جناب رسالتمآبؐ نے اس کو احمق مطاع کا لقب دیا ہوا تھا۔ اور صادقین علیہما السلام سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

اُرْكِسُوْا - اس کا لغوی معنی ہے پلٹ جانا اور اس سے ذلّت یا ہلاکت بھی مراد لی گئی ہے جیسا کہ گذشتہ آیت کا ہم نے ترجمہ کیا ہے

تنبیہ

یہ آیاتِ مجیدہ اگرچہ شانِ نزول کے لحاظ سے بعض موارد کے ساتھ متعلق ہیں لیکن صرف انہی واقعات پر بند نہیں بلکہ تاقیامت ان کا مضمون باقی آیاتِ قرآنیہ کی طرح جاری ہے اور تاقیامت جو بھی اس قسم کے کرتوت کرنے والا ہو وہ شرع کے نزدیک انہی کے حکم میں داخل ہے۔ خداوند کریم کو دشمنانِ دین کے ساتھ مومنوں کا دوستانہ تعلق رکھنا قطعاً پسند نہیں اور نہ وہ دورنگی پالیسی کو محبوب رکھتا ہے۔ پس صاحبانِ ایمان کو ان آیات سے درس حاصل کرنا چاہیئے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

اور نہیں جائز مومن کے لئے کہ قتل کرے مومن کو مگر خطا سے اور جو قتل کرے مومن کو خطا سے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ

تو (کفارہ) آزاد کرنا غلام مومن کا اور خون بہا دینا اس (مقتول) کے اہل کو مگر یہ کہ وہ صدقہ (معاف) کر دیں

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَ

پس اگر ہو ایسی قوم سے جو دشمن ہے تمہاری اور ہو بھی مومن تو آزاد کرنا غلام مومن کا اور

اِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

اگر ہو ایسی قوم سے کہ تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو تو خون بہا دینا اس (مقتول) کے اہل کو

وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫

اور آزاد کرنا غلام مومن کا پس جو یہ نہ پائے تو روزے دو ماہ پے در پے رکھے۔

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

تو یہ ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

رکوع نمبر ۱

قتل خطا کا کفارہ

مجمع البیان میں ہے عیاش ابن ابی ربیعہ مخزومی جو ابوجہل کا مادری بھائی تھا اس نے حارث بن یزید عامری کو قتل کر ڈالا تھا اور یہ بھی مسلمان تھا لیکن عیاش کو اس کے اسلام لانے کا علم نہ تھا اور یہ وہ شخص تھا جو مکہ میں ابوجہل کے ساتھ مل کر عیاش کو ایذا پہنچاتا تھا اور اس کے لئے ہجرت سے بھی مانع ہوا تھا پس اسی سابقہ غصہ میں عیاش نے اس کو قتل کیا تھا۔ یہ روایت حضرت باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے آیت کا مضمون عام ہے لہٰذا وہ صرف اسی واقعہ سے مختص نہیں ہے۔

اِلَّا خَطَاءً۔ تفسیر قمی سے مروی ہے کہ یہاں اِلَّا نفی کے معنی میں ہے یعنی مومن کے لئے مومن کا قتل جائز نہیں نہ عمد سے اور نہ خطا سے اور خطا کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور چیز کو نشانہ بنا کر مارنے لگے اور اتفاق سے کسی مومن کو لگ جائے

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ

اور جو قتل کرے مومن کو عمداً تو اس کی جزا جہنم ہے کہ ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضب اللہ کا ہے

عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اس پر اور اس کی لعنت اور اس کے لئے اس نے تیار کیا ہے عذاب دردناک

اور وہ مرجائے اور عمد کا مطلب یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایک شخص کو نشانہ بنا کر اس پر پتھر یا ڈنڈا یا بندوق و پستول وغیرہ سے حملہ کیا جائے اور وہ مرجائے۔

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ۔ چونکہ قتل میں حق اللہ اور حق الناس دونوں شامل ہیں حق اللہ اس لئے کہ اس نے اللہ کی نافرمانی کی یا اللہ کی مخلوق میں سے ایک کے بے گناہ قتل کا موجب ہوا ہے اور حق الناس کا ہونا تو صاف ظاہر ہے پس حق اللہ کے بدلہ میں غلام آزاد کرے جو بالغ اور مسلمان ہو اور حق الناس کے بدلہ میں مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے۔

وَدِيَةٌ۔ خون بہا کے متعلق تفسیر برہان میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے قتل خطا کا کفارہ فرمایا ایک سو اونٹ یا ایک ہزار بھیڑ بکری یا دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار اگر خون بہا اونٹ دے تو ۲۵ بنت مخاض (دوسرے سال میں داخل مادہ شتر) ۲۵ بنت لبون (تیسرے سال میں داخل مادہ شتر) ۲۵ حقے (چوتھے سال میں داخل) اور ۲۵ جذعے (پانچویں سال میں داخل) دے اور اگر ایسی خطاء ہو جو عمد سے مشابہت رکھتی ہو یعنی کسی کو ڈنڈا یا پتھر وغیرہ مارے جس میں اس کے قتل کی نیت نہ ہو لیکن وہ اس ضرب کی تاب نہ لاکر جاں بحق ہو جائے تو اس کا خون بہا بھی ایک سو اونٹ ہو گا لیکن پہلے سے سخت اور وہ اس تفصیل سے ہے کہ ۳۳ حقے (چار سالے) ۳۳ جذعے (پنج سالے) اور ۳۴ ثنیے یعنی چھ سالے دے اور بعض روایات میں قتل خطاء کا کفارہ ۲۰ بنت مخاض ۲۰ ابن لبون ۳۰ بنت لبون اور ۳۰ حقے ذکر کئے گئے ہیں۔

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ الخ۔ اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمہارے ایمانی دشمن ہیں یعنی کافر حربی ہیں۔ اور وہ شخص ان میں مومن ہو لیکن تمہیں اس کا مومن ہونا معلوم نہ ہو پس وہ تمہارے ہاتھوں مارا جائے تو اس کا کفارہ صرف غلام مومن کا آزاد کرنا ہے اور خون بہا اس لئے نہیں ہے کہ یہ بمنزلہ مقتول کی وراثت کے ہے جو اس کے وارثوں میں تقسیم ہو گی اور مقتول کے ورثاء میں کافر اور کافر مومن کا وارث نہیں ہو سکتا۔

وَاِنْ كَانَ الخ۔ اور اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہے جو ہیں تو غیر مومن یعنی کافر لیکن ان کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے یعنی وہ کافر ذمی ہیں تو ایسی صورت میں اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا اور خون بہا دونوں ہوں گے لیکن علماء امامیہ

کے نزدیک خون بہا صرف اس کے مسلمان ورثا میں ہی تقسیم ہوگا۔

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ۔ جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا غلام نہ مل سکتا ہو تو وہ اس کے بدلہ میں دو ماہ پے در پے روزے رکھے۔

تفسیر برہان میں بروایت سماعتہ بن مہران حضرت امام جعفر صادق یا امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے میں نے پوچھا کہ کیا مومن کے قاتل کے لئے توبہ بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں! مگر یہ کہ خون بہا ادا کرے اور کفارہ دے اور پھر استغفار اور زاری کرتا رہے امید ہے ایسا کرنے سے اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ میں نے دریافت کیا۔ اگر خون بہا ادا کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر؟ آپ نے فرمایا مسلمانوں سے بھیک مانگ کر ادا کرے۔ صافی میں کافی سے مروی ہے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا جس پر دو ماہ پے در پے روزے واجب ہوں۔ تو اگر پہلے ماہ میں اسے کوئی بیماری لاحق ہو جائے جس کی وجہ سے اُسے افطار کرنا پڑ جائے۔ تو وہ صرف باقی ماندہ روزے رکھے گا۔

وَمَنْ یَّقْتُلْ۔ تفسیر صافی اور برہان میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ کیا جان بوجھ کر مومن کو قتل کرنے والے کے لئے توبہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر اس کو اس لئے قتل کیا گیا ہے کہ چونکہ مومن ہے تو اس کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے اور اگر کسی اور غصے یا کسی دنیاوی معاملہ کے جھگڑے سے قتل کیا ہے تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اس کو اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے اور اگر مقتول کے وارثوں کو علم نہ ہو تو یہ خود ان کے پیش ہو جائے اور قتل کا اقرار کرے اگر وہ چاہیں تو قتل کر دیں اور اگر چاہیں تو خون بہا لے کر چھوڑ دیں۔ لیکن اس صورت میں خون بہا کے علاوہ اس کا کفارہ غلام آزاد کرنا اور دو ماہ پے در پے روزے رکھنا اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے بعض روایات میں ہے کہ مومن کا قاتل توبہ کی توفیق ہی نہیں پا سکتا۔

چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ اگر تمام آسمان و زمین کی مخلوق مل کر ایک مومن کے قتل میں شریک ہوگی تو خدا سب کو جہنم میں داخل کرے گا اور پہلے ایک روایت گذر چکی ہے کہ اگر مومن کو اس کے ایمان کے لئے قتل کرے تو اس کے لئے کوئی بخشش کی صورت نہیں یا کسی دنیاوی غصہ کے لئے قتل کرے لیکن بعد میں اس سے توبہ نہ کرے تب بھی اس کی جزا دائمی جہنم ہے لیکن اگر توبہ کرے یعنی اپنے آپ کو قصاص کے لئے پیش کر دے اور اگر ورثاء مقتول قصاص معاف کر دیں تو خون بہا اور کفارہ ادا کرے اور اللہ کے سامنے عاجزی و زاری سے استغفار کرے تو اس کے لئے بخشش کی اُمید ہے اور یہ واضح رہے کہ اگر وارث خون بہا بھی قاتل سے معاف کر دیں تو کفارہ پھر بھی ساقط نہ ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا
اے ایمان والو! جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرو اور نہ کہو جو شخص
لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
تمہیں سلام دے کہ تو مومن نہیں چاہتے ہو فائدہ زندگی دنیا کا
فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ
تو اللہ کے پاس غنیمتیں بہت ہیں یہی حالت تمہاری پہلے تھی پس احسان کیا
اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾
تم پر اللہ نے پس تحقیق کرو تحقیق اللہ ہے تمہارے اعمال سے آگاہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ۔ تفسیر صافی و برہان میں قمی سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ فتح خیبر سے واپس آئے تو اسامہ بن زید کو کچھ فوج دے کر اطراف فدک میں بعض یہود کی طرف روانہ فرمایا تاکہ ان کو اسلام کی دعوت دے فدک کا ایک یہودی جس کا نام مرداس تھا جب اس کو معلوم ہوا تو اس نے اپنا مال اور بال بچے جمع کر کے پہاڑ کے دامن میں قیام کیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کر لیا ۔ جب اسامہ کا وہاں سے گذر ہوا تو اس نے ایک نیزہ کی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا اور واپس جناب رسالتمآبؐ کو اس کی اطلاع دی ۔ آپ ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تو نے ایک کلمہ گو کو قتل کر دیا ہے ۔ تو اسامہ نے جواب دیا کہ حضور! وہ ڈر کے مارے ایسا کہہ رہا تھا ۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا ؟ نہ تو نے اس کی زبان پر اعتماد کیا اور نہ تو اس کے دل کی بات معلوم کر سکا (اور بے گناہ قتل کر دیا) پس اسامہ نے قسم کھائی کہ آئندہ کسی کلمہ گو کو قتل نہ کروں گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس نے اسلام کے اظہار کے ساتھ ان کو سلام بھی دیا تھا اور قرآن مجید اسی کی حکایت فرما رہا ہے جب حضرت امیر المومنینؑ کو لڑائیاں درپیش آئیں تو اسامہ نے اپنی قسم کا عذر پیش کر کے علیحدگی اختیار کی تھی ۔ محدث فیضؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسامہ کے نفاق کا پتہ دیتی ہے جبھی تو حضرت علیؑ سے علیحدہ رہا اور علامہ طبرسی بھی فرماتے ہیں کہ اسامہ کا یہ عذر ناقابل قبول ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ امام کی اطاعت واجب ہے جبکہ رسول خداؐ سے سن چکا تھا حَرْبُكَ يَا عَلِيُّ حَرْبِي وَسِلْمُكَ سِلْمِي ۔ اے علیؑ تیری جنگ میری جنگ اور تیری صلح میری صلح ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي

نہیں برابر بیٹھ رہنے والے مومن جو بڑی تکلیف نہیں رکھتے اور جہاد کرنے والے

سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ

راہِ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے فضیلت دی اللہ نے اپنے مالوں اور

وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ

جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بلحاظ درجہ کے اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے جنت کا اور فضیلت دی اللہ

الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجَاتٍ مِنْهُ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً

نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں درجات ہیں اس سے اور بخشش اور رحمت ہے

لَا يَسْتَوِي۔ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں جو لوگ شریکِ سفرِ رسالت نہ ہوئے تھے یہ ان کے بارے میں ہے۔ اور عبداللہ بن امّ مکتوم جو کہ نابینا تھا اس کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ جب مجاہدوں کی غیر مجاہدوں پر فضیلت بیان ہوئی تو عبداللہ بن امّ مکتوم نے بارگاہِ رسالت میں اپنی معذوری اور محرومی کا رونا رویا تو وحی نازل ہوئی اور یہ آیت اُتری۔ (ملخصًا از تفسیر مجمع البیان)

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں فرماتا ہے خدا نے مجاہدین کو غیر مجاہدین پر فضیلت دی ہے اور دوسری آیت میں فرمایا مجاہدین کو غیر مجاہدین پر درجات کی فضیلت ہے کیونکہ لفظ درجات اجراً عظیما سے بدل ہے تو کلام میں تہافت اور اختلاف معلوم ہوتا ہے تو اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں (۱) پہلے مقام پر جہاں مجاہدین کا غیر مجاہدین سے تقابل کیا گیا وہاں غیر مجاہدین سے مراد وہ تھے جو صاحبانِ ضرر ہوں مثلاً ابن امّ مکتوم جیسے نابینے اور اسی لئے فرمایا ان سب کے لئے خدا کا جنّت کا وعدہ ہے کیونکہ حسنٰی سے مراد ہے جنّت البتہ درجہ میں فرق ہے اور جہاں دوسرا تقابل ہے اس میں مراد غیر مجاہدین سے وہ لوگ ہیں جو بلا عذر پیچھے رہتے تھے اور ان کا رہنا نافرمانی سے نہ تھا بلکہ ان کی ضرورت نہ سمجھی گئی تھی جبھی تو جنّت کے وعدہ میں وہ بھی شریک ہیں۔

(۲) نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ پہلی جگہ مجاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو دشمنانِ دین کے ساتھ جان و مال سے جہاد کریں اور دوسری جگہ مجاہدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس کی خواہشات سے جہاد کریں جو کہ جہاد اکبر ہے اور شاید اسی لئے پہلے مقام پر مجاہدین کے ساتھ جان و مال کے الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں اور دوسرے مقام پر یہ قید نہیں لگائی گئی اور اس میں شک نہیں کہ جہادِ نفس ظاہری جہاد سے اکبر ہے اور اس کا درجہ بلند تر ہے کیونکہ جہاد ظاہری اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب جہادِ نفس میں انسان کسی حد تک فتح مند ہو چکا ہو (۳) ممکن ہے ہر دو مقام پر جہاد ظاہری مراد ہو اور

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ أَنْفُسِهِمْ

اور ہے اللہ غفور و رحیم تحقیق جن لوگوں کی جان لے لیتے ہیں فرشتے درحالیکہ وہ اپنے نفسوں پر

قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوْٓا أَلَمْ

ظلم کرنے والے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ تم کہاں تھے؟ تو کہتے ہیں ہم کمزور تھے زمین میں کہتے ہیں کیا نہ تھی

تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ

خدا کی زمین وسیع کہ ہجرت کر جاتے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

جہنم ہے اور بُری بازگشت ہے مگر وہ کمزور مردوں اور

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾

عورتوں اور بچوں سے جو نہ طاقت رکھتے ہوں حیلے کی اور نہ پا سکتے ہوں کوئی راستہ

فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾

تو ایسے لوگ یقیناً اللہ بخش دے گا ان کو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

مجاہدین میں تفاوت درجات کو بیان کیا گیا ہو کیونکہ مجاہدین کا آپس میں بھی تو زمین و آسمان کا فرق ہوا کرتا ہے (ملخص از تفاسیر)

رکوع نمبر ۱۱

ہجرت کا حکم:۔ اِنَّ الَّذِیْنَ ۔ جو لوگ جناب رسالتمآب کی نصرت نہ کر سکے ان کی مرنے کے بعد یہ حالت ہوگی کہ ملائکہ پوچھیں گے کہ تم نے حضورؐ کی مدد کیوں نہ کی اور تم کہاں تھے؟ تو یہ لوگ کہیں گے ہم بے طاقت تھے مشرکین اور دشمنانِ دین کا زور تھا ہم ان کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتے تھے لہٰذا معذور تھے تو فرشتے جواب میں کہیں گے کیا تمہارے لئے زمین خدا تنگ تھی تم ہجرت کر کے چلے کیوں نہ گئے؟ پس ایسے تارکینِ ہجرت کے لئے عذاب جہنم ہے پھر استثناء فرماتے ہوئے ارشاد ہے۔ البتہ بوڑھے مرد، بوڑھی عورتیں اور خورد سال بچے جو نہ اپنی حفاظت کر سکتے ہوں اور نہ ہجرت پر قدرت رکھتے ہوں۔ ان کا عذر مقبول ہے حضرت ابن عباس کہتے ہیں میرا باپ بوڑھے مردوں اور میری والدہ بوڑھی عورتوں اور میں خود بچوں میں داخل تھا۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ

اور جو ہجرت کر جائے | اللہ کی | راہ میں | پائے گا | زمین میں | جگہ | زیادہ | اور | کشادگی

تفسیر برہان میں ہے کہ مستضعف کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ وہ وہ ہے جو کفر سے بچاؤ کا کوئی حیلہ نہ رکھتا ہو اور ایمان پر آنے کے لئے اس کے پاس کوئی راہ نہ ہو پس نہ ایمان لاسکتا ہو اور نہ کفر کرتا ہو۔ آپ نے فرمایا بچے اور مردوں اور عورتوں میں سے بچوں کی سی عقلوں والے اسی حکم میں داخل ہیں۔ ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے لوگ نہ مومن ہیں اور نہ کافر البتہ یہ لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں

اسمٰعیل جعفی کہتا ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا۔ دین کی ضروری حدود کیا ہیں جن کی جہالت ناقابل معافی ہے آپ نے فرمایا اس کی حدیں وسیع ہیں۔ ہاں خوارج نے اپنی جہالت سے اپنے اُوپر دین کا دائرہ تنگ کر دیا ہے۔ میں نے عرض کی حضور! میرا دین سن لیجئے۔ آپ نے فرمایا ہاں بیان کر۔ تو میں نے شہادتین کا کلمہ پڑھا اور کہا کہ جو کچھ رسولؐ لائے مانتا ہوں۔ تمہاری ولا رکھتا ہوں اور تمہارے دشمنوں سے بیزار ہوں اور تمام ان لوگوں سے جو ناحق تم پر مسلط ہوئے اور تمہارے حقوق کے غاصب ہوئے ان سے بھی بیزار ہوں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تو جاہل نہیں۔ واللہ ہمارا دین یہی ہے۔ میں نے عرض کی جو شخص یہ معرفت نہ رکھتا ہو وہ بچ سکے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ البتہ مستضعف لوگ میں نے دریافت کیا وہ کون ہیں؟ فرمایا تمہاری عورتیں اور بچے۔ پھر فرمایا میں ام ایمن کے متعلق بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اہل جنت سے تھی حالانکہ تمہاری معرفت جیسی اس کی معرفت نہ تھی۔ ایک روایت میں آپ نے فرمایا۔ جس شخص کو لوگوں کے دینی اختلاف کا علم ہو جائے اسے مستضعف نہیں کہا جا سکتا اور آپ نے مستضعف کی تعریف میں فرمایا وہ وہ ہے جو ہماری عداوت کی طرف بھی حیلہ نہ رکھتا ہو اور حق کی راہ تک بھی نہ پہنچ سکتا ہو۔ ایسے لوگ اپنی نیک عمالیوں کی بدولت جنتی ہوں گے جبکہ برائیوں سے بچتے ہوں۔ ہاں ابرار کے درجات ان کو نہ مل سکیں گے۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا۔ مستضعف وہ عورتیں ہیں جن کو نماز پڑھنے کا حکم دو تو پڑھیں۔ ورنہ از خود ان میں اتنی سوچ نہ ہو۔ اسی طرح گھر کے خادم اور کنیزیں اور بڑی عمر والے لوگ اور خورد سال بچے۔ یہ لوگ ہیں مستضعف۔ لیکن وہ موٹی گردنوں والے جو از خود خرید و فروخت کر سکتے ہوں اور خوب جھگڑ جھگڑ کر سودا کرتے ہوں اور تمہاری امداد سے بے نیاز ہوں۔ ایسے لوگ مستضعف نہیں اور بالکل نہیں۔ ایک روایت میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا بچوں کی عقلوں والے مرد اور عورتیں مرفوع القلم ہوتے ہیں۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ۔ تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے جو شخص اپنے دین کی حفاظت کیلئے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف ایک بالشت بھی جائے گا تو اس کے لئے جنت ضروری ہے۔ مجمع البیان میں عیاشی

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

اور جو نکلے اپنے گھر سے مہاجر بن کر طرف خدا اور رسولؐ کے پھر پالے اس کو موت

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾ ع وَاِذَا ضَرَبْتُمْ

تو تحقیق ثابت ہوگیا اس کا اجر اللہ پہ اور ہے اللہ غفورؐ رحیم اور جب سفر کرو

فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ ق اِنْ

زمین میں تو نہیں گناہ تم پہ کہ قصر کرو نماز سے اگر تمہیں

خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا

ڈر ہو کہ تکلیف دیں گے تمہیں وہ لوگ جو کافر ہیں تحقیق کافر لوگ تمہارے ظاہر بظاہر

سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد زرارہ نے اپنے بیٹے کو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق دریافت کے لئے بھیجا لیکن زرارہ کا بیٹا عبید ابھی خبر لے کر واپس نہ پہنچا تھا کہ زرارہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد جب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا زرارہ قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق ہے

اس زمانہ میں بھی جہاں مومن اپنے شعائرِ ایمانی کو قائم نہ رکھ سکتے ہوں تو یہ آیت ان کو اب بھی ہجرت کی دعوت دے رہی ہے اور اسی کے ماتحت علماء فرماتے ہیں کہ جس شہر میں ایک عالم دین موجود نہ ہو جس سے دین حاصل کیا جائے تو اس شہر کو چھوڑ کر وہاں سے ہجرت کر جانا واجب ہے۔

رکوع نمبر ۱۲

نمازِ قصر کا بیان - وَاِذَا ضَرَبْتُمْ - یعنی جب سفر کے لئے گھر سے نکلو تو نماز قصر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مذہب اہلبیت علیہم السلام یہ ہے کہ سفر کی نماز قصر ہوا کرتی ہے اور ہر چار رکعتی نماز دو دو رکعت پڑھی جاتی ہے لیکن نماز صبح اور نماز مغرب میں قصر نہیں ہے۔

آیت مجیدہ کا ظاہر یہ بتلاتا ہے کہ وہ سفر جس میں دشمن کا خوف ہو اس میں نمازِ قصر پڑھی جائے۔ لیکن چونکہ صرف خوف بھی نماز قصر کا موجب ہوا کرتا ہے اور نمازِ خوف گھر میں بھی قصر پڑھی جاسکتی ہے اسی طرح خوف کے بغیر صرف سفر بھی قصر کا موجب ہے جیسا کہ اجماع امتِ اسلامیہ اس کی دلیل ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز قصر کے لئے سفر یا خوف میں سے صرف ایک ہی کافی ہے اور دونو کا پایا جانا شرطِ قصر نہیں۔ لیکن آیتِ مجیدہ کے ظاہری الفاظ یہ اشتباہ ڈالتے ہیں کہ شاید قصر کے لئے دونوں چیزوں کی شرط ہو یعنی خوف بھی ہو۔ اور

سفر بھی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب کے عام سفر خوف و خطر سے خالی نہیں ہوتے تھے اور اسی طرح عام طور پر خوف کا محل صرف سفر ہی ہوا کرتا ہے۔ تو اذہانِ عامہ کے نزدیک سفر اور خوف میں یک گونہ تلازم ہی تھا۔ ورنہ درحقیقت سفر اور خوف میں کوئی تلازم نہیں کیونکہ جس طرح سفر بلا خوف ہو سکتا ہے اسی طرح خوف بھی بغیر سفر کے ہو سکتا ہے پس آیت مجیدہ میں اس زمانہ کے سفر اور خوف کی عمومی نسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں کو یکجا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ورنہ نمازِ قصر کے لئے سفر اور خوف میں سے صرف ایک کافی ہے۔ یہاں بھی نمازِ قصر کا بیان ہے اور سفر کے بعد خوف کا ذکر صرف اتفاقِ غالب کی بنا پر ہے نہ بطورِ شرط کے۔ جس طرح اگر اسے نمازِ خوف کا بیان سمجھا جائے تو سفر کا ذکر عمومی اتفاق کے ماتحت ہوگا۔ نہ کہ بعنوانِ شرط۔ واللہ اعلم

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔ تفسیر مجمع البیان میں زرارہ اور محمد بن مسلم سے مروی ہے کہ ہم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نمازِ سفر کے متعلق پوچھا کہ کس طرح ہے اور کس قدر ہے؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ نمازِ قصر پڑھنا سفر میں واجب ہے جس طرح کہ گھر میں نماز تمام واجب ہوا کرتی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے دریافت کیا حضورؑ! خدا تو فرماتا ہے تم پر ایسا کرنے میں گناہ نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ قصر پڑھو تو گناہ نہیں۔ یعنی جائز ہے اور اس کا خلاف کرنا بھی جائز ہے۔ خدا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ خواہ مخواہ قصر ہی پڑھو۔ پس نمازِ قصر واجب کہاں سے ہوگئی؟ آپ نے فرمایا صفا و مروہ کا طواف سات چکر حاجیوں پر واجب ہیں۔ حالانکہ خدا نے وہاں بھی اسی قسم کی تعبیر فرمائی کہ ان کے طواف کرنے میں گناہ نہیں پس نمازِ قصر کا حکم بھی ویسے ہی ہے اور جناب رسالتمآبؐ نے ایسا ہی کیا ہے۔ پھر سوال کیا۔ آیا کوئی شخص جس نے سفر میں نماز پوری پڑھی ہو۔ اس کو دوبارہ نمازِ قصر پڑھنی پڑے گی یا وہی کافی ہے؟ تو آپ نے فرمایا اگر اس کے سامنے نمازِ قصر کی آیت پڑھی گئی اور اس کی تفسیر بھی اس کو سنائی گئی تب تو اس پر اعادہ واجب ہے اور اگر اس پر آیت قصر نہیں پڑھی گئی اور اسے یہ حکم معلوم نہیں تھا تو پھر اعادہ نہ ہوگا۔

نمازِ قصر کے لئے شرائط اور احکام ہیں جن کا جاننا ہر مکلف پر ضروری ہے اور مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر ہم مختصر طور پر مناسبت مقام سے یہاں بیان کرتے ہیں۔ تاکہ عوام کے لئے استفادہ میں کمی نہ رہے۔

شرائط نماز قصر

(۱) قصدِ مسافت یعنی آٹھ فرسخ یا اس سے زیادہ مسافت کے سفر کا ارادہ ہو۔ خواہ یہ مسافت یک طرفی ہو یا آمد و رفت کو ملا کر اس قدر ہو جائے جب کہ اس کی واپسی دس دن کے اندر ہو اور اگر تین یا چار دفعہ کے دورے سے مقدار پوری ہوتی ہو تو قصر نہ ہوگی۔

وضاحت ۔ فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور میل ۲ ہزار ذراع کا اور ہر ذراع ۲۴ انگلیوں کا جو آپس میں ملی ہوئی ہوں اور ہر انگلی سات جو کے ملے ہوئے دانوں کے برابر جب کہ انہیں پہلو کے بل کھڑا کر کے ملایا جائے اور جو خچر کے

سات بالوں کی چوڑائی کے برابر ہو۔

مسئلہ:۔ اگر ایک مقصد کی طرف دو یا زیادہ راستے جا رہے ہوں جن میں سے بعض مسافت شرعی سے کم فاصلہ رکھتے ہوں اور بعض کا فاصلہ زیادہ ہو تو جس راستہ سے سفر کرے گا اسی کے حکم کے ماتحت قصر و تمام پر عمل کریگا اور اگر صرف نماز روزہ کی قصر کی خاطر ہی اس نے طولانی راہ کو اختیار کیا تب بھی اس کے لئے قصر کا حکم ہوگا۔

مسئلہ:۔ اپنے شہر سے لے کر تیس یا چالیس میل تک ایک سیرگاہ اور باغ بنا ہوا ہو اور اس نے اس سیرگاہ میں تفریحی طور پر پھرنے کا پروگرام بنا لیا اور پھر چلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ سیرگاہ کے آخری سرے تک پہنچ گیا اور پھر واپس اسی طرح تفریح کرتا ہوا چلا آیا اور گھر پہنچ گیا تو چونکہ اس پر مسافر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سیر و تفریح کے لئے پھر رہا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے قصر بھی نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ اگر مسافت سے کم کی نیت سے نکلا اور پھر بڑھتے بڑھتے مسافتِ شرعی یا اس سے زیادہ تک پہنچ گیا تو جاتے ہوئے قصر نہ ہوگی۔ کیونکہ بیک وقت قصد مسافت نہیں ہوا۔ ہاں جب واپس ہوگا۔ تو چونکہ مسافت پوری ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس پر قصر ہوگی۔

مسئلہ:۔ چونکہ قصد مسافت بنیت سفر ضروری ہے۔ لہٰذا اگر دو شخص ایک دوسرے کے مقابلہ میں دوڑیں اور ان کا مقابلہ چار فرسخ کے سرے تک جانا اور واپس آنا ہو تو چونکہ ان پر عنوان مسافر صادق نہیں آتا۔ لہٰذا ان کے لئے قصر نہ ہوگی۔

(۲) مسافر اثنائے سفر میں کسی ایک جگہ دس دن قیام نہ کرے ورنہ اگر دس دن کے قیام کی نیت کرلے تو پھر قصر نہ رہے گی۔

مسئلہ:۔ اگر دہ روزہ قیام کی نیت کر کے ایک نماز اسی کے ماتحت پوری پڑھ چکے اور پھر ارادہ قیام نہ کرنے کا ہو جائے تو جس قدر نمازیں وہاں روانگی سے پہلے پڑھے گا۔ پوری پڑھے گا اور بخلاف اس کے اگر دس دن سے کم قیام کا ارادہ ہو تو قصر پڑھتا رہے اگرچہ بر کم از کم ارادہ تیس روز تک ہی پہنچ جائے۔ مثلاً ایک جگہ پانچ روز کے قیام کی نیت تھی۔ جب پانچ پورے ہوئے تو پھر پانچ دن قیام کی اور نیت کرلی۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اتفاقاً ایسی صورت پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ ایک ماہ ہو گیا تو اس دوران میں نماز قصر پڑھے گا۔ لیکن جب تیس دن پورے ہو جائیں گے تو اس کے بعد خواہ ایک گھنٹہ بھی رہے گا تو اس وقت میں حاضر نماز کو پورا پڑھے گا۔ کیونکہ تیس دن متردد کی نماز قصر کی آخری حد ہے۔

مسئلہ:۔ اگر قصد مسافت کرے لیکن اثنائے راہ میں اس کا وطن آ جائے تو اگر ابتدائے مسافت سے اس وطن تک اور یہاں سے مقصد تک علیحدہ علیحدہ بھی فاصلہ مسافت شرعی ہے تو سفر کے ہر دو حصوں میں قصر

ہو گی اور وطن اور مقصود میں قصر نہ ہو گی ورنہ سفر کے جس حصہ کا فاصلہ مسافت شرعی ہو گا اسی میں ہی قصر ہو گی۔

مسئلہ: وطن کے صدق کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں ملکیت بھی ہو اور قصد توطن بھی ہو اور بعض صرف توطن کو کافی سمجھتے ہیں لیکن اس مقام پر وہ قاعدہ جس پر قصر کی بنیادوں کو استوار کیا گیا ہے۔ وہ ہے عنوانِ مسافرت پس جس پر لفظ مسافر صادق ہو اس پر قصر واجب ہے اور جس پر مسافر کا عنوان صادق نہیں اُن پر قصر واجب نہیں خواہ اس مقام پر اس کے توطن کی شرائط پوری ہوں یا نہ ہوں۔ پس جب اپنے گھر کو چھوڑ کر سفر میں جائے گا تو نماز قصر پڑھے گا اور اثنائے سفر میں پھر اگر اس کا اپنا ذاتی گھر آجائے تو پھر بجائے مسافر کے گھر والا ہو جائے گا۔ لہذا قصر نہ رہے گی۔ خواہ یہ گھر اس کا خرید کردہ ہو یا پرانا اور اس میں چھ ماہ یا کم وبیش متواتر قیام رہا ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی ملکیت بھی ہو یا نہ ہو لیکن اس جگہ پر یہ صادق آتا ہو کہ یہ فلاں کا گھر ہے اور اس جگہ پر عرفاً اس کو مسافر نہ کہا جاتا ہو۔

مسئلہ: اگر ایک شخص نے متعدد منزلیں بنائی ہوں تو ضروری نہیں کہ وہ سب اس کے گھر شمار ہوں۔ بعض لوگ متعدد شہروں میں مکانات بنوا لیتے ہیں یا خرید کر لیتے ہیں تاکہ دورانِ سفر میں یہاں اگر آسودگی حاصل ہو اور کرایہ پر جگہ تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہو پس کبھی دو دن اور کبھی چار دن اور اس سے کم وبیش ٹھہر کر چلے جاتے ہیں تو ان پر عرفاً گھر اور وطن کا عنوان صادق نہیں آسکتا اور بعض مکانات ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جنہیں رہائش کے لئے خریدا یا بنوایا جاتا ہے اور اس طرح بعض لوگوں کے دو دو یا تین تین گھر بھی ہوتے ہیں۔ پس اگر منزل پہلی قسم کی ہو تو دورانِ سفر میں وہاں پہنچنے سے سفر نہیں منقطع ہوتا اور اگر منزل دوسری قسم کی ہو تو وہاں پہنچتے ہی سفر منقطع ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر ایک شخص نے ایک منزل کو ایک خاص موسم کے لئے بطور گھر و وطن بنایا یا خریدا۔ مثلاً موسم گرما کے لئے کسی پہاڑی علاقہ میں گھر بنایا تو اس منزل پر اس کی وطنیت کا صدق صرف موسم گرما میں ہی ہو گا۔ لہذا اگر یہی شخص دوران سفر میں موسم سرما میں اتفاقاً یا عمداً وہاں پہنچے گا تو قصر کے توڑنے کے لئے صرف وہاں پہنچنا کافی نہ ہو گا کیونکہ وہ جگہ اس کی ذاتی ملکیت کے لحاظ سے اس کی گذرگاہ ہے اور اس کی اس موسم میں وہ قیام گاہ نہیں ہے تاکہ کہا جائے کہ وہ اپنے گھر میں پہنچ گیا۔ پس اس صورت میں اس کی قصر تب ختم ہو گی جب وہ دہ روزہ قیام کرے گا۔

علی بن یقطین سے مروی ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ بستی بستی میں فرسخ دو فرسخ کے فاصلہ پر میری جائیداد اور مکانات موجود ہیں تو آپ نے فرمایا ہر وہ مکان جس کو تو نے گھر و وطن بنایا ہو اس کے علاوہ ہر مکان میں نماز قصر پڑھ لیا کرو۔

(۳) سفر جائز ہو۔ خواہ واجب ہو یا مستحب یا مباح پس اگر سفر حرام ہو گا جیسے ظالم کی ہمراہی کے لئے یا لہو ولعب

کے شکار و تماشہ کے لئے تو نماز قصر نہ ہوگی ۔ یعنی ہر وہ کام جس میں اللہ کی معصیت ہو اس کے لئے سفر کرنا حرام ہے اور اس سفر میں نماز قصر نہ ہوگی۔

مسئلہ:۔ ناجائز سفر پر جاتے ہوئے جس طرح قصر نہ ہوگی ۔ اسی طرح اس سفر سے واپسی بھی قصر کی موجب نہ ہوگی کیونکہ واپسی بھی سفرِ معصیت کا ہی حصہ ہے ۔ ہاں اگر سفرِ معصیت میں جاتے ہوئے یا منزل پر پہنچ کر تائب ہو جائے تو واپسی کا سفر یا کل باقی سفر جائز اور موجبِ قصر ہوگا۔

(۴) سفر پیشہ نہ ہو اور اس عنوان کو بعض علماء نے کثیر السفر اور خانہ بدوش بھی تعبیر کیا ہے اور بعض عبارتوں میں ہے ۔ سفر حضر سے زیادہ نہ ہو ۔ لیکن اس باب کی احادیث سے جہاں تک استفادہ کا تعلق ہے تو صرف دو قسم کے عنوان مستفاد ہوتے ہیں ایک پیشہ سفر ہونا اور دوسرا اپنا گھر اپنے ہمراہ ہونا یعنی خانہ بدوش ہو ۔ ان کے علاوہ کثیر السفر یا سفر کا حضر سے زیادہ ہونے کے عنوان احادیث سے مستفاد نہیں ہوتے ۔ پس اگر پیشہ کے بغیر اتفاقی طور پر متعدد اسفار پے درپے کرنے پڑ جائیں اور کثیر السفر کا عنوان صادق آجائے تب بھی قصر ہوگی اور بخلاف اس کے اگر پیشہ کا سفر ہو تو خواہ کثرت نہ بھی ہو تب بھی قصر نہ ہوگی اور پیشہ سفر اگر مخصوص موسم میں ہو تو صرف اسی موسم میں اس کا سفر موجب قصر نہ ہوگا جو اسی پیشہ کے ماتحت ہو اور باقی موسموں میں اس کے اسفار موجب قصر ہوں گے ۔ اور اسی طرح خانہ بدوش لوگوں کے لئے قصر نہیں ہے اور اس کا خانہ بدوش ہونا بھی اگر کسی موسم سے مختص ہے تو یہ حکم صرف اسی موسم کے لئے ہوگا ۔ اور اگر سارا سال خانہ بدوش ہوں گے تو حکم بھی سارے سال کے لئے ہوگا لیکن اگر یہ لوگ کسی اور سفر کے لئے جائیں جن کا تعلق ان کے پیشے سے نہ ہو مثلاً حج یا زیارت وغیرہ تو ان کے لئے باقی شرائط کے ماتحت قصر ہوگی ۔

مسئلہ:۔ چونکہ پیشہ سفر میں کثرتِ سفر کا عنوان تو معتبر ہے نہیں لہٰذا اس میں پہلے اور دوسرے یا تیسرے سفر کا لحاظ نہیں ہونا چاہیئے لیکن ۔ روایات میں ہے کہ دس دن کے قیام کے بعد کا سفر موجبِ قصر ہوگا ۔ بنا بریں پیشہ ور مسافر کا پہلا سفر قصر کا موجب ہوگا اور اس کے بعد بلحاظ پیشہ اس کی قصر نہ ہوگی لیکن پھر جب دس دن کہیں قیام ہوگا اس کے بعد کا پہلا سفر موجبِ قصر نہ ہوگا ۔ وعلیٰ ہذا القیاس ۔

(۵) حد ترخص سے باہر ہو ۔ اور حدِ ترخص اس مکان کو کہتے ہیں ۔ جہاں سے اس کے شہر کے مکانات نظر نہ آ سکتے ہوں یا اذان نہ سنائی دیتی ہو ۔ لہٰذا جب تک مسافر حد ترخص کے اندر ہوگا اس پر قصر نہ ہوگی ۔ جب اس سے باہر پہنچے گا تو قصر ہوگی اور نماز و روزہ کا حکم اس بارے میں ایک جیسا ہے اور جب سفر سے واپس آئے گا ۔ تب بھی قصر کی آخری حد یہی مقام ہوگا ۔

مسئلہ:۔ مسافتِ شرعی شہر یا محلہ کی آخری حدوں سے شروع ہو کر آٹھ فرسخ یکطرفی یا دو طرفی ہوگی

لیکن قصر کا عمل حدّ ترخص سے شروع ہوگا اور حدّ ترخص پر ختم ہوگا۔

مسئلہ:۔ مسافر کا جس جگہ دس دن قیام کرنے کا ارادہ ہو اور اسی دوران میں وہ مسافت شرعی کے اندر اندر تک ضروری کاروبار کے لئے جاکر اسی روز واپس آجائے تو عرف کے لحاظ سے اس کی یہ آمدورفت دس دن کے قیام میں مخل نہیں لیکن بعض علماء اس کو منافیٔ قیام سمجھتے ہیں بنا بریں احتیاط اسی میں ہے کہ اگر ایک جگہ دس دن کے قیام کا ارادہ ہو اور دو چار دن رہنے کے بعد کسی کام کے لئے باہر چلا جائے بشرطیکہ مسافت شرعی کے فاصلہ سے کم تک ہو اور اسی دن واپس آجائے تو باقی ماندہ مدّت میں قصر اور اتمام کے درمیان جمع کرے اور اگر واپسی کے بعد دوبارہ مستقل دس روز کی علیحدہ نیت کرے تو پھر اتمام ہوگی اور پہلی صورت میں بھی اتمام خالی از قوت نہیں۔

مسئلہ:۔ اگر ایک جگہ پندرہ روزہ قیام کی نیت کر لی ہے۔ دس دن ٹھہرنے کے بعد ایک یا دو دن کے لئے مسافت شرعی سے کم فاصلہ پر کہیں جانا ہے اور پھر واپس آنا ہے اور باقی ماندہ دن قیام کرکے چلا جانا ہے۔ یعنی بعد میں دس روزہ قیام کا ارادہ نہیں ہے تو اس صورت میں جانے اور وہاں ٹھہرنے اور واپس آنے اور باقیماندہ دس دن سے کم قیام کرنے کے زمانہ میں نماز قصر ہی پڑھی جائے گی اور پہلے مسئلہ میں بھی اگر دس روزہ قیام کے دوران میں کہیں شب باشی کے لئے جائے گا تو دس دن کے تسلسل میں چونکہ خلل آجائے گا۔ لہٰذا باقی ایام میں قصر ہوجائے گی اور چونکہ اسی دن کی واپسی عرفاً قیام میں مخل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس مسئلہ میں بھی اگر یہی صورت ہو تو آمدورفت میں اور باقی ایام میں قصر نہ ہوگی اور حسب سابق قصر و اتمام دونوں پڑھنے میں احتیاط ہے۔

مسئلہ:۔ حماد بن عیسٰی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا مسافر کے لئے چار مقامات پر نماز کا پورا پڑھنا۔ اللہ کے مخزون علم میں سے ہے اور وہ مقامات یہ ہیں۔ حرم خدا، حرم رسولؐ، حرم امیرالمومنین اور حرم حسین علیہ السلام (کیونکہ ان مقامات میں نماز قصر اور تمام میں مسافر کو اختیار ہے) ایک اور روایت میں مکّہ۔ مدینہ۔ مسجد کوفہ اور حائر حسینی کے الفاظ ہیں۔

مسئلہ:۔ جو شخص قصر کو نہ جانتے ہوئے نماز پوری پڑھے تو اگرچہ وقت باقی بھی ہو۔ تاہم اس پر قضا نہیں ہے لیکن اگر بھول کر نماز قصر کی بجائے پوری پڑھ بیٹھے تو اگر وقت باقی ہے تو اعادہ لازم ہے۔ ورنہ قضا ضروری نہیں۔

مسئلہ:۔ نماز کا وقت داخل ہوا تو ایک شخص گھر میں موجود تھا اور پھر سفر کو روانہ ہوا تو اب اس پر نماز قصر واجب ہوگی اور بخلاف اس کے اگر سفر سے واپس آئے اور گھر پہنچنے پر ابھی وقت نماز باقی ہو اور پڑھ نہ چکا ہو تو پوری پڑھے گا۔ یعنی وقت ادا کا لحاظ رکھے نہ کہ وقت وجوب کا لیکن اگر یہی نماز قضا ہوجائے تو اس کی حالت قضا کا لحاظ رکھ کر قضا پڑھے گا۔ یعنی پہلی صورت میں قصر اور دوسری صورت میں تمام۔ واللہ اعلم

مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ

دشمن ہیں اور جب آپ ان میں ہوں پس پڑھائیں ان کو نماز تو کھڑا ہو جائے ایک گروہ

مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ

ان کا آپ کے ساتھ (اقتدا میں) اور سنبھالیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کرلیں تو پیچھے ہو جائیں (دشمن کے مقابلہ میں)

وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا

اور آئے گروہ دوسرا جنہوں نے نماز نہیں پڑھی پس وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور سنبھالیں

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار چاہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہیں کہ تم غافل ہو جاؤ اپنے

نماز خوف کا بیان

وَاِذَا كُنْتَ - ان آیات میں چونکہ نماز سفر اور نماز خوف کا حکم بتایا گیا ہے - اور نماز سفر کے متعلق مختصر اور جامع مسائل کا ذکر کر دیا گیا ہے اب نماز خوف کا طریقہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ احادیث میں کمی نہ رہے - تفاسیر میں ہے کہ جب رسالتمآبؐ مکہ کے ارادہ سے حدیبیہ کی طرف روانہ ہوئے تو قریش کو بھی معلوم ہو گیا - پس انہوں نے خالد بن ولید کو ایک سو سوار کے ہمراہ بھیجا تاکہ آنحضرتؐ کی پیشقدمی کو روکے مسلمان مقام عسفان میں اور مشرکین مقام ضجنان میں تھے - نماز ظہر کا وقت آیا - بلال نے اذان کہی اور آپ نے یہ نماز رکوع و سجود کے ساتھ پڑھائی - خالد بن ولید نے کہا افسوس ہم نماز کے دوران میں ان پر حملہ آور ہو جاتے - تو یقیناً کامیاب ہو جاتے کیونکہ یہ لوگ نماز کو ہرگز نہ توڑتے - لیکن ابھی ایک اور نماز باقی ہے یعنی نماز عصر جو ان کو آنکھوں کی بینائی سے بھی زیادہ محبوب تر ہے جب اس میں داخل ہوں گے تو ہم ان پر حملہ کریں گے - پس جبرئیل نازل ہوا - اور نماز خوف کا حکم لایا اور آپ نے نماز عصر خوف کے طریقہ سے ادا فرمائی جس طرح قرآن مجید میں بیان ہو رہا ہے اور مجمع البیان میں ہے کہ یہی واقعہ خالد بن ولید کے اسلام لانے کا باعث بنا تھا -

آیت مجیدہ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فوج اسلام دو حصوں میں تقسیم ہو کر ہر ایک گروہ ایک ایک رکعت نماز پڑھے گویا یہ قصر در قصر ہے کیونکہ پہلا گروہ صرف پہلی رکعت پڑھ کر چلا جائے گا اور دوسرا گروہ دوسری رکعت میں شریک ہوگا اور وہ بھی ایک رکعت صرف پڑھ کر ختم کرے گا اور بعض لوگوں کا یہی مذہب ہے -

وافی میں کافی سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے صحابہ کو غزوۂ ذات الرقاع میں نماز خوف پڑھائی تھی اور وہ

أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ

ہتھیاروں سے اور سامان سے تاکہ وہ ٹوٹ پڑیں تم پر ایک بار اور نہیں گناہ

عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ

تم پر اگر ہو تمہیں تکلیف بارش سے یا ہو بیمار کہ اتار دو

تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ○

اپنے ہتھیار اور لے لو بچاؤ اپنا تحقیق اللہ نے تیار کیا ہے کافروں کے لئے عذاب ذلت آمیز

اس طرح کہ فوج کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک گروہ دشمن کے مقابلہ میں اور دوسرا گروہ شریک جماعت ہوا۔ جب پہلی رکعت تمام ہوئی تو آپ دوسری رکعت کے لئے اٹھے اور قیام میں کھڑے رہے اور صحابہ نے جلدی سے دوسری رکعت انفرادی طور پر تمام کر لی اور سلام پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں چلے گئے اور وہ گروہ جو لڑ رہا تھا وہ نماز کے لئے آگیا اور انہوں نے حضورؐ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی پس جناب رسالتمآبؐ نے تشہد کو طول دیا۔ اتنے میں انفرادی طور پر دوسری رکعت پڑھ لی اور تشہد میں بیٹھ گئے۔ اور سلام میں حضورؐ کے ساتھ شریک ہو گئے اور چونکہ غزوہ ذات الرقاع میں اسی طرح پڑھی گئی اسی لئے اس نماز کو فقہا صلوٰۃ ذات الرقاع سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اگر مغرب کی نماز کو خوف کے طریقے سے پڑھا جائے تو پہلے گروہ کو ایک رکعت جماعت کے ساتھ اور پیش نماز کا دوسری رکعت کا قیام طولانی ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ دو رکعتیں مختصر طور پر انفراد سے پڑھ لیں گے اور ختم کر کے دشمن کے مقابلہ میں جا کھڑے ہوں گے۔ اور دشمن کے مقابلہ والا گروہ آجائے گا اور امام کی دوسری رکعت میں شامل ہوگا۔ لیکن اس کی وہ رکعت پہلی ہوگی۔ پھر امام کی تیسری اس کی دوسری ہوگی۔ اس طرح یہ گروہ دو رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھے گا اور تشہد میں طول دیا جائے گا۔ تاکہ یہ لوگ اپنی تیسری رکعت انفرادی طور پر پڑھ کر سلام میں شریک ہو جائیں۔ تفسیر برہان کی ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام سے نماز خوف کے مذکورہ طریقہ کے بعد منقول ہے۔ آپ نے فرمایا اگر خوف اس سے شدید تر ہو جس طرح باہمی تلوار زنی، نیزہ زنی اور ہاتھا پائی تک نوبت آجائے اور رکوع و سجود کا امکان بھی نہ ہو تو پیدل یا سوار جس طرف منہ ہو جائے فرمایا کہ لیلۃ الہریر میں حضرت امیر علیہ السلام نے ظہرین و مغربین کی نماز نہیں پڑھائی تھی اور تسبیح و تہلیل اور تحمید و دعا رکعتوں کا بدلہ تھیں اور یہی ان کی نماز تھی اور نماز خوف میں نمازیوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے آلات جنگ لگائے رکھیں جس طرح کہ آیت مجیدہ میں صاف مذکور ہے اور نماز خوف کے متعلق جلد ثالث ص ۹۳ پر بھی گزر چکا ہے۔

إِنْ كَانَ بِكُمْ ۔ تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے ایک مرتبہ ایک قبیلۂ عرب سے

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى
پس جب پوری کرو نماز تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اپنے
جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ
پہلوؤں کے بل پس جب اطمینان سے ہو تو قائم کرو نماز کو تحقیق نماز ہے مومنوں

جنگ کیا اور فتح پائی پس جب دشمنوں میں سے ایک بھی نظر نہ آیا تو مسلمانوں نے ہتھیار اتار دیئے اور حضور حاجت ضروریہ کے لئے وادی کو عبور کر کے پرلی طرف چلے گئے۔ بارش بھی جاری ہوگئی اور صحابہ اور آپ کے درمیان وادی کا فاصلہ بھی تھا تو آپ درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اتنے میں غورث بن حارث محاربی نے آپ کو دیکھ لیا اور ساتھیوں نے بھی اسے اُکسایا تو اس نے قسم کھالی کہ میں آپ کو ضرور قتل کروں گا پس تلوار لے کر چپکے چپکے پہاڑ سے اترا۔ اور جناب رسالتمآبؐ کو اس وقت خبر ہوئی جب وہ سر پر آپہنچا تلوار کو میان سے کھینچ کر کہنے لگا۔ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ! یہ سنتے ہی وہ دشمن خدا منہ کے بل زمین پر گرا تو آپ نے اس کی تلوار قبضہ میں کرلی اور فرمایا اب تو بتا کہ تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ وہ کہنے لگا کوئی نہیں بچا سکتا۔ آپ نے فرمایا کلمہ شہادتین پڑھو تو چھوڑتا ہوں اس نے کہا یہ تو نہیں البتہ یہ عہد کرتا ہوں کہ نہ خود تیرے ساتھ لڑوں گا اور نہ تجھ سے لڑنے والوں کی امداد کروں گا پس آپ نے تلوار واپس کردی جب واپسی پر غورث سے اپنے ساتھیوں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔ جب میں نے جناب رسالتمآبؐ پر تلوار تولی تھی تو غائبانہ طاقت نے میرے کندھوں کو دبایا تھا کہ میں منہ کے بل گر پڑا تھا بارش کے خاتمہ پر آپ واپس آئے اور یہ آیت پڑھی۔ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى الخ

فَإِذَا قَضَيْتُمْ۔ آیت مجیدہ کے معنی میں اختلاف ہے (۱) بعض کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ کسی جنگ کی انتظار کے زمانہ میں جب تم نماز سے فارغ ہو تو بطور تعقیب کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر اللہ کو یاد کرتے رہو۔ اور عَلٰى جُنُوبِكُمْ: محلاً منصوب ہے اور حال ہے کیونکہ ماقبل پر اس کا عطف ہے گویا ان تینوں حالتوں میں اللہ کا ذکر کرو تاکہ وہ تمہیں فتح و کامرانی نصیب فرمائے اور یہ معنی ابن عباس سے منقول ہے (۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ جب تم نماز کا ارادہ کرو تو نماز پڑھو۔ اپنی وسعت و طاقت کے مطابق صحیح قیام کے ساتھ اگر تندرست ہو اور بیٹھنے کی حالت میں اگر قیام نہ کر سکتے ہو اور لیٹ کر اگر بیٹھنے کی طاقت بھی نہ ہو۔

فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ۔ بعض کہتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب تم اطمینان سے اپنے وطنوں میں موجود ہو تو نماز پڑھو پوری اطمینان کے ساتھ بغیر قصر کے اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب تم خوف سے اطمینان حاصل کرو تو نماز اپنے حدود کے ساتھ قائم کرو۔

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا

پر فرض مقرر ۔ اور نہ سستی کرو تلاش قوم میں اگر تم تکلیف

تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ

محسوس کرتے ہو تو وہ بھی تکلیف زدہ ہیں اور اُمید رکھتے ہو تم اللہ سے جو وہ نہیں رکھتے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ

اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا ہم نے اتاری آپ پر کتاب ساتھ حق کے تاکہ آپ حکم کریں

النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ

لوگوں میں ساتھ اس کے جو اللہ نے آپ کو رائے زنی کی قوت دی اور نہ ہوں آپ خیانت کرنیوالوں کے طرف دار اور طلب مغفرت کیجیے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ

اللہ سے تحقیق اللہ غفور رحیم ہے اور مت جھگڑو ان کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں

اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ

اپنے نفسوں میں تحقیق اللہ نہیں دوست رکھتا اس کو جو ہو خائن گنہگار چھپتے ہیں

مَوْقُوْتًا ۔ تفسیر برہان میں آئمہ معصومین علیہم السلام سے اس کا معنی مفروض کیا گیا ہے نہ کہ موقت ۔

وَلَا تَهِنُوْا ۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر صغریٰ کی طرف روانگی کے لئے اُتری ہے کیونکہ اُحد کے روز ابوسفیان کہہ کر گیا تھا لیکن دل پر مسلمانوں کا رعب ایسا طاری ہوا کہ مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی اُلٹے قدم واپس آیا اور بعض کہتے ہیں کہ جنگ احد کے موقع پر اتری ۔ جب کہ ابوسفیان نے کچھ فاصلہ سے واپس آکر مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے تعاقب کا حکم ہوا تھا اس بارہ میں پارہ نمبر ۴ کے رکوع نمبر ۵، ۷، ۹ میں آیات گذر چکی ہیں اور مختصر طور پہ واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا جا چکا ہے ۔

رکوع نمبر ۱۳

بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۔ تفسیر صافی و برہان میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اپنی مخلوق میں سے خداوند کریم نے کسی کو (امور شرعیہ کی) تفویض نہیں فرمائی سوائے جناب رسالتمآبؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے چنانچہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس آیت مجیدہ کی تاویل اوصیاء میں جاری ہے ۔

مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ

لوگوں سے اور نہیں چھپتے اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب رات کو مشورہ کرتے ہیں

مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

ناپسندیدہ باتوں کا اور ہے اللہ ساتھ اس کے جو عمل کرتے ہیں احاطہ رکھنے والا

تفسیر برہان میں منقول ہے موسٰی بن اشیم کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کے لئے وقت طلب کیا اور آپ نے میری استدعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے میرے ساتھ ایک دن کا وعدہ کیا۔ پس وعدہ کے مطابق جب میں حاضر ہوا تو جو کچھ پوچھنا تھا پوچھا۔ اسی اثناء میں ایک شخص نے دروازہ پر دستک دی آپ نے فرمایا دیکھو دروازہ پر کوئی ہے۔ میں نے عرض کی حضور! میں فارغ ہو چکا ہوں۔ جیسا مناسب ہو آپ کریں تو آپ نے اس کو اندر آنے کی اجازت دی ایک شخص آکر بیٹھ گیا اور وہ مسائل دریافت کئے جو میں ابھی کر چکا تھا تو آپ نے جواب اس کو میرے جواب کے خلاف دیا۔ یہ سنتے ہی میری طبیعت میں اس قدر اضطراب پیدا ہوا کہ بس اللہ ہی جانتا ہے وہ شخص فارغ ہو کر چلا گیا اور تھوڑی دیر گذری کہ اور شخص آگیا۔ آپ نے اس کو اجازت دی وہ ایک گھنٹہ بیٹھا۔ اور وہی مسائل پوچھنے لگا جو ہم دونوں پوچھ چکے تھے تو آپ نے اس کو پہلے دو جوابوں کے علاوہ جواب دیا اور میرا غم و اضطراب پھر اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور قریب تھا کہ میں کافر ہو جاؤں پس وہ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد تیسرا آدمی آپہنچا اور اس نے بھی بعینہٖ وہی مسائل دریافت کئے تو آپ نے اس کو پہلے تمام جوابوں کے علاوہ جواب دیا۔ پس میرے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی اور مجھ پر دنیا تاریک ہو گئی۔ جب آپ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور میرا اضطراب ملاحظہ فرمایا تو میرے کندھے پر ہاتھ مار کر فرمانے لگے۔ اے ابن اشیم خدا نے ابن داؤد کو ملک تفویض فرمایا تھا اور ارشاد ہوا تھا هٰذَا عَطَآءُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اور تحقیق اللہ سبحانہٗ نے جناب محمد مصطفٰے کو دین کے معاملات تفویض فرمائے اور ارشاد ہوا۔ اُحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ اور خدا نے ہمیں وہی کچھ سپرد کیا جو اس نے اپنے رسول کو سپرد کیا تھا (مقصد یہ ہے کہ نبی اور امام کا کام ہے مصلحت دیکھ کر ان کے درمیان حکم کریں جس طرح کہ ڈاکٹر ایک ہی بیماری کے مریضوں کو ان کے مزاج اور ماحول کے مطابق دوا اور پرہیز بتلاتے ہیں۔ اسی طرح نبی و امام جو روحانی حکیم ہیں۔ ماحول اور مزاج کو پہچان کر ان کے موافق روحانی علاج کے نسخے تجویز کرتے ہیں۔

وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ کا سبب نزول یہ ہے۔ کہ قوم انصار میں سے بنو ابیرق تین بھائی تھے جو منافق تھے اور ان کے نام بشر بشیر مبشر تھے انہوں نے قتادہ بن نعمان

هَاَنْتُمْ هٰؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ

خبردار تم لوگ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے حیاتِ دنیا میں تو کون جھگڑے گا اللہ کے ساتھ

عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

ان کی طرف سے بروزِ قیامت یا کون ہوگا ان پر وکیل؟ اور جو عمل کرے

جو بذری تھا کے چچا کے گھر نقب زنی کرکے اس کے بچوں کے کھانے پینے کا سامان اور ایک زرہ چرالی۔ قتادہ نے جناب رسالتمآبؐ سے اس کی شکایت کی۔ ان کے ہمسایہ میں ایک شخص مومن تھا جس کا نام لبید بن سہل تھا اس نے وہ چوری اس پر تھوپ دی اور قتادہ سے کہا اس کا مجرم لبید بن سہل ہے جب لبید کو معلوم ہوا تو اس نے تلوار کھینچ لی اور بنوابیرق کے سر ہوگیا کہ تم نے خود کردہ گناہ کو میرے سر کیوں تھوپ دیا اور تم ایسے منافق لوگ ہو کہ جناب رسالتمآبؐ کی ہجو کرکے قریش کی طرف منسوب کردیا کرتے ہو۔ اب میں اس حقیقت کا پردہ چاک کروں گا اور تلوار کو تمہارے خون سے سیراب کروں گا۔ جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو لبید کے ساتھ چاپلوسی اور خوشامد سے پیش آئے بالآخر اس کو خاموش کرکے واپس کردیا۔

پھر یہ لوگ اپنے قبیلہ کے ایک شخص اسید بن عروہ نامی کے پاس حاضر ہوئے کہ وہ رسالتمآبؐ کی خدمت میں ان کی صفائی کرے کیونکہ یہ شخص باتیں کرنا خوب جانتا تھا چنانچہ وہ اُن کی صفائی کے لئے حاضر بارگاہِ رسالت ہوا۔ اور عرض کی حضورؐ! قتادہ بن نعمان نے ہماری قوم کے بعض شرفا صاحبانِ حسب ونسب پر چوری کا الزام لگادیا ہے۔ اور ان بے گناہوں کو اس نے مجرم قرار دیا ہے اس کے سُننے سے حضورؐ رنجیدہ خاطر ہوئے اور جب قتادہ خدمت اقدس میں پہنچا تو جناب رسالتمآبؐ نے اس کو سرزنش کی قتادہ کبیدہ خاطر واپس اپنے چچا کے پاس آیا اور کہنے لگا کاش میں مر گیا ہوتا۔ اور حضورؐ کے سامنے وہ بات نہ کی ہوتی۔ کیونکہ حضورؐ نے آج مجھے ایسے الفاظ کہے ہیں جو میں پسند نہیں کرتا تو اس کے چچا نے کہا کہ بس اللہ سے ہی ہماری فریاد ہے۔ تب یہ آیتیں اتریں۔ نیز صافی میں جوامع سے مروی ہے کہ ابوطعمہ نے جو ابیرق کا بیٹا تھا (بشیر کو ابوطعمہ کہا جاتا تھا) اپنے ایک ہمسایہ قتادہ بن نعمان کی زرہ چُرا کر ایک یہودی کے پاس رکھی۔ قتادہ نے وہ زرہ یہودی کے ہاں سے پکڑی تو یہودی نے صاف کہہ دیا کہ مجھے ابوطعمہ نے دی ہے جب بنوابیرق کو پتہ چلا تو وہ حضرت رسالتمآبؐ کے پاس چلے آئے اور عرض کی کہ حضورؐ! آپ ابوطعمہ کی طرفداری فرمائیں ورنہ وہ ہلاک و بدنام ہوگا اور یہودی بری ہوجائے گا پس جناب رسالتمآبؐ نے یہودی کی سزا کا ارادہ فرمایا تو یہ آیت اتری اور اسی قسم کی اور روایات بھی کتب عامہ سے زیادہ تفصیل کے ساتھ منقول ہیں۔ تفسیر صافی میں تفسیر قمی سے مروی ہے

سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾

بُرا یا ظلم کرے اپنے نفس پر پھر معافی مانگے اللہ سے تو پائے گا اللہ کو غفور و رحیم

وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو کسب کرے گناہ کا تو وہ کسب کرتا ہے صرف اپنے بُرے کے لئے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا

وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا

اور جو کسب کرے خطا یا گناہ کا پھر بہتان لگائے اس کا کسی بری پہ پس اس نے بار اٹھایا بہتان

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ بشیر کی قوم سے اس کے چند قریبیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جناب رسالتمآب کے پاس جا کر بشیر کے متعلق سفارش کریں اور عذر پیش کریں کہ وہ اس چوری کے الزام سے بری ہے تو یہ آیت اتری۔ یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ الخ پس بشیر کی قوم واپس آئی اور بشیر سے کہا استغفار کر اور گناہ سے توبہ کر اس نے کہا کہ میں تو یہ قسم کھاؤں گا کہ چوری لبید نے کی ہے تو یہ آیت اتری وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا الخ اس کے بعد بشیر کافر ہو گیا اور مکہ کی طرف چلا گیا پس بشیر کے طرفداروں کے حق میں آیت اتری۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ الخ اور بشیر کے حق میں اتری وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ الخ آیاتِ مجیدہ کے شانِ نزول سے ترجمہ خوب واضح ہو گیا لیکن متعدد بار عرض کیا جا چکا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کا مضمون صرف اس کے شانِ نزول تک محدود نہیں ہوا کرتا اور جس واقعہ کے متعلق کوئی آیت اتری ہو اس کا صرف اسی ایک واقعہ سے اختصاص نہیں ہوا کرتا ورنہ قیامت تک کی قرآن مجید کی حجیت کا اعتقاد باطل ہو جائے گا۔ ہاں تنزیل کا تعلق اگرچہ صرف مخصوص واقعات سے ہوتا ہے لیکن اس کی تاویل قیامت تک جاری ہوا کرتی ہے۔ پس ان آیات کی تاویل بھی قیامت تک جاری ہے جو لوگ جس جس زمانہ میں اس قسم کے فعل کا ارتکاب کریں گے وہ انہی آیات کی تاویل اور باطن قرآن کے لحاظ سے مصداق ہوں گے چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت کافی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ الخ کے مصداق فلاں فلاں اور ابو عبیدہ بن جراح تھے اور بروایت احتجاج حضرت امیرؑ سے منقول ہے کہ اس کے وہ لوگ مصداق ہیں جو رسولؐ کے بعد اپنے باطل کی ترویج کے لئے راتوں کو باہمی مشورے کرتے رہے۔ جس طرح یہود و نصاریٰ نے حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ کے بعد تورات و انجیل کو بدل ڈالا۔

وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور گناہ ظاہر کا — اور اگر نہ ہوتا فضل خدا تم پر — اور اس کی رحمت تو ارادہ کیا تھا ان سے ایک گروہ نے

اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ

کہ آپ کو بھٹکا دیں — حالانکہ وہ نہیں بھٹکاتے مگر اپنے نفسوں کو — اور آپ کو ضرر نہیں پہنچاتے کچھ بھی

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ

اور اتاری اللہ نے آپ پر کتاب — اور حکمت — اور تعلیم دی آپ کو جو آپ نہیں جانتے تھے — اور ہے

رکوع نمبر ۱۴

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ :- بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت بنی ابیرق کے حق میں اتری - جن کا قصہ گذر چکا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حضورؐ کے پاس بنی ثقیف کا ایک وفد آیا اور انہوں نے عرض کی کہ ہم آپ کی اس شرط پر بیعت کرتے ہیں کہ ہم اپنے ہاتھوں بت نہ توڑیں گے اور ایک سال تک عزیٰ کو پوجیں گے - لیکن حضورؐ نے ان کی یہ درخواست مسترد کر دی (مجمع البیان)

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ :- اس کے معنی میں تین قول ہیں - (۱) بنی ابیرق کی جانب سے گواہ بن کر آپ سے غلط فیصلہ کے خواہشمند تھے - (۲) بنی ثقیف آپؐ سے ناجائز مطالبہ منوانا چاہتے تھے جس کو آپ نے ٹھکرا دیا - (۳) منافقین کی جماعت نے آپس میں حضورؐ کے قتل کا پروگرام مرتب کیا تھا اور اضلال سے مراد یہاں قتل ہے لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے - پس اللہ انہی کے متعلق خبر دے رہا ہے -

عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ - یعنی خدا نے وہ کچھ آپ کو بتلایا جو آپ نہ جانتے تھے - جناب رسالتمآبؐ کائنات میں سے اعلم ہیں اور مخلوقِ خدا میں سے کوئی بھی علم و معرفت کی ان حدوں تک نہ پہنچ سکا - جہاں تک حضورؐ پہنچے لیکن یہ سمجھنا چاہیئے کہ رسول کا علم عین ذات نہیں جس طرح کہ خدا کا علم عین ذات ہے - پس ایک مرتبہ ایسا فرض کرنا پڑے گا جس میں ذاتِ رسولؐ اور علم جدا جدا ہوں اور پھر اللہ نے اس ذات کو علم عطا فرمایا ہو اور چونکہ علمِ خداوندی بے پایاں اور لامحدود ہے اس لئے وقتاً فوقتاً اس کی زیادتی کا ہونا رسولؐ میں اور آئمہ طاہرینؑ میں بعید نہیں اسی لئے تو فرمایا رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا - ہاں بعض مواقع پر جزئی واقعات سے بے خبر ہونا ان کی مخلوق ہونے کی شان اور دلیل ہے کیونکہ ہر وقت علم و کمال کے مظاہرے عوام کو دھوکا میں ڈال دیا کرتے ہیں اور وہ ان کے حق میں ربوبیّت والوہیّت کا عقیدہ فاسدہ دل میں جما لیتے ہیں پس ان میں اگر یہ بشری شان نہ پائی جاتی تو جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ

فضل اللہ کا آپ پر بہت نہیں بھلائی ان کی بہت سی سرگوشیوں میں مگر جو حکم

اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ

دے خیرات کا یا نیکی کا یا اصلاح کا لوگوں میں اور جو کرے یہ کام

ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ

تلاش یا رضائے خدا کے لئے تو عنقریب دیں گے ہم اس کو اجر عظیم اور جو

گیا ان کے متعلق بھی اسی قسم کے عقائد پیدا ہو جاتے اور اسلام کی بجائے کفر و شرک کی ترویج ہوتی۔ اسی بناء پر بعض واقعات ان سے پردۂ خفا میں رکھ کر ان کو بذریعہ وحی اطلاع دی جاتی ہے تاکہ توحید و رسالت کی اپنی اپنی شان بحال رہے اور لوگوں کے لئے خالق و مخلوق اور عبد و معبود میں امتیاز کرنا آسان ہو۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ۔ تفسیر برہان میں بروایت کافی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا میں جب کوئی مسئلہ بیان کروں تو کتاب اللہ سے بے شک اس کا ثبوت طلب کر لیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ جناب رسالتمآبؐ نے تین چیزوں سے منع فرمایا (۱) قیل وقال (۲) بربادی مال (۳) زیادتی سوال تو لوگوں نے قرآنی ثبوت طلب کیا۔ پس آپ نے فرمایا۔ قال وقیل سے منع کے لئے فرماتا ہے۔ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ الخ اور بربادی مال سے روکتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الخ اور زیادتی سوال سے منع فرماتے ہوئے ارشاد ہے وَلَا تَسْاَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ الخ آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی باہمی چپکے کی باتیں اور سرگوشیاں اکثر اوقات بھلائی سے خالی ہوتی ہیں۔ مگر تین مقامات پر فائدہ مند اور خوب ہوتی ہیں (۱) صدقہ دینے کے لئے باہمی مشاورت (۲) نیکی اور اچھائی کے لئے مشورہ (۳) لوگوں میں اصلاح کرنے کا مشورہ۔

چنانچہ صافی میں کافی سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کلام کی تین قسمیں ہیں۔ سچ جھوٹ اور اصلاح یعنی اصلاحی پہلو نہ سچ میں داخل ہے اور نہ جھوٹ میں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں اصلاح کے لئے اگر جھوٹ بھی بولا جائے۔ تب بھی اس کو جھوٹ کا گناہ نہ ہوگا اور اصلاح کی تفسیر میں آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایک شخص سے کوئی بری بات سنو جو دوسرے کے حق میں کہہ رہا ہے تو تم اس کو یہ نہ کہو کہ وہ تمہارے حق میں بری بات کہہ رہا ہے۔ بلکہ اس کی بجائے کسی اچھی بات کی اس کی طرف نسبت دو۔ تاکہ اس کے دل میں نفرت پیدا

يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

مخالفت کرے رسولؐ کی بعد اس کے کہ واضح ہو گئی اس کے لئے ہدایت اور چلے چھوڑ کر راہ

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ

مومنوں کی تو اس کو دیں گے وہی جو اس نے اختیار کیا اور جلائیں گے اسے جہنم میں اور وہ بری بازگشت ہے تحقیق

اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

اللہ نہیں بخشتا شرک کو اور بخشتا ہے وہ جو علاوہ ہو اس کے جسے چاہے

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ

اور جو شرک کرے ساتھ اللہ کے پس تحقیق وہ گمراہ ہوا بڑی گمراہی نہیں پکارتے اس کے سوا

دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ

مگر مؤنثوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو جس کو لعنت کی اللہ نے

نہ ہو۔ اور بروایت خصال جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ تین جگہ جھوٹ مستحسن ہے ایک دشمن سے لڑائی کے وقت اس کو دھوکا دینے کے لئے دوسرے اپنی عورت سے وعدہ کرنے کے لئے تیسرے لوگوں کے درمیان اصلاح کے لئے

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ۔ برہان میں بروایت عیاشی منقول ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں لوگوں نے ماہِ رمضان کی تراویح کے لئے آپ سے ایک امام مسجد کی خواہش کی تو آپ نے ان کو اس فعل سے منع فرمایا تو لوگوں نے واویلا شروع کر دیا۔ حارث اعور نے حضورؑ کو لوگوں کے واویلا سے آگاہ کیا تو آپ نے فرمایا جو جی میں آئے کرو تو یہ آیت بھی تلاوت فرمائی۔

رکوع نمبر ۱۵

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ الخ آیت مجیدہ کی تفسیر اسی پارہ کے رکوع ۱۴ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ۔ اس میں تین قول ہیں (۱) ملائکہ کی عبادت کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں (۲) جمادات کی عبادت کرتے تھے اور چونکہ عرب جمادات کے لئے مؤنث کے صیغے استعمال کرتے تھے اس لئے کہا گیا کہ وہ مؤنثوں کی عبادت کرتے ہیں۔ (۳) انہوں نے جو بت بنائے ہوئے تھے ان کے نام مؤنث تھے مثلاً لات عزیٰ منات اساف اور نائلہ وغیرہ اور کہتے ہیں لات لفظ اللہ کی مؤنث اور عزیٰ اعزّ کی

وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ

اور اس نے کہا کہ ضرور لوں گا میں تیرے بندوں سے ایک حصہ مقرر اور ضرور ان کو گمراہ کروں گا

وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ

اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو حکم کروں گا کہ کاٹ ڈالیں کان چوپاؤں کے اور ان کو حکم کروں گا

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ

کہ بدل ڈالیں دین خدا کو اور جو بنائے شیطان کو اپنا ولی اللہ کو چھوڑ کر

کی مؤنث ہے اور ابو حمزہ ثمالی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ہر بت میں ایک شیطانہ ہوا کرتی تھی جو دربانوں سے گویا ہوا کرتی تھی اور سب ابلیس کی کارستانی تھی اور یہ بعینہ وہی شیطان ہے جس کو خدا نے آیت مجیدہ میں لعنت فرمائی

(ملخص از مجمع البیان)

عرب کی ہر قوم نے اپنے اپنے الگ بت بنائے ہوئے تھے جن کے نام وہ مؤنث تجویز کرتے تھے۔ کسی نے پتھر کا اور کسی نے اس سے زیادہ خوبصورت اور جب پہلے سے کوئی اچھا دستیاب ہوتا تو پہلے کو پھینک دیا کرتے تھے اور جب کوئی اور چیز میسر نہ آتی تو مٹی جمع کر کے اوپر بکری کا دودھ دوہ دیتے اور اس کا طواف کرتے اور بنو حنیفہ نے حلوے کا بت بنا کر ایک عرصے تک اس کی پوجا کی اور جب قحط سالی ہوئی تو اس کو کھا گئے چنانچہ بعض شعرا نے ان کے اس فعل کی اپنے اشعار میں اس طرح حکایت کی ہے۔

أَكَلَتْ حَنِيفَةُ رَبَّهَا   زَمَنَ التَّقَحُّطِ وَالْمَجَاعَةِ

کھا لیا بنو حنیفہ نے اپنے رب کو قحط سالی اور بھوک کے زمانہ میں۔

لَمْ يَحْذَرُوا مِنْ رَبِّهِمْ   سُوءَ الْعَوَاقِبِ وَالتَّبَاعَةِ

انہوں نے اپنے رب سے برے انجام اور سخت گرفت کا ڈر بھی نہ کیا۔

(تفسیر میزان جلد ۲ صفحہ ۲۸)

تفسیر برہان میں عیاشی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو سلام دیا اور کہا کہ السلام علیک یا امیر المؤمنین پس آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا خبردار ایسا نہ کہو کیونکہ یہ لقب صرف حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے اور اللہ نے ان کو یہ لقب دیا ہے ان کے علاوہ جس شخص کو اس لقب سے پکارا جائے اور وہ اس پہ راضی بھی ہو جائے تو وہ مفعول ہو گا اور اگر پہلے سے نہ ہو تو اس کے بعد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے گا

فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ

تو تحقیق اس نے ظاہر اٹھایا نقصان وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور نہیں وعدہ کرتا شیطان

اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

ان سے مگر دھوکا ایسے لوگ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور نہ پائیں گے اس سے چھٹکارا

کیونکہ خدا فرماتا ہے اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا الخ۔ پھر راوی نے پوچھا حضرت قائم کو کس لقب سے پکارا جائے گا تو آپ نے فرمایا۔ ان کو کہا جائے گا السلام علیک یا بقیۃ اللہ ! السلام علیک یا ابن رسول اللہ آیت مجیدہ کے باطن سے معصوم نے کیا خوب نظریہ پیش فرمایا ہے کیونکہ ناحق مسند الوہیت پر بیٹھنے والوں کو خدا نے مؤنث کے خطاب سے یاد کیا ہے اور چونکہ مسندِ رسالت بھی مسندِ الوہیت کے قائم مقام کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اسی وجہ سے خدا نے رسولؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا پس مسندِ رسالت پہ ناجائز قبضہ جمانے والے اسی آیتِ مجیدہ کی رُو سے مؤنث ٹھہرے اور اگرچہ ظاہرًا وہ مذکر بھی ہوں لیکن ان میں اس صفتِ خصوصی کا پایا جانا ضروری ہے جو مؤنث کے شایانِ شان ہے پس اسی آیت کے ماتحت آپ نے فرمایا کہ جو بھی اپنے آپکو امیر المومنین کہلوانے پر رضامند ہوگا وہ مفعول ہوگا اور واقعاتِ تاریخ معصوم کے اس فرمان کی تصدیق کرتے ہیں جن کی تفصیل کا اس جگہ محل نہیں۔

فَلَيُبَتِّكُنَّ ۔ کہتے ہیں عربوں کا دستور تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے دے چکتی اور پانچواں مذکر ہوتا تو وہ اس اونٹنی کے کان چیر ڈالتے تھے اور اس کو اپنے اوپر حرام کر دیتے تھے اور مجمع البیان میں حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ ان کے کان جڑ سے کاٹ دیا کرتے تھے (تفسیر صافی) اور روایات معصومینؑ میں خلق اللہ کا معنی دین اللہ کیا گیا ہے۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ :۔ صافی میں بروایت مجالس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب مغفرتِ عامہ کی آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو برائی کریں یا اپنے نفسوں پر ظلم کریں۔ پھر اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں تو خدا غفور و رحیم ہے ان کے گناہ بخش دے گا تو ابلیس نے مکہ کے ایک پہاڑ جس کا نام ثور ہے اس پر چڑھ کر اپنے اتباع کرنے والے عفریتوں اور شیطانوں کو بلایا۔ پس انہوں نے حاضر ہو کر کہا کہ اے ہمارے سردار کیوں ہمیں بلایا ہے تو ابلیس نے وہ آیت پڑھی اور کہا کہ اس کا علاج کون کرے گا ایک عفریت نے کہا میں حاضر ہوں۔ ابلیس نے پوچھا تو کیا کرے گا اس نے اس کا جواب دیا جو ابلیس کو پسند نہ آیا۔ پھر اور اٹھا اور اس کا جواب بھی ابلیس کو پسند نہ آیا پھر اس کے تابعداروں میں سے وسواس خناس اٹھا اور کہا کہ اس کا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کئے عنقریب ہم ان کو داخل کریں گے بہشتوں میں کہ

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں کہ وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے جنت میں دائمی کہ وعدہ اللہ کا حق ہے اور کون زیادہ سچا ہے

مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ

اللہ سے بات میں نہ تمہاری خواہشات پر اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر ہے جو

يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا

کام کرے گا بُرے اس کا بدلہ لے گا اور نہ پائے گا اپنے لئے اللہ کے بغیر کوئی ولی اور نہ

نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ

مددگار اور جو عمل کرے گا اچھے مرد ہو یا عورت درحالیکہ

علاج میرے پاس ہے اور وہ یہ کہ میں وعدہ کروں گا اور امیدیں دلاؤں گا اور ایہ پھیر کرکے ان کو گناہ میں مبتلا کر لوں گا اور پھر توبہ کرنا اور استغفار کرنا ان کو بھلا دوں گا پس ابلیس نے اس کو اس کام پر متوکل کر دیا۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ ۔ مجمع البیان میں ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں نے آپس میں مفاخرت کی کہ اہل کتاب نے اپنے نبی وکتاب کے پہلے ہونے کا فخر کیا اور مسلمانوں نے جناب رسالتمآبؐ کے خاتم النبیین ہونے اور کتاب کے ناسخ ہونے پر اور دین اسلام پر فخر کیا۔ تب یہ آیت اتری کہ نجات نہ تمہاری خواہشات پر منحصر ہے اور نہ اہل کتاب کی خواہشات پر موقوف ہے بلکہ جو برائی کرے گا اسے سزا ملے گی۔ یہ سُن کر اہل کتاب اترانے لگے اور مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بس اب ہم اور تم برابر ہوگئے تو پھر بعد والی آیت اتری کہ اعمال صالحہ پر جنت اس وقت ملے گی جب ایمان بھی ہوگا۔ مختصراً۔

یہ آیت مجیدہ صاف بتلاتی ہے کہ ہر شخص کو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی ہے اور اس میں کسی کے لئے کوئی معافی نہیں ہے۔ چنانچہ مجمع البیان میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو ہم رو دئیے اور غمگین ہوئے اور بارگاہ رسالتؐ میں عرض کی حضور! اس آیت نے تو کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ آپ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ

وہ مومن ہو تو ایسے لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے ذرہ بھر اور کون زیادہ

اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ

اچھا ہے دین میں اس سے جو جھکا دے اپنا منہ اللہ کے لئے اور نیک ہو اور اتباع کرے ملت

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَّاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا

ابراہیم کی جو حنیف تھا اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور اللہ کے لئے ہے

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾

جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ ہر شے پہ محیط

جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ آیت ایسے ہی ہے جس طرح اتری ہے یعنی بروں کو برائیوں کی سزا ضرور ملے گی لیکن تمہیں بشارت ہو کہ تم میں سے جس انسان کو دنیا میں جو بھی مصیبت پیش آتی ہے۔ وہ کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہوا کرتی ہے۔ یہاں تک کہ جو کانٹا کسی کے پاؤں میں چبھتا ہے (وہ بھی کفارۂ گناہ ہوتا ہے) اس مضمون کی حدیثیں اہلبیت علیہم السلام سے بھی کافی وارد ہیں۔ چنانچہ صافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت میں بعض صحابہ نے اس آیت مجیدہ کے مضمون کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کیا تمہیں جان مال اور بچوں کے بارے میں مصائب پیش آتے ہیں یا نہیں۔ انہوں نے عرض کی۔ جی ہاں! آپ نے فرمایا یہ تمہاری نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور گناہ دُھل جاتے ہیں۔ کافی سے منقول ہے آپ نے فرمایا جب اللہ کو ایک بندہ پیارا ہوتا ہے اور اس پہ گناہ کا بوجھ بھی ہوتا ہے تو خدا اسے کسی حاجت میں مبتلا کر دیتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اس پر موت کو سخت کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ۔ مجمع البیان میں مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ سے احسان کا معنی پوچھا گیا تو فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اور اس طرح کرو جس طرح گویا تم اسے دیکھ رہے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔

خلتِ ابراہیمؑ:۔ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا۔ بعض کہتے ہیں کہ خلیل خلت سے مشتق ہے جس

کا معنی محبت ہے اور حضرت ابراہیم اللہ کے محب اور محبوب تھے اس لئے ان کو خلیل کا لقب خدا نے دیا۔ پس حضرت ابراہیمؑ کی محبت یہ تھی کہ اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے تھے اور اس کے صحیح معنوں میں عبادت گذار تھے اور اللہ کی محبت یہ ہے کہ اس نے ہر مقام پر نصرت خاصہ سے سرفراز فرمایا اور نار نمرود کو گلزار کیا اور عہدۂ نبوت کے لئے ان کو مصطفیٰ بنایا اور بعض کہتے ہیں کہ خلیل خلّۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے احتیاج و فقر اور حضرت ابراہیمؑ چونکہ اپنا احتیاج و فقر صرف اللہ کی طرف ہی رکھتے تھے۔ اور کسی بندے کی طرف اپنی حاجات نہ لے جاتے تھے اس لئے ان کو خلیلؑ کے لقب سے سرفراز کیا گیا اور خدا نے خصوصیت سے انہیں خلیلؑ کا لقب عنایت فرمایا۔ حالانکہ ہر نبی اللہ کا دوست ہوا کرتا ہے جس طرح کلیم اللہ موسیٰؑ کو اور روح اللہ عیسیٰؑ کو بنایا۔ جناب رسالتمآبؐ نے ایک روایت میں فرمایا کہ تمہارا نبی بھی خلیلؑ ہے یعنی حضورؐ نے اپنی خلّت کا اظہار فرمایا۔ (مجمع البیان)

خلیل کی پہلی وجہ تسمیہ کے ماتحت تفسیر برہان میں ابن بابویہ کی سند سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو خلیل بنایا کیونکہ زمین پر سجدہ کیا کرتے تھے اور ایک روایت میں امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر زیادہ درود بھیجنے کی بدولت خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنا خلیل قرار دیا اور دوسری وجہ تسمیہ کے ماتحت امام رضا علیہ السلام سے بسند آبائے طاہرینؑ منقول ہے کہ حضرت ابراہیم کو خلیلؑ اس لئے بنایا گیا کہ وہ عمر بھر کسی کے پاس نہ گئے اور سوائے خدا کے کسی سے سوال نہ کیا اور فرمان نبوی میں ہے کہ ان کے خلیل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مہمان نواز تھے اور رات کو جب لوگ سوئے ہوتے تھے۔ تو وہ نماز پڑھا کرتے تھے۔

تفسیر برہان و مجمع البیان میں علی بن ابراہیمؒ سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ مہمان نواز تھے اور مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔ ایک دفعہ قحط سالی کا دور آیا تو آپ مصر میں ایک دوست سے گندم لینے کے لئے روانہ ہوئے لیکن اس کے پاس موجود نہ تھی اور خالی ہاتھ واپس روانہ ہوئے۔ جب گھر کے قریب پہنچے تو ریگستان سے گذرتے ہوئے اپنی بوریاں ایک صحرا سے پُر کر لیں تاکہ گھر پہنچتے ہی گھر والوں کو خالی ہاتھ واپس آنے کا غم محسوس نہ ہو لیکن خدا نے اس ریگ صحرا کو آٹا بنا دیا حضرت ابراہیمؑ گھر پہنچ کر شرم کے مارے ایک کمرے میں سو گئے گھر والوں نے جب بوریاں کھولیں تو وہ آٹا تھا۔ انہوں نے حسب ضرورت نکال کر روٹی تیار کر لی اور حضرت ابراہیمؑ کے پیش کی آپ نے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے لائے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ اسی آٹے سے تیار کی ہیں جو آپ اپنے مصری خلیل سے لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا بے شک یہ آٹا آیا تو خلیل کی طرف سے ہے۔ لیکن خلیل مصری کی طرف سے نہیں پس اس کے بعد خدا نے حضرت ابراہیمؑ کا لقب خلیل مقرر فرمایا حضرت ابراہیمؑ

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ ۙ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ

اور فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ سے عورتوں کے متعلق فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے ان کے متعلق اور وہ جو تلاوت کیا جاتا ہے

فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ

تم پر قرآن میں یتیم عورتوں کے متعلق جنہیں نہیں دیتے تم جو فرض ہوا ہے ان کے لئے

نے خدا کا شکر ادا کیا اور کھانا تناول فرمایا۔

تفسیر برہان وصافی میں عیاشی سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جب خداوند کریم نے حضرت ابراہیمؑ کو خلّت کا عہدہ دیا تو ملک الموت خلّت کی بشارت لایا۔ ملک الموت ایک خوبصورت سفید پوش جوان کی شکل میں آیا کہ اس کے سر سے پانی اور تیل کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ پس حضرت ابراہیمؑ نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس سے ملاقات کی اور حضرت ابراہیمؑ بہت غیور تھے جب گھر سے باہر جایا کرتے تھے تو دروازہ بند کر کے اسے قفل لگا کر جاتے اور اس کی کنجی اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے ایک دن جب واپس گھر آئے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان گھر میں کھڑا ہے آپ نے فرمایا اے عبدِ خدا تجھے اس گھر میں کون لایا ہے؟ اس نے جواب دیا مجھے گھر کا مالک لایا ہے پس حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا واقعی گھر کا مالک مجھ سے زیادہ حقدار ہے۔ بتائیے آپ کون ہیں؟ جواب دیا میں ملک الموت ہوں حضرت ابراہیمؑ نے گھبرا کر دریافت کیا۔ میری جان لینے آئے ہو؟ جواب دیا نہیں بلکہ خدا نے ایک عبد کو اپنا خلیل مقرر فرمایا ہے اور میں اس کی بشارت لے کر آیا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا وہ عبد کون ہے؟ تاکہ میں اس کی خدمت کروں تو ملک الموت نے جواب دیا وہ آپ ہیں۔ پس آپ سارہ کے پاس پہنچے اور اپنی خلّت کی خبر ان کو دی۔

تفسیر صافی میں احتجاج سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ خلیل خلّہ سے مشتق ہے جس کا معنی فقر و فاقہ ہے اور حضرت ابراہیمؑ بھی اپنے رب کی طرف خلیل تھے یعنی فقیر و محتاج اور غیر سے بے نیاز اور مستغنی تھے چنانچہ جب ان کو آگ میں پھینکنے کا ارادہ کیا گیا اور منجنیق کے ذریعے سے ان کو ڈالا گیا تو خدا نے حضرت جبرئیل کو بھیجا کہ جا اور میرے بندے کی خبر لے پس حضرت جبرئیل نے آگ میں جاتے ہوئے ابراہیمؑ سے ہوا میں ملاقات کی اور کہا کہ مجھ پر حکم کرو کیوں کہ خدا نے مجھے تیری امداد کیلئے روانہ کیا ہے آپ نے فرمایا بس مجھے وہی کافی ہے وہی میرا بہتر کارساز ہے میں اس کے غیر سے سوال نہیں کرنا چاہتا اور اس کے بغیر اپنی حاجت بیان نہیں کرتا۔ پس خدا نے اس کو اپنے خلیل کا لقب دیا کہ یہ اسی کا فقیر و محتاج ہے اور اس کے غیر سے بالکل بے نیاز ہے۔ (الحدیث)

رکوع نمبر ۱۶ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ ۔ اس آیت مجیدہ کے ربط سے متعلق اسی سورہ کے پہلے رکوع میں وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا الخ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا

اور رغبت رکھتے ہو کہ ان کے ساتھ نکاح کرو اور فتویٰ دیتا ہے تمہیں) کمزور لڑکوں کے متعلق اور یہ کہ قائم رہو

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

یتیموں کے لئے انصاف پر اور جو بھی کرو اچھائی تو تحقیق اللہ اس کو جاننے والا ہے

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

اور اگر کوئی عورت ڈرے اپنے شوہر کی سرکشی یا روگردانی سے پس کوئی گناہ

وَتَرْغَبُوْنَ الخ۔ مجمع البیان میں ہے کہ جابر بن عبداللہ انصاری کی ایک چچا زاد تھی جو بدصورت تھی اور اپنے باپ کی طرف سے کافی مال اس کو ورثہ میں ملا تھا پس اس کی بدصورتی کے پیش نظر اس سے خود بھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا اور کسی دوسری جگہ بھی اس کی شادی نہ کرتا تھا تاکہ دوسرا شوہر یہ مال نہ لے پس اس نے جناب رسالتمآبؐ سے اس بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت اتری اور اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ تم یتیم عورتوں کو اپنا حق بھی نہیں دیتے یعنی ان کو نکاح کی بھی اجازت نہیں دیتے اور خود بھی ان کے نکاح سے اعراض کرتے ہو اور خدا اس طرز عمل سے منع فرماتا ہے۔ اور کہتے ہیں عربوں میں دستور یہی تھا جس سے منع کیا گیا اور اگر آیت کا معنی وہ ہو جو تحت اللفظ موجود ہے تو پھر ایک اور غلط رواج کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ کہ جس کے گھر میں کوئی یتیم لڑکی پرورش پاتی تھی تو یہ لوگ اس کے حسن و جمال کے پیش نظر اس سے شادی کے خواہشمند تو ہوتے تھے لیکن اسے یتیم سمجھ کر اپنے حق مہر وغیرہ کے حقوق سے محروم کر دیتے تھے پس خدا نے ان کو اس بُرے طرز عمل سے بھی منع فرمایا۔

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ ۔ کمزور لوگوں کو حقوقِ وراثت سے محروم کر دیا جاتا تھا اور یتیموں کے اموال میں کج روی عام دستور تھا پس ان سب باتوں سے منع فرمایا اور عدل و انصاف کا حکم دیا۔

عام عورتوں کے حقوق کے متعلق یتیم خوبصورت یا بدصورت لڑکیوں کے حقوق کے متعلق ۔ کمزوروں اور یتیموں کے حقوق کے متعلق اسی سورۂ نساء میں احکام بیان کر دیئے گئے ہیں خواہ وہ حقوقِ وراثت سے متعلق ہوں یا عام برتاؤ سے اور یہ آیت بیان شدہ احکام کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ ۔ مجمع البیان میں ہے کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک نوجوان عورت تھی اور دوسری سن رسیدہ پس اس نے سن رسیدہ کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت گذرنے کو پہنچی تو کہا کہ اگر میرا اس نوجوان عورت سے

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ

ان پر نہیں کہ صلح کرلیں آپس میں اور صلح اچھی چیز ہے اور نفوس کے سامنے بخل (بھی)

الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

ہے اور اگر احسان کرو اور تقوٰے اختیار کرو تو تحقیق اللہ ہے تمہارے اعمال سے آگاہ

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا

اور ہرگز نہیں کر سکتے تم عدل درمیان عورتوں کے اگرچہ پوری کوشش کرو پس نہ جھک جاؤ

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

بالکل (یکطرفہ) کہ کر دو اس کو (دوسری) کو مثل لٹکتی ہوئی چیز کے (نہ ادھر نہ ادھر) اور اگر صلح کرو اور تقویٰ کرو تو تحقیق ہے

محبت کرنا تجھے گوارا ہو اور تو اس پر صبر کر سکتی ہو تو میں طلاق سے رجوع کر کے تجھے اپنے پاس رکھنے کے لئے تیار ہوں پس اس عورت نے یہ شرط قبول کی اور اس نے رجوع کر لیا۔ پس یہ آیت اتری اور صلح باہمی سے مراد یہی ہے کہ عورت اپنے بعض حقوق کو ترک کر دے اور مرد اپنے دل پر بعض امور کے لئے پتھر رکھ لے اور آپس میں اچھا نباہ کرتے رہیں۔

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ۔ یعنی عورتوں اور مردوں کے نفوس میں بخل بھرا ہوا ہے۔ عورت اپنے حقوق قربان نہیں کرتی اور نہیں چاہتی کہ شوہر کا اس کی سوکن کے ساتھ زیادہ پیار ہو اور مرد بھی اپنا حق آزادی نہیں کھونا چاہتا اور وہ نہیں گوارا کرتا کہ ایک نوجوان عورت کی موجودگی میں وہ ایک ایسی عورت کے ساتھ گزارہ کرے جو بوڑھی ہو اور پھر بدل ناخواستہ اس کے تمام بوجھ بھی برداشت کرے پس ہر دو حقوق میں سے جب تک کچھ حصہ سے چشم پوشی نہ کریں گے گزارہ مشکل ہوگا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا۔ مقصد یہ ہے کہ چند عورتوں کے درمیان مرد کی طرف سے محبت میں فرق نہ ہو یہ ناممکن ہے اور فرماتا ہے جتنی بھی کوشش کرو محبت میں یکسانگی نہیں ہو سکتی۔ ہاں ایسا مت کرو کہ بالکل ایک کی طرف جھک جاؤ کہ دوسری کی قطعاً پرواہ تک نہ کرو کہ وہ نہ تو دوسری جگہ شادی کر سکے اور نہ تمہاری زوجیت سے فائدہ اٹھا سکے اور درمیان میں لٹکی رہ جائے بلکہ خواہ محبت یکطرفی ہو لیکن برتاؤ کے حقوق کو پورا کرنا واجب ہے اور اس کے متعلق اعتراض و جواب اس جلد میں تعدد نکاح کے تحت بیان ہو چکا ہے صنا۱۱ مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ بیماری کے دوران میں بھی عورتوں کے درمیان تقسیم کو پورا کرتے تھے اور حضرت امیر علیہ السلام کا یہ حال تھا کہ جب ایک عورت کی باری ہوا کرتی تو دوسری کے گھر وضو بھی

كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۚ وَ

اللہ بخشنے والا مہربان — اور اگر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ غنی کرے گا ہر ایک کو اپنی وسعت سے اور

كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ

ہے اللہ صاحبِ وسعت وحکمت۔ اور اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور تحقیق

وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ

ہم نے وصیت کی ان کو جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے اور تمہیں بھی کہ اللہ سے ڈرو اور اگر

تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿١٣١﴾

کفر کرو گے تو تحقیق اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ غنی لائق حمد

نہیں کرتے تھے (مجمع البیان)

كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۔ یعنی اگر عورت ومرد میں سے کوئی بھی اپنے حقوق کی قربانی کرے اور بذریعہ طلاق کے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں تو ٹھیک ہے اور اس کے بعد خدا ہر ایک کا کارساز ہے اور خزانۂ رحمت سے ہر ایک کو وہ رزقِ واسع عطا کر سکتا ہے لیکن حکمت کے تقاضے کے مطابق۔

وَوَصَّيْنَا الَّذِيْنَ ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سب وصیتوں سے بہتر وصیت ہے کہ خدا کو نہ بھولو۔ دائماً اس کو یاد رکھو اس کی نافرمانی نہ کرو۔ ہر حال میں اس کی عبادت کرو۔ اس کی نعمت سے دھوکا نہ کھاؤ ہمیشہ اس کا شکر ادا کرو اور اس کی رحمت وعظمت اور جلال کے پردوں سے باہر نہ نکلو ورنہ ہلاک وگمراہ ہو گے اگرچہ دکھ مصیبت اور تکلیف کی آگ تمہیں جلا ہی کیوں نہ دے اور یقین جانو کہ اس کی آزمائشوں کا نتیجہ کرامت ابدیہ ---------- اور مصائب کا نتیجہ اس کی رضا وقرب ہوا کرتا ہے اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہی سہی۔ آہا کیسی قابلِ قدر اس کی نعمتیں ہیں لیکن اس کے لئے جو علم رکھتا ہو اور صاحبِ توفیق ہو۔ ایک شخص نے جناب رسالتمآبؐ سے نصیحت فرمانے خواہش کی تو آپؐ نے فرمایا غصہ نہ کیا کرو کیونکہ اللہ سے جھگڑنے کے برابر ہے اس نے عرض کی کچھ اور؟ تو فرمایا ایسا کام نہ کرو جس سے معذرت کرنی پڑے کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ ہے عرض کی کچھ اور؟ فرمایا نماز اسطرح پڑھو جسطرح کہ یہ وداع کی نماز ہو کیونکہ اس میں قرب ووصال ہوتا ہے عرض کی کچھ اور؟ فرمایا اللہ سے اسطرح حیا کرو جس طرح کسی نیک ہمسایہ سے شرماتے ہو اس میں زیادتی یقین ہوتی ہے اور اولین وآخرین کی تمام وصیتوں کو خدا نے صرف ایک لفظ میں بند کر دیا ہے اور فرمایا۔ اِتَّقُوا اللّٰهَ ۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ۔ اسی جملہ کو دو آیتوں میں تین دفعہ بار بار دہرایا گیا ہے کیونکہ تاکید بھی مقصود ہے اور اس کی الگ

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

اور اللہ کا ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ وکیل اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم

اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ

کردے اے لوگو! اور لائے دوسروں کو اور ہے اللہ اس کام پر قدرت والا جو ارادہ رکھتا ہو

يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

بدلہ دنیا کا تو اللہ کے پاس بدلہ دنیا و آخرت کا ہے اور ہے اللہ سننے جاننے والا

الگ چند وجوہ بھی ہیں ① پہلے مقام پر چونکہ تقویٰ واطاعت کی دعوت دینا چاہتا تھا اس لئے پہلے اپنی زمین و آسمان کی ملکیت وحکومت کو بیان فرمایا تاکہ دعوتِ تقویٰ کی قبولیت کیلئے سبب اور محرک بن سکے ② دوسرے مقام پر نافرمانی کرنے والوں سے بے نیازی وعدم احتیاج کو بیان فرمایا ہے کہ نافرمان یہ نہ خیال کریں کہ ہم اللہ کا کچھ بگاڑ لیں گے بلکہ وہ اپنا ہی بگاڑ رہے ہیں اور اللہ ان سے غنی ومطلق ہے کیونکہ وہ تو آسمانوں اور زمینوں کی تمام اشیاء کا مالک ہے ③ اور تیسرے مقام پر اپنی حسن تدبیر اور پختگی نظام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ سب نظام اسی کی تدبیر اتم کا ہی نتیجہ ہے تاکہ تمام دنیا والے اس میں غور وفکر کر کے معرفت کے راستہ پر گامزن ہو سکیں اور از خود ان میں عبادت وتقویٰ کا جوہر پیدا ہو۔

مَنْ كَانَ ۔ یہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے ۔ یعنی جو شخص صرف دنیاوی بدلہ کا طالب ہے یہ اس کی کم عقلی کا نتیجہ ہے کیونکہ جب اللہ کے پاس دنیاوی بدلہ بھی ہے اور اخروی بھی تو انسان طلب کرنے میں بخل کیوں کرتا ہے اس کو چاہیئے کہ دنیا و آخرت دونوں کی خوبی طلب کرے ۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی وخصال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ بسلسلۂ آبائے طاہرین حضرت امیرؑ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا حکماءُ فقہاء کا دستور رہا ہے کہ جب وہ ایک دوسرے کو وصیت لکھا کرتے تھے تو ان تین باتوں میں سے ایک لکھتے تھے جن کے ساتھ چوتھی نہیں ہے (۱) جس شخص کا مطمح منظر آخرت ہو تو خدا اس کے دنیاوی معاملہ کی خود اصلاح کرتا ہے (۲) جس کی نیت درست ہو خدا اس کے ظاہری امور کو خود درست فرماتا ہے (۳) جو اللہ اور اپنے درمیان کا معاملہ درست رکھے خدا اس کا اور مخلوق کا معاملہ خود درست کر دیا کرتا ہے ۔

اور بروایت فقیہہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ دنیا طالب بھی ہے اور مطلوب بھی ۔ پس جو شخص دنیا کا طالب ہوگا تو آخر اس کو موت طلب کر کے دنیا سے نکال دے گی اور جو شخص آخرت کا طالب ہوگا دنیا خود بخود اسے طلب کرے گی کہ یہاں سے وہ اپنا مقسوم پورا کرے گا یعنی انسان کو دنیا کا مطلوب بننا چاہیئے اور آخرت کا طالب ایسا نہ ہو کہ دنیا کا طالب اور موت کا مطلوب بنے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ
اے ایمان والو ہو جاؤ قائم انصاف پر گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لئے اگرچہ
أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ
اپنے خلاف یا والدین اور قریبیوں کے (خلاف ہو) اگرچہ غنی ہو یا فقیر پس اللہ اولیٰ ہے
بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ
ان کے ساتھ پس نہ اتباع کرو خواہش کی انصاف میں اور اگر ٹالو گے یا منہ پھیرو گے تو تحقیق اللہ

رکوع نمبر ۱۷ حق کی گواہی :- یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ - آیت مجیدہ میں خداوند کریم مومنین کو حق کی گواہی کا حکم دے رہا ہے - فرماتا ہے، عدل و انصاف کے دستور پر ڈٹ جاؤ اور اللہ کو خوشنود کرنے کے لئے ہی سچی گواہی دو خواہ اپنے اور اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو خواہ غنی کے حق میں ہو یا فقیر کے حق میں ہو کیونکہ بعض لوگ فقراء طبقہ پر رحم کھاتے ہوئے غنی کے حق میں گواہی دینے سے کتراتے تھے تاکہ فقیر پر سختی نہ ہو اور نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خواہ غنی کے خلاف ہو یا فقیر کے خلاف ہو کیونکہ بعض لوگ فقیر کی طرف سے غنی کے خلاف گواہی نہیں دیتے صرف فقیر کی گراوٹ کی خاطر تو خداوند کریم مومنین کو انصاف کی تلقین فرماتا ہے کہ اس معاملہ میں کسی کی رعایت مت کرو اور سب کو برابر سمجھو اللہ خود غنی و فقیر کا کفیل ہے اور وہ ہی ان کو رزق دیتا ہے پس تم اس بارے میں خواہش نفس کی اتباع نہ کرو، مبادا انصاف کو ہاتھ سے دے بیٹھو اور ممکن ہے تَعْدِلُوْا عدول سے ہو یعنی حق کی گواہی سے عدول کرتے ہوئے خواہش نفس کی اتباع مت کرو اور اگر گواہی کو ٹالو گے یا اس سے کنارہ کرو گے تو خدا تو جانتا ہی ہے اور مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ آیت کا آخری حصہ شرعی قاضیوں کے لئے ہے کہ جب گواہی سے مقدمہ کی پوزیشن واضح ہو جائے تو مبادا تم کسی کی رعایت کرتے ہوئے دوسرے کے حق کو ٹالو یا حق کے فیصلہ سے روگردانی کرو

علامہ کاشف الغطاء اعلی اللہ مقامہٗ نے دین اسلام میں حقوق کو تین دائروں میں بند کیا ہے انسان پر اپنے نفس کے حقوق، خالق کے حقوق اور مخلوق کے حقوق - پس عدل و انصاف کے اصول کا اجراء اور اس کے قوانین کا استعمال ان کے حقوق کی معرفت پر موقوف ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس کا کلیہ مختصر لفظوں میں بیان فرمایا ہے جو نہج البلاغۃ کے بعض خطب میں مسطور ہے۔ فرماتے ہیں ① پہلا عدل کا زینہ یہ ہے کہ نفس سے خواہشات کو دور کرے حق کو بیان کرے اور خود اس پر عمل پیرا ہو پھر کسی غایت کو ترک نہ کرے اور اس کی کسی جائے توقع سے غفلت نہ کرے - پس ایسا شخص

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

تمہارے اعمال سے آگاہ ہے اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ

اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو اتاری پہلے اس سے اور جو انکار کرے

يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا

گا اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور روز قیامت کا تو تحقیق وہ بھٹک گیا گمراہی

ہی تاریکیوں میں بابصیرت دھندلکے میں بینا امور معضلہ کا فاتح اور طرق مشکلہ میں قائد ہو سکتا ہے پہلے تولے پھر بولے ورنہ خاموشی کو سلامتی سمجھے اور ایسے شخص کے حق میں فرمایا یہ اللہ کے دین کی کان اور زمین پر اس کی ایک مضبوط چٹان کی مثل ہے (ملخصاً)

منافقوں کا ذکر

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ الخ۔ اس آیت مجیدہ کے معنی میں تین قول نقل کئے گئے ہیں لیکن جس کو صاحب مجمع البیان نے صحیح قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ خطاب ان لوگوں کو ہے جو صرف زبانی طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور حقیقت ایمان سے ان کے دل ناآشنا تھے چنانچہ بعد والی آیتوں کا ارتباط بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ اس کا مصداق منافق لوگ ہیں جن کا قول نہ ان کے دل کے مطابق اور نہ عمل کے موافق ہے کیونکہ ملت اسلامیہ کو چھوڑ کر ملت کفر کو اختیار کرنا اور پھر مسلمان ہونا اور پھر کافر ہونا یہ طرز عمل قطعاً ایسے لوگوں سے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا جن کے دلوں میں ایمان راسخ ہو چکا ہو نَزَّلَ۔ تنزیل تدریجی نزول اور انزال دفعی نزول کے لئے استعمال ہوا کرتا ہے اسی لئے قرآن کے لئے نَزَّلَ اور کتب سابقہ کے لئے اَنْزَلَ کا لفظ استعمال ہوا اور تفسیر کی تیسری جلد ص۱۱ انوار علمیہ میں دوسرے نمبر پر اس مطلب کو ذکر کیا جا چکا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ۔ بعض لوگوں نے اس سے مراد یہود و نصاریٰ لئے ہیں کہ موسیٰؑ پر ایمان لائے اور پھر کافر ہوئے اور پھر عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور کافر ہوئے اور جناب رسالتمآبؐ پر ایمان نہ لانا ان کی زیادتی کفر ہے لیکن یہ معنی قطعاً بے جوڑ ہے اور اسلوب قرآنی کے خلاف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت مثل سابق کے منافقوں کے حق میں اتری جو صرف زبان پر دعویٰ ایمان رکھتے تھے اور ان کے دل کفر سے بھرپور تھے۔ تفسیر برہان اور صافی میں اہلبیت عصمت سے مروی ہے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو پہلے ایمان لائے اور جب ولایت امیرؑ کا بروز غدیر بالفاظ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهٰذَا عَلِيٌّ مَوْلَاهُ اعلان ہوا تو انکاری ہوئے پھر ظاہری بیعت کر کے اور بخ بخ کے الفاظ جاری کر کے ایمان کا اظہار کیا لیکن وفات رسولؐ کے بعد انکار پر ڈٹ گئے اور اس میں زیادتی کرتے گئے اور ایمان سے بالکل ہاتھ دھو بیٹھے۔ ایک روایت میں معصومؑ نے فرمایا اس آیت کے مصداق وہ لوگ ہیں جو شراب کی حرمت پر ایمان لائیں اور پھر پئیں اسی طرح زنا کی حرمت پر ایمان لائیں اور پھر خود زنا کریں اور زکوٰۃ کے وجوب پر ایمان لائیں لیکن ادا نہ کریں۔ بہر کیف تاویل کا دائرہ وسیع ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک

بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا

سخت ہیں تحقیق جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر زیادہ ہوئے کفر میں تو نہیں

کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ

اللہ بخشے گا ان کو اور نہ توفیق دے گا ان کو راہِ حق کی بشارت دیجئے منافقوں کو

بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ

کہ ان کے لئے عذاب دردناک ہے وہ جو بناتے ہیں کافروں کو دوست چھوڑ کر مومنوں

الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ

کو کیا چاہتے ہیں ان کے پاس عزت؟ پس تحقیق عزت اللہ کے لئے ہے سب اور تحقیق

نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُکْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا

اس نے نازل کیا تم پر کتاب میں یہ کہ جب تم سنو آیات خدا کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور اس سے تمسخر کیا جا رہا ہے

اور معصوم نے آیت کے بعض مصداق کی بطور مثال نشاندہی فرمائی ہے۔

وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ ۔ مقصد یہ ہے کہ کفر کرتے کرتے ان کے دل اس طرح سیاہ ہوگئے کہ اب وہ ایمان کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے اور گناہوں کا یہ طبعی اثر ہے کہ اگر نفس کو توبہ کی طرف رغبت نہ دلائی جائے تو سرکشی کرتے کرتے وہ اس نوبت تک پہنچ جاتا ہے کہ پھر اس میں ایمان لانے کی توفیق ہی نہیں رہتی اور اسی کیفیت کو بعض مقامات پر ختم اور طبع یعنی مہر لگانے سے تعبیر کیا ہے اور خدا کی طرف نسبت اس لئے ہوتی ہے کہ تمام قوتیں اس کی طرف سے ہی عنایت شدہ ہیں جن کی بدولت نافرمانی صدور میں آتی ہے ورنہ اعمال بد کی ذمہ داری خدا پر عائد نہیں بلکہ انسان کے سوء اختیار کا ہی نتیجہ ہوتا ہے اور تفسیر کی دوسری جلد کے اوائل میں ہم نے خَتَمَ اللّٰهُ کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے اَلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ مومن کہلا کر کافروں سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا منافقوں کی علامت ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ یہ بنی امیہ کے حق میں ہے کہ انہوں نے آپس میں قسم کھائی تھی کہ معاملہ خلافت اہلبیت کی طرف نہ جانے دیا جائے گا۔

نہی عن المنکر :- وَقَدْ نَزَّلَ ۔ تفسیر برہان میں کافی سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو حق کا انکار کرے اور اس کی تکذیب کرے اور آئمہ حق کی عیب جوئی کرے پس اس کے پاس سے اُٹھ جاؤ اور اس کے

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ

تو ان کے پاس مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ داخل ہوں کسی اور بات میں ورنہ تم بھی ان جیسے ہو جاؤ گے تحقیق

اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۝۱۴۰ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ

اللہ جمع کرنے والا ہے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں سب کو وہ جو انتظار کرتے ہیں تمہاری

بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۡ ۖ وَاِنْ كَانَ

کہ اگر حاصل ہو تمہیں فتح اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے

لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ

لئے حصہ تو انہیں کہتے ہیں کیا ہم چھا نہیں گئے تم پہ اور بچا لیا تم کو مومنوں سے

ساتھ نہ بیٹھو خواہ کوئی بھی ہو۔

نیز آپ نے فرمایا کہ خدا نے کانوں پر واجب کیا ہے کہ ایسی بات سننے سے بچیں جو اللہ نے حرام کی ہے اور اس کی منع کردہ چیزوں کی طرف توجہ کرنے سے گریز کریں چنانچہ آپ نے اسی آیتِ مجیدہ سے استشہاد پیش فرمایا۔ ہاں بھول چوک کو خدا نے مستثنا فرمایا ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے کہ اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو اور فرمایا کہ اگر تم اٹھ نہ گئے تو تم بھی ان جیسے شمار ہو گے بنا بریں غیبت کا سننا۔ جھوٹ کا سننا۔ گانا سننا۔ اور دشمنانِ دین کی مجالس میں بیٹھ کر مذہبِ حق پر تمسخر اور آئمہ حق کا شکوہ سننا سب حرام ہیں اور اس آیتِ مجیدہ کی تاویل اس قسم کی تمام باتوں کو شامل ہے۔

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۔ ورنہ تم ان جیسے ہو جاؤ گے۔ علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ آیتِ مجیدہ دلالت کرتی ہے۔ کہ نہی عن المنکر واجب ہے جب انسان قدرت رکھتا ہو اور اگر انکار پر قدرت رکھتے ہوئے انکار نہ کرے اور ان کی بات پر رضامندی سے خاموش رہے تو وہ بھی ان جیسا ہو جائے گا کیونکہ کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے یعنی نہی عن المنکر پر قدرت رکھنے کے باوجود نہی نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے نیز آیت بتلاتی ہے کہ فاسق و فاجر لوگوں سے ہم مجلس ہونا اور اہلِ بدعت کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے۔ یعنی ہر وہ مجلس جہاں لغو و باطل کی گفتگو ہو اس میں بیٹھنا حرام ہے اور اگر بیٹھے تو ناجائز باتوں سے روکنا واجب ہے اور مروی ہے کہ ایک شخص جو میدانِ کربلا میں اپنی تجارت اور خرید و فروخت کے سلسلے میں حاضر تھا اس نے خواب میں میدانِ محشر بپا دیکھا اور اپنے اوپر جنابِ رسالتمآبؐ کو ناراض دیکھا تو عرض کی حضورؐ! میں نے آپ کے اہلبیت کے ساتھ کوئی بے ادبی نہیں کی نہ تیر چلایا نہ تلوار چلائی۔ بلکہ میں تو صرف اپنے مطلب کے لئے وہاں گیا تھا۔ آپ نے فرمایا میرے اہلبیت کے مخالف فوج میں تو نے ایک فرد کا

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

پس اللہ ہی فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان بروز قیامت اور ہرگز نہیں کرتا اللہ کافروں کے لئے مومنوں کے اوپر کوئی

سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ

راہ غلبہ تحقیق منافق دھوکا کرتے ہیں اللہ سے اور وہ ان کو دھوکے کا بدلہ دیتا ہے اور جب کھڑے ہوں نماز کی

قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ

طرف تو کھڑے ہوتے ہیں بوجھل ہو کر دکھاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے اللہ کو مگر کم مذبذب ہیں درمیان

ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

میں نہ اس طرف اور نہ اس طرف اور جس کو چھوڑ دے گمراہی میں اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے اس کے لئے کوئی راستہ

اضافہ تو کیا تھا گویا تو ان کی ظاہری تعداد میں اضافہ کا موجب ہوا تو معلوم ہوا کہ دشمنانِ دین کی ظاہری تعداد کا بڑھانا اور ان کی شوکت د کثرت کا موجب بننا بھی ناپسندیدہ فعل ہے بعض نادان مومن دشمنانِ اہلبیت کی مجالس میں کھلم کھلا شرکت کرتے ہیں۔ اور اہلبیتؑ عصمت کے خلاف جس قدر کیچڑ اچھالا جائے خاموشی سے سنتے رہتے ہیں۔ انہیں خوفِ خدا کرنا چاہیے اور آیتِ مجیدہ کے فرمان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے آئندہ اس فعل سے تائب ہو جانا چاہیے۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ۔ یعنی دلیل و برہان کے لحاظ سے کافروں کو مومنوں پر غلبہ نہیں ہو سکتا ورنہ ظاہری طور پر تو کافر مومنوں کو قتل بھی کر دیا کرتے ہیں جس طرح انبیاء قتل ہوئے اور آئمہ شہید ہوئے پس اس جگہ مراد سبیل سے ہے حجّت د دلیل کا غلبہ

رکوع نمبر ۱۸

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ۔ منافقوں کا دھوکا یہ ہے کہ ظاہر میں کلمہ شہادتین زبان پر جاری کرتے ہیں اور دل میں کفار سے میل ملاپ رکھتے ہیں اور اللہ کی طرف سے دھوکے کا بدلہ یہ ہے کہ ظاہری دنیا میں ان سے مسلمانوں کا سا سلوک کیا جاتا ہے اور آخرت میں ان کے لئے کافروں کا سا عذاب ہے۔ بلکہ ان سے بھی سخت ترین۔

قَامُوْا كُسَالٰى۔ چونکہ منافق دل سے تو اسلام کو تسلیم نہیں کرتے تھے اس لئے احکامِ اسلام پر عمل کرنے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا اور بوجھل ہو کر نماز میں شامل ہوتے تھے تاکہ لوگ دیکھیں کہ ہم بھی نماز گزار ہیں تفسیر برہان میں جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ ریاکار کو بروز قیامت چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ اے کافر، اے فاجر، اے خاسر، تیرا عمل باطل اور اجر ضائع ہو چکا ہے آج تیرا کوئی حصہ نہیں پس تو اپنے عمل کی مزدوری اس سے مانگ جس کے لئے تو نے عمل کیا تھا اور آپ نے فرمایا

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ

اے ایمان والو! نہ بناؤ کافروں کو دوست چھوڑکر مومنوں کو

أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُواْ لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَٰنًا مُّبِينًا ﴿١٤٤﴾ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ فِى ٱلدَّرْكِ

کیا تم چاہتے ہو؟ کہ قائم کرو اللہ کی اپنے اوپر حجت ظاہر تحقیق منافق لوگ سب سے نچلے

ٱلْأَسْفَلِ مِنَ ٱلنَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُواْ وَأَصْلَحُواْ

طبقہ جہنم میں ہوں گے اور تو ہرگز نہ پائے گا ان کے لئے کوئی مددگار مگر جن لوگوں نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی

وَٱعْتَصَمُواْ بِٱللَّهِ وَأَخْلَصُواْ دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُوْلَٰٓئِكَ مَعَ ٱلْمُؤْمِنِينَ

اور تمسک پکڑا اللہ سے اور خالص کرلیا اپنا دین اللہ کے لئے تو ایسے لوگ ساتھ مومنوں کے ہوں گے

وَسَوْفَ يُؤْتِ ٱللَّهُ ٱلْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾

اور عنقریب دے گا اللہ مومنوں کو اجرِ عظیم

کہ ریاکاری سے بچو کیونکہ ریاکرنا شرک ہے امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ طبیعت پر بوجھ ہو سستی ہو یا اونگھ ہو تو نماز کے لئے بوجھل کھڑا ہونا منافقوں کی علامت ہیں سے ہے اور مومنوں کو اونگھ کے عالم میں نماز پڑھنے سے بھی اس نے روکا ہے

لَآ إِلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ ۔ مجمع البیان میں جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ منافقوں کی مثال مثل اس بکری کے ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان سے گذرے اور حیران ہو کہ ان میں سے کس سے ملحق ہو جاؤں پس ان لوگوں کی بھی یہی حالت ہے ایمان اور کفر کے درمیان حیران ہیں کہ کس کو اختیار کریں لہذا نہ اس طرف ہیں اور نہ اُس طرف ہیں۔

إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ ۔ یعنی منافقوں کا عذاب تمام جہنمیوں کے عذاب سے سخت تر ہوگا اور جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور اصطلاح میں درجاتِ جنت کو طبقات کہا جاتا ہے اور درجاتِ جہنم کو درکات کہا جاتا ہے اور جس طرح جنت کے درجات بعض بعض سے بلند ہیں اسی طرح جہنم کے درکات بعض بعض سے پستی کی طرف جاتے ہیں اور منافقین سب سے نچلے حصہ میں ہوں گے اور عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ منافق لوہے کے صندوق میں بند کر کے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے ۔ قرآن مجید کی یہ آیت صاف اعلان کر رہی ہے۔ کہ عام کافر کے عذاب سے منافق کا عذاب سخت تر ہوگا ۔ ہاں البتہ جو منافق توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کر کے راہ راست پر آجائیں تو وہ مومنوں کے زمرہ میں شامل ہو جائیں گے اور مومنوں کی طرح اجرِ عظیم کے سزاوار ہوں گے۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا

کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب دے کر اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ اور ہے اللہ شکر کی جزا دینے

عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ ع

والا جاننے والا

مَا يَفْعَلُ۔ کسی کو سزا دینے کے لئے عام طور پر محرک تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) غصہ ٹھنڈا کرنا (۲) ضرر کو رفع کرنا کہ دشمن کو مار کر اطمینان ہوگا اور ضرر یا اس کی جانب سے خطرہ نہ رہے گا (۳) نفع حاصل کرنا اور خداوند کریم ان چیزوں سے پاک و مبرا ہے۔ نہ اسے غصہ ٹھنڈا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ حالت ممکنات کا خاصہ ہے اور ذاتِ باری اس قسم کے انقلابی و تغیراتی حالات سے پاک و منزہ ہے اور نہ اسے کسی سے ضرر کا خطرہ ہے اور نیز نہ اس کو منفعت کی چاہت ہے بلکہ تمام موجودات اس کی ملک ہیں لہٰذا جب یہ محرک موجود ہی نہیں تو پھر کسی کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ یعنی اس کو عذاب دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

انسان کے اپنے اعمال اپنے طبعی خواص کی بدولت خود عذاب بن جاتے ہیں۔ جس طرح ظاہری طور پر اگر کوئی انسان ضرر رساں چیز کھالے تو اس نے طبعی طور پر خواہ مخواہ اسے تکلیف دینی ہے اسی طرح انسانی اعمال میں سے بعض روح انسانی کے لئے ضرر رساں اور بعض زہریلے ہیں۔ جنہوں نے انسان کو دائمی عذاب میں ڈالنا ہے اور خدا اس قسم کے اعمال کے ارتکاب سے منع فرماتا ہے پس وہ کسی کو عذاب میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن جو انسان خواہ مخواہ ایسے افعال کا مرتکب ہو جس کا انجام جہنم ہے تو خود کردہ را علاجے نیست۔

پارہ ۶

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا

نہیں پسند کرتا اللہ اعلانیہ کرنا بُری بات مگر جو مظلوم ہو اور ہے اللہ سُننے

عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا

جاننے والا اگر تم ظاہر کرو اچھائی یا پوشیدہ کرو یا درگذر کرو کسی برائی سے تو تحقیق اللہ ہے درگذر کرنے والا

قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ

قدرت والا تحقیق جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں تفریق

رکوع نمبر ۱

غیبت سے ممانعت :- لَا يُحِبُّ اللّٰهُ ۔ یعنی خداوندکریم نہیں پسند کرتا کہ کوئی انسان کسی انسان کی برائی کرے۔ ہاں جس شخص پر ظلم کیا جائے تو وہ حق رکھتا ہے کہ ظالم کی اس برائی کو بیان کرے کہ فلاں نے مثلاً مجھ پر ظلم کیا ہے یعنی فقط وہی برائی بیان کرے جس کا اس سے تعلق ہے اس کے علاوہ اگر اس میں کوئی اور برائیاں بھی ہوں تو ان کے ظاہر کرنے کا اس کو حق نہیں بشرطیکہ وہ ان برائیوں میں معلن بالفسق نہ ہو چکا ہو۔ بعض روایات میں معصومین سے وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور وہ اس کی مہمان نوازی اچھی نہ کرے تو مہمان کو اس کے بُرے برتاؤ کے اظہار کا حق حاصل ہے گویا مہمان سے بدسلوکی بھی اس پر ایک قسم کا ظلم ہے جس کے اظہار کا وہ حق رکھتا ہے اور اس بارے میں اس کو غیبت کا گناہ نہ ہوگا یہ آیت مجیدہ غیبت یعنی گلہ گوئی سے منع کر رہی ہے اور کسی مومن کا گلہ کرنا ایسا ہے جس طرح کہ اس نے اس کا گوشت کھایا ہو۔ خداوندکریم تمام مومنین کو اس مرض سے محفوظ رکھے۔ مظلوم کے لئے اگرچہ اجازت ہے کہ وہ اپنا ظلم بیان کرکے ظالم کی برائی کا اعلان کر سکتا ہے تاکہ اس کی دادرسی ہو لیکن بعد میں فرماتا ہے کہ اگر تم بجائے برائی ظاہر کرنے کے اچھی بات ظاہر کرو یا بالکل صبر کرکے اسے دبا دو اور پی جاؤ یا اس کی برائی سے درگذر کرلو تو اللہ بھی درگذر کرنے والا ہے یعنی اس قسم کی تمہاری بہت سی کوتاہیوں کو وہ بھی معاف کر دے گا یعنی اس موقع پر بھی خدا کو درگذر ہی بھاتا ہے اہلِ ایمان کی باہمی شیرازہ بندی اور آپس میں اتحاد و یگانگت کے بقاء و استحکام کے لئے پھوٹ اور نفاق کی جڑ کو کاٹ دیا تاکہ باہمی شکر رنجیوں کا پوری طرح سدباب ہو جائے اور کسی وقت بھی مومن کی مومن سے دست و گریبان ہونے کی نوبت نہ آئے اور اس میں شک نہیں کہ عیب جوئی ہی فتنہ و فساد کی پہلی جڑ ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے بدظنی کا دروازہ کھل جاتا ہے اور حسن ظن کا راستہ بند ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں باہمی محبت منافقت کا روپ دھار لیتی ہے۔ اس کے برعکس اگر عیب جوئی اور گلہ گوئی ختم ہو جائے تو حسن ظن عام ہوگا اور بدظنی مفقود ہوگی پس باہمی محبت اپنے اصلی رنگ میں ہوگی اور اہل ایمان پر امن اور سلامتی کا پرچم لہرانے لگے گا جو اپنی حقیقی قوت جذب سے

اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا

درمیان اللہ اور اس کے رسولوں کے اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان رکھتے ہیں بعض پر اور کفر کرتے ہیں بعض کا اور چاہتے ہیں کہ پکڑیں

بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

درمیان اس کے کوئی راستہ ایسے لوگ کافر ہیں سچ مچ اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لئے

مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ

عذاب رسواکن اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ تفریق کی درمیان کسی کے ان میں سے تو ایسے

سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع

لوگ عنقریب دے گا ان کو اجر اور ہے اللہ غفورٌ رحیم

اقوامِ عالم کے قلوب کو اپنی طرف جھکائے گا اور ایمان واسلام کو فتح نصیب ہوگی۔

سبحان اللہ یہ مکارم اخلاق کا کیسا بہترین درس ہے کہ خدا مخلوق کے عیوب کا اعلان پسند نہیں فرماتا۔ ہاں جو شخص اپنا پردہ خود فاش کردے اور اعلانیہ فاسق ہو جائے تو اس کی غیبت کرنا کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس میں نہ کوئی بدظنی کا مقام ہے اور نہ فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے چنانچہ احادیث اس بارے میں صریح ہیں کہ فاسق کی کوئی غیبت نہیں ہے۔

اَنْ يُّفَرِّقُوْا ۔ تفریق کا مقصد یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ نے جس طرح کیا یہود موسیٰؑ پر ایمان لائے اور عیسیٰؑ کا انکار کیا اور نصاریٰ عیسیٰؑ پر ایمان لائے اور جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا انکار کیا اور جو بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے کسی ایک کا انکار کرے وہ ایسا ہے گویا اس نے سب نبیوں کا انکار کیا اور گویا وہ اللہ کا بھی منکر ہے اور تمام انبیاء کا بھی منکر ہے اور مومن وہ ہوگا جو سب پر ایمان لائے

تفہیم وتلقین کتاب معانی سے بروایت ابن عباس مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا لوگو! جس نے علیؑ کو چھوڑ کر کسی اور کو امام بنایا گویا اس نے میری نبوت سے اعراض کر کے کسی اور کو نبی مانا گویا اس نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو رب مانا اور عقائدِ صدوق سے مروی ہے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جو شخص میری مسند کے معاملہ میں علیؑ پر ظلم کرے (میرے بعد علیؑ سے میرا منبر غصب کرے) تو اس نے گویا میری اور تمام سابق انبیاء کی نبوت کا انکار کیا اور جو ظالم سے دوستی رکھے وہ بھی ظالم ہوا کرتا ہے ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا اے علیؑ تو اور تیری اولاد سے ہونے سے والے آئمہ مخلوق پر اللہ کے خلیفے اور زمین پر اس کے اعلام ہیں جس نے ان میں سے کسی ایک کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا اور جس نے ان میں کسی ایک کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے تمہاری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اس مضمون کی احادیث بکثرت ہیں بلکہ متواتر ہیں۔ اور ہم نے مقدمہ تفسیر میں باب مقبولیت اعمال، باب احباط وشفاعت اور باب ولاء آل محمدؐ میں بہت کچھ حدیثیں باحوالہ جات نقل کی ہیں اور ان تمام احادیث

يَسْـَٔلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَأَلُوا

سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ تو اتارے ان پر ایک کتاب آسمان سے تو تحقیق انہوں نے

مُوسٰۤى أَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوۤا أَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ

حضرت موسیٰؑ سے سوال کیا اس سے بھی بڑا کہ اس کو کہا ہمیں دکھا خدا بظاہر تو پکڑ لیا ان کو بجلی نے بوجہ ان کے

بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ

ظلم کے پھر پوجا انہوں نے بچھڑے کو بعد اس کے کہ آچکیں ان کے پاس واضح دلیلیں پھر ہم نے درگزر کیا

ذٰلِكَ وَاٰتَيْنَا مُوسٰى سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ

ان سے اور عطا کیا ہم نے غلبہ موسیٰ کو غلبہ ظاہر اور بلند کیا ان پر کوہ طور کو بوجہ ان کے وعدہ کے اور

قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا

ہم نے ان کو کہا کہ داخل ہو دروازہ سے سجدہ کرتے ہوئے اور کہا ان کو کہ نہ تجاوز کرو بروز سنیچر اور لیا ہم نے

کا مقصد یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور اس کی اولاد امجاد کی امامت کا منکر ایسا ہے جیسا کہ منکر نبوت اور خداوند کریم فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرے وہ سچ مچ کافر ہے اور اس کے لئے عذاب رسواکن ہے اور جب اہلبیت کی ولا کا منکر جناب رسالتمآبؐ کی نبوت کا منکر ہے اور آپ کی نبوت کا انکار گویا تمام انبیاء کے انکار کے برابر ہے اور چونکہ خدا اور نبیوں میں تفریق نہیں ہو سکتی تو گویا وہ خدا کی توحید کا منکر ہے پس اس کے کفر میں شک ہی نہیں۔ ہاں مومن وہ ہے جو اللہ و رسولؐ پر ایمان لائے اور خدا اور اس کے انبیاء میں تفریق نہ کرتا ہو وہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ ولایت آل محمدؐ کا اقرار کرے کیونکہ ان کی ولا کے بغیر اقرار نبوت بے کار ہے جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

رکوع نمبر ۲

يَسْـَٔلُكَ ۔ مروی ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے عرض کی تھی کہ اگر آپ برحق پیغمبر ہیں تو ایک ہی دفعہ آپ کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آجائے جس طرح کہ حضرت موسیٰ پر تورات آئی تھی۔ تو خداوند کریم ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ حضرت موسیٰؑ سے اس سے بھی زیادہ سوال کرتے تھے چنانچہ انہوں نے خدا کے دیکھنے کی خواہش بھی کی تھی بہرکیف یہ لوگ تسلیم کیلئے نہیں بلکہ صرف اعتراض کیلئے ہی اس قسم کی باتیں بناتے ہیں اس کی پرواہ نہ کیجئے۔

بِمِيْثَاقِهِمْ ۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تورات پر ضرور عمل کریں گے لیکن جب وہ تورات لائے تو

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ

ان سے پکا وعدہ پس بوجہ توڑنے ان کے اپنے وعدہ کو اور کفر کرنے کے ساتھ آیات خدا کے اور

قَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

قتل کرنے کے نبیوں کو ناحق اور ان کا کہنا کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان پر بوجہ ان کے کفر کے

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

پس نہیں ایمان لاتے مگر کم اور بوجہ ان کے کفر کے اور بہتان لگانے کے مریم پر بہتان عظیم

انہوں نے انکار کر دیا پس ان کے اوپر کوہ طور بلند کیا گیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ اب یہ ہمارے اوپر گرنے والا ہے تو پھر مان لیا اور کہا کہ ہم عمل کریں گے چنانچہ تفسیر کی دوسری جلد صا۱۴ پر یہ واقعہ گذر چکا ہے۔

تنبیہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور بدعنوانیوں کی طویل فہرست تفسیر کی دوسری جلد ص۵۵ پر ملاحظہ ہو اس جلد میں ان واقعات کی حسب ضرورت آیات متعلقہ کے ماتحت تفصیل بیان کی جا چکی ہے لہذا یہاں دوبارہ دھرانے کی ضرورت نہیں البتہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ پر بہتان اور حضرت عیسیٰؑ کے قتل کی بے سروپا داستان اور سود خوری اور لوگوں کے اموال کو ناحق کھانا وغیرہ ان چیزوں کا وہاں ذکر نہیں ہوا تھا اور چونکہ اس قسم کی سرکشیوں کی ان میں بہتات تھی خداوند کریم جناب رسالتمآبؐ کی تسلی کے لئے ان کے واقعات کو دھراتا ہے تاکہ ان لوگوں کی عادت میں یہ چیزیں داخل ہیں لہذا آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور اپنا کام کئے جائیں۔

ترکیب نحوی :- بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ سے لے کر قَلِيْلًا تک جملہ معترضہ ہے اسی طرح وَمَا قَتَلُوْهُ سے لیکر شَهِيْدًا تک بھی جملہ معترضہ ہے اور فَبِمَا نَقْضِهِمْ میں مازائدہ ہے اور اس کے بعد وَكُفْرِهِمْ وَقَتْلِهِمْ وَقَوْلِهِمْ اس کے معطوف ہیں اور پھر وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ کا عطف بِمَا نَقْضِهِمْ پر ہے اور باحرف جر کا متعلق بقول طبری کے محذوف ہے یعنی لَعَنَّاهُمْ یعنی ان تمام کرتوتوں کے بدلہ میں ہم نے ان پر لعنت کی ہے اور زجاج کے قول کے مطابق باء کا متعلق حَرَّمْنَا ہے جو بعد میں مذکور ہے اور بنا بریں فَبِظُلْمٍ بدل ہے فَبِمَا نَقْضِهِمْ سے یعنی ان کے ان تمام ظلموں کی وجہ سے ہم نے ان پر پاکیزہ چیزیں حرام کر دیں اور زجاج کا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ حذف ماننے کی اس میں ضرورت نہیں رہتی (ملخص از مجمع البیان)

قَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ - تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہودیوں نے یوسف نامی ایک نجار کی طرف حضرت مریمؑ کے حمل کی نسبت دی تھی۔ مجمع البیان میں بروایت کلبی منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گذرے تو بعض لوگوں نے کہا کہ دیکھو جادوگرنی کا بیٹا جادوگر اور زانیہ کا بیٹا زانی آرہا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے سنا تو بارگاہ رب العزت میں عرض کی میرے پروردگار تو نے ہی مجھے خلق فرمایا ہے میں خود تو پیدا نہیں ہوا ہوں۔ جن لوگوں نے مجھے اور میری ماں کو سب کیا ہے تو ان پر

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا

اور ان کے کہنے کہ ہم نے قتل کر دیا حضرت مسیح عیسیٰ بن مریمؑ کو جو خدا کا رسولؐ تھا حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا

صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ

اور نہ سولی دیا لیکن انہیں شبہ ڈالا گیا اور تحقیق جو لوگ اختلاف کرتے ہیں اس بارے میں وہ شک میں پڑے ہیں

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾ بَلْ رَّفَعَهُ

اس کے متعلق ان کو کوئی اس کا علم نہیں سوائے ظن پرستی کے حالانکہ نہیں اس کو قتل کیا یقیناً بلکہ اس کو اٹھا لیا

اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٥٨﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ

ہے اللہ نے اپنی طرف اور اللہ غالب دانا ہے اور کوئی اہل کتاب سے نہ ہو گا مگر یہ کہ ایمان لائے گا

لعنت بھیج۔ پس وہ خنزیر ہو گئے۔

حیاتِ مسیح :- وَقَوْلِهِمْ - ان آیات میں حضرت مسیحؑ کی حیات کا کھلے لفظوں میں اعلان ہے اور جن لوگوں نے ان کی موت کا پروپیگنڈہ کیا ان کی شدید مذمت ہے۔ مجمع البیان میں ہے جب حضرت عیسیٰ کی بددعا سے سب کرنے والے خنزیر کی شکل میں مسخ ہوئے۔ راس الیہود کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں میرے حق میں بددعا نہ کر دے تو اس نے یہودیوں کو جمع کیا اور قتل کا پروگرام مرتب کر کے حضرت عیسیٰؑ کے پاس پہنچے خداوندکریم نے جبرئیلؑ کو حفاظت کے لئے مقرر کر دیا جب حضرت عیسیٰؑ نے یہودیوں کے بعض عقائد کی تردید فرمائی تو وہ قتل پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت عیسیٰؑ کو ایک کمرہ میں داخل کر دیا جس کی چھت میں ایک روشن دان تھا اور اس سے اس کو آسمان پر لے جایا گیا۔ راس الیہود نے اپنے ایک ہمراہی طیطانوس کو اندر بھیجا تو خدا نے اس پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ ڈال دی اور باہر نکلا تو اسے یہودیوں نے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر ڈالا۔ کہتے ہیں کہ صرف منہ پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ تھی باقی جسم ویسے کا ویسا تھا۔ چنانچہ بعد میں یہ راز منکشف ہو گیا لیکن اشتباہ ان کا رفع نہ ہوا اور کہتے تھے اگر یہ طیطانوس ہے تو عیسیٰؑ کہاں ہے اور اگر یہ عیسیٰؑ ہے۔ تو طیطانوس کہاں گیا؟

اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کے ہمراہ سات حواری تھے۔ جب یہودیوں نے ان کا احاطہ کیا تو خدا نے ان سب پر حضرت عیسیٰؑ کی شبہ ڈال دی۔ یہودیوں نے کہا تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے تم میں سے جو عیسیٰؑ ہے سامنے آئے ورنہ ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ پس حضرت نے فرمایا کہ کوئی ہے جو قربانی دے تو ایک آپ کا حواری جس کا نام

بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ

اس پر قبل اس کی موت کے اور بروز محشر وہ ان پر گواہ ہوگا پس بوجہ ظلم کے جو یہودی ہیں

هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حرام کردیں ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان پر اور بوجہ روکنے ان کے راہ خدا

كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

سے بہت اور لینے ان کے سود حالانکہ اس سے ان کو روکا گیا تھا اور کھانے اُن کے لوگوں کے مال ناجائز اور تیار کیا

وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ

ہم نے کافروں کے لئے عذاب دردناک لیکن وہ لوگ جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے

سر جس تھا آگے بڑھا اور یہودیوں نے اسے قتل کر دیا اور خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو اٹھالیا اور بعض کہتے ہیں کہ جب یہودی حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنے کے لئے آئے تو چونکہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو اٹھالیا تھا لہذا وہ مایوس ہوئے اور خیال کیا کہ اگر یہودی اس معجزہ سے مطلع ہوئے تو وہ سب کے سب ان پر ایمان لائیں گے۔ لہذا انہوں نے ایک عام شخص کو قتل کرکے ایک بلند مقام پر سولی پر لٹکا دیا اور اس کے قریب کسی کو نہ جانے دیا اور مشہور یہ کر دیا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو قتل کر دیا ہے اور مروی ہے کہ جب یہودی لوگ حضرت عیسیٰؑ کی تلاش میں نکلے تھے تو حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے ایک شخص یودس نامی جو منافق تھا نے تیس درہم ان سے لے کر حضرت عیسیٰؑ کے مکان کی نشاندہی کی تھی اور پھر خدا نے اس پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی تھی اور جب یہودیوں نے اسے پکڑا تو یہ کہتا رہا کہ میں تو وہ ہوں جس نے تمہیں عیسیٰ کے مکان کی نشاندہی کی تھی۔ میں خود عیسیٰؑ نہیں ہوں لیکن انہوں نے نہ مانا اور اسے قتل کرکے سولی پہ لٹکا دیا۔

ہم نے تفسیر کی تیسری جلد میں ص۲۴۲ تا ص۲۴۶ حیاتِ مسیح پر مفصل بحث کی ہے اور قرآن مجید واضح اور غیر مبہم الفاظ میں حیاتِ مسیحؑ کا اعلان فرما رہا ہے اور جو لوگ ان کی موت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ان کو اتباعِ ظن اور شک کی طرف نسبت دے کر ان کی مذمت فرما رہا ہے اور چونکہ یہود و نصاریٰ کی خبریں سب وہم و شک پر مبنی ہیں کیونکہ یہودی خود تو حضرت عیسیٰؑ کو پہچانتے نہیں تھے پس بس مشتبہ شخص کو قتل کیا ان کو کہا گیا کہ یہی عیسیٰؑ ہے پس انہوں نے مشہور کر دیا اور عیسائیوں کو بھی اسی مشتبہ شخص کے قتل سے حضرت عیسیٰؑ کے قتل و صلب کا اشتباہ ہوا لہذا ان کی متواتر خبریں اعتبار سے ساقط ہیں اور خدا کا غیر مبہم اعلان ثابت کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ حجاج بن یوسف نے اسی آیت کے متعلق پوچھا تو راوی حدیث کہتا ہے

وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ

اور ایماندار لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتاری گئی آپ پر اور جو اتاری گئی آپ سے پہلے اور خصوصًا وہ جو قائم کرتے ہیں نماز

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع

اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور ایمان رکھنے والے ہیں اللہ اور روز قیامت پر ایسے لوگوں کو دیں گے ہم اجر عظیم

میں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام قیامت سے پہلے زمین پر اُتریں گے اور کوئی ملت خواہ یہودی ہوں یا نصرانی باقی نہ رہے گی مگر یہ کہ اُن پر ایمان لائے گی اور وہ خود حضرت مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حجاج نے پوچھا کہ تُو نے یہ کہاں سے سُنا ہے کہتا ہے میں نے کہا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے میں نے ایسا ہی سُنا ہے

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر شخص موت سے پہلے ایمان لاتا ہے لیکن اس وقت کا ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہوتا۔ جیسے کہ فرعون کا ایمان اور اسی مضمون کی روایات آئمہ سے بھی مروی ہیں مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی مروی ہے کہ بنی فاطمہ میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوتا جو موت سے پہلے اپنے امام کی امامت کا اقرار نہ کرے ایک روایت میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کسی دین کا کوئی آدمی نہیں مرتا مگر یہ کہ وہ آخری وقت جناب رسالتمآبؐ اور حضرت امیر المومنینؑ کو دیکھتا ہے (صافی و برہان)

اور اسی بنا پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حارث ہمدانی کو فرمایا

يَا حَارِ هَمْدَانَ مَنْ يَمُتْ يَرَنِيْ   مِنْ مُؤْمِنٍ اَوْ مُنَافِقٍ قُبُلًا

يَعْرِفُنِيْ طَرْفُهٗ وَاَعْرِفُهٗ   بِعَيْنِهٖ وَاِسْمِهٖ وَمَا فَعَلَا

فَبِظُلْمٍ۔ یعنی بنی اسرائیل کی سرکشیوں کی بدولت بطور سزا کے خدا نے ان پر بعض چیزیں حرام کی تھیں مثلاً گائیوں اور بکریوں وغیرہ کا گوشت چنانچہ بعد میں آئے گا اور اس آیت مجیدہ سے استشہاد کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایک شخص زمین میں گندم کاشت کرے اور پھر اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اور پھر اس کی گندم میں جو کی آمیزش زیادہ ہو جائے تو اس کے اس ظلم کا نتیجہ ہے (یعنی زکوٰۃ نہ ادا کرنے کا) ملخص

وَاَكْلِهِمُ۔ باطل سے مال کھانے کا مطلب یہ ہے کہ رشوت لیتے تھے اور تورات میں امراء طبقہ کی مرضی کے مطابق اپنی طرف سے عبارتیں بڑھا کر ان کی خوشامدیں کر کے رقم وصول کرتے تھے و علی ہذا القیاس۔ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ۔ بعض کہتے ہیں کہ حالت جر میں ہے اور اس کا عطف ما پر ہے اور ترجمہ یہ ہوگا کہ ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرنے والوں پر اور نماز قائم کرنے والوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ منصوب علی المدح ہے اور اس صورت میں ترجمہ وہی ہوگا جو تحت اللفظ میں موجود ہے اور بعضوں نے اور ترکیبیں بھی کی ہیں اور ابن مسعود کی قرأت میں اَلْمُقِيْمُوْنَ کہا گیا ہے لیکن یہ قرأت بالکل شاذ ہے۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ

ہم نے وحی کی آپ پر جس طرح ہم نے وحی کی نوح اور دوسرے نبیوں پہ جو اس کے بعد تھے اور وحی کی ہم نے

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَ

ابراہیمؑ اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد اور عیسٰیؑ اور ایوبؑ اور

يُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ

یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمان پر اور عطا کی ہم نے داؤد کو زبور اور کتنے رسول جن کا قصہ تمہیں

عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾

اس سے پہلے سُنایا اور کتنے رسول ہم نے ان کا قصہ تمہیں نہیں سنایا اور کلام کیا اللہ نے حضرت موسٰی سے کلام کرنا

رکوع نمبر ۳

انبیاء کا ذکر - إِنَّا أَوْحَيْنَا - ایک طرف تو اہلِ کتاب کے استعجاب کو رفع فرما رہا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ کی طرف وحی کا سلسلہ اجنبی چیز نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جس طرح گذشتہ تمام انبیاء کی طرف جاری رہا - اور دوسری طرف اس استعمال میں جناب رسالتمآبؐ کی عظمت شان کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام گذشتہ انبیاء کی طرف جو کچھ وحی ہوئی وہ سب تنہا حضورؐ کی وحی کے مقابلہ میں ہے اور اسی بناء پہ بروایت عیاشی صادقین علیہما السلام سے مروی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ کے لئے تمام نبیوں کی وحی کو ثابت فرمایا - پس جو کچھ سابق انبیاء کو عطا فرمایا وہ سب کا سب حضورؐ کو عطا فرمایا چنانچہ حدیث نبوی میں ہے کہ طوال بدلے تورات کے مئین بدلے انجیل کے اور مثانی بدلے زبور کے مجھے عطا ہوئیں اور ۶۸ سورتیں مفصلات مجھے ان سے زیادہ عطا ہوئیں -

إِلَىٰ نُوحٍ - حضرت نوحؑ کو سب سے پہلے ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام نبیوں سے عمر میں بڑے تھے (اسی لئے ان کا لقب شیخ المرسلین) اور ان کا معجزہ تھا کہ باوجود ایک ہزار پچاس برس کی تبلیغی عمر کے نہ ان کا کوئی دانت گرا اور نہ قوت میں کمزوری لاحق ہوئی اور نہ سفید بال ہوئے اور نہ کسی نبی نے اپنی قوم کے اس قدر مظالم سہے جس قدر انہوں نے سہے اور یہ پہلا نبی ہے کہ جس کی اُمت اس کی نافرمانی کی وجہ سے موردِ عذاب ہوئی (ملخص از مجمع البیان)

وَالنَّبِيِّينَ - مجملاً تمام نبیوں کا ذکر کر کے پھر تفصیلاً ہر ایک کا نام لینا ان کی عظمت شان کو ظاہر کرنے اور ان کی اہمیت جتلانے کے لئے ہے -

كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ - کلام خداوندی کی حقیقت کے متعلق تفسیر کی تیسری جلد ص۱۳۲ و ص۱۳۳ پر بحث کی گئی ہے جس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں - تفسیر صافی میں خصال سے مروی ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا - خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار

رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ

کتنے رسول خوش خبری اور ڈر سنانے والے تاکہ نہ ہو لوگوں کی اوپر اللہ کے حجت بعد رسولوں کے

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾ لَّٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَ

اور ہے اللہ غالب حکمت والا لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس کی جو آپ پر اتاری ہے (کیونکہ) اس نے اپنے علم سے

الْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن

اتاری ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور روکا اللہ کے راستے سے

سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۶۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ

تحقیق وہ بھٹک گئے لمبی گمراہی میں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں اللہ

کلموں کی گفتگو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین شب و روز میں کی کہ حضرت موسیٰؑ نے اس دوران میں نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا اور جب بنی اسرائیل کی طرف واپس آئے تو ان کی باتوں سے آپ کو ناراضگی محسوس ہوتی تھی کیونکہ کان لذتِ کلامِ خدا سے محظوظ ہو چکے تھے اور حضرت موسیٰؑ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمراہ لے گئے تو ان کو پہاڑ کے دامن میں کھڑا کر کے آپ اُوپر چڑھ گئے اور خدا سے کلام کا سوال کیا۔ تاکہ وہ سُنیں پس خدا نے کلام کیا اور انہوں نے اُوپر نیچے سامنے پیچھے اور دائیں بائیں اور ہر طرف سے سُنا۔ خدا نے اولاً درخت میں کلام کو پیدا کیا اور پھر اس کو پھیلایا کہ انہیں ہر طرف وجہت سے سنائی دیتا تھا۔ حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ سے خدا کا کلام بغیر اعضاء جوارح اور بغیر لب وزبان کے تھا کیونکہ ان چیزوں سے وہ پاک ہے نیز ایک سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اللہ کا کلام ایک طریقہ پر نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اس کے کئی طریقے ہیں مثلاً بعض رسولوں سے کلام ہوتا ہے بعض کے دلوں میں پیدا کرتا ہے اور بعض کو بذریعہ خواب کے نیند میں سمجھاتا ہے اور ایک صورت وحی و تنزیل کی ہے جو تلاوت کی جاتی ہے (الحدیث) ایک دفعہ یہودیوں نے جناب رسالتمآبؐ کی خدمت اقدس میں آکر عرض کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ سے افضل تھے کیونکہ خدا نے ان سے چار ہزار باتیں کیں اور آپ سے ایک بات بھی نہیں ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا مجھے حضرت موسیٰؑ سے بھی افضل چیز عطا کی گئی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا وہ ہے معراج۔

لٰكِنِ اللَّهُ۔ کہتے ہیں یہودیوں کا گروہ حضورؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا برحق رسولؐ ہوں انہوں نے ازراہِ انکار کہا کہ نہیں ہم نہیں جانتے ہیں اور نہ اس کی شہادت دیتے ہیں پس آپ کی تسلی اور جمع خاطر کیلئے یہ آیت نازل ہوئی

علیؑ اور حق

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا۔ تفسیر برہان و صافی میں کافی و عیاشی سے مروی ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ظَلَمُوا کے بعد آلِ محمدؐ کی لفظ لے کر جبرائیل اترا تھا اور مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے

لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿۱۶۸﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

بخشے گا ان کو اور نہ ہدایت کرے گا کسی راہ کی مگر راہ جہنم کی کہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں دائمی

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ

اور ہے یہ بات اللہ پر آسان اے لوگو! تحقیق آیا تمہارے پاس رسول برحق تمہارے

رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ

رب کی جانب سے پس ایمان لاؤ تمہیں اچھا ہے اور اگر کفر کرو گے تو تحقیق اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ہے

اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷۰﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ

اللہ جاننے والا حکمت والا اے اہل کتاب نہ غلو کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ پر

کفر کیا اور آلِ محمدؐ پر ان کے حق کے متعلق ظلم کیا ان کو خدا نہیں بخشے گا۔ (الحدیث)

اَلرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حق سے مراد دین ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد ولایت ہے اس کی جس کی ولایت کا حکم خدا نے دیا۔ بہرکیف حق سے مراد جو کچھ بھی ہو جناب رسالتمآب کی حدیث صحیح موجود ہے جو مسلم بین الفریقین ہے علی مع الحق والحق مع علی۔ چنانچہ علامہ نے کتب جمہور سے نقل فرمایا ہے کہ حضورؐ نے عمار کو فرمایا اے عمار میری امت میں فتنے ہوں گے اور آپس میں تلوار چلے گی اور تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی جبکہ تو حق کے ساتھ ہوگا اور حق تیرے ہمراہ ہوگا۔ کیونکہ علیؑ تجھے ہلاکت کے قریب اور ہدایت سے دور نہ کرے گا۔ اے عمار جو تلوار سے کر علیؑ کی امداد کرے اس کے دشمن کے خلاف تو بروز قیامت خدا اس کے گلے میں جنت کے موتیوں کے دو ہار ڈالے گا اور جو تلوار سے کر علیؑ کے دشمن کی امداد کرے گا اس کی گردن میں جہنم کے دو طوق ڈالے جائیں گے پس جب یہ دور چلے تو علیؑ کا دامن نہ چھوڑنا اور اگر تمام لوگ ایک طرف اور صرف علیؑ ایک طرف ہو جائے تو اس راہ پر چلنا جس پر علیؑ ہو اور تمام لوگوں کو چھوڑ دینا اے عمار علیؑ ہدایت پر رہے گا اور اس کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت اللہ کی اطاعت ہے پس آیت مجیدہ میں اگر حق سے مراد دین بھی ہو تب بھی وہی دین مراد ہوگا جو علیؑ کا دین تھا کیونکہ حق علیؑ کے ساتھ اور علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حضورؐ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهٗ حَيْثُ دَارَ۔ اے اللہ حق کو اسی طرف پھیر جس طرف علی پھرے پس معلوم ہوا کہ علیؑ سے تمسک کے بغیر حق نہیں مل سکتا۔

لَا تَغْلُوْا۔ یہودیوں نے غلو کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ پر بہتان باندھا اور نصرانیوں نے غلو کیا کہ حضرت عیسیٰؑ کو بڑھا کر خدا کا بیٹا کہہ دیا اور تین خدا مان لئے۔ باپ بیٹا اور روح القدس اس مقام پر یہود و نصاریٰ ہر دو فریقین کو حکم ہے اور ممکن ہے کہ

اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى

مگر حق بات سوائے اس کے نہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریمؑ اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ تھا جو ڈالا تھا

مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ

مریم کی طرف اور اس کا رُوح تھا پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پہ اور نہ بنو تین کے قائل باز آجاؤ اچھا کرو اپنا

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

سوائے اس کے نہیں کہ اللہ ایک معبود ہے وہ پاک ہے کہ ہو اس کا کوئی بیٹا اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۠ (۱۷۱) لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ

اور کافی ہے اللہ وکیل ہرگز نہ اپنی گھٹتی سمجھے گا مسیح کہ وہ اللہ کا عبد ہو اور نہ فرشتے

صرف نصاریٰ کو ہی مختص کر کے فرمایا ہو کہ دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف غلط باتیں منسوب نہ کرو کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام مریمؑ کا بیٹا تھا نہ بقول یہود یوسف نجار کا اور نہ بقول نصاریٰ خدا کا بیٹا تھا اور اس کا برحق رسولؐ اور اس کا کلمہ تھا مسیح۔ عیسیٰؑ اور کلمہ وغیرہ کی لفظی تحقیق تیسری جلد صـ۲۳۵ و صـ۲۳۶ پہ گذر چکی ہے لہذا اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وَرُوْحٌ مِّنْهُ حضرت عیسیٰ کی رُوح کو اس لئے کہا گیا ہے کہ چونکہ زندگی روح سے ہوا کرتی ہے اور حضرت عیسیٰؑ لوگوں کی دینی زندگی کے لئے باعث حیات تھے اس لئے وہ رُوح ہیں اور اللہ نے اپنی طرف بالخصوص اس لئے منسوب کیا ہے کہ ان کی ولادت عام طریق سے نہ تھی۔ اور یہ بلاواسطہ امر تکوینی سے پیدا ہوئے تھے اور ان کی پیدائش اسباب و وسائط سے نہ تھی اور بعض کہتے ہیں کہ رُوح کا عطف اَلْقٰهَا کے فاعل پر ہے اور مراد روح سے جبرئیل ہے اور معنی یہ ہوگا۔ حضرت عیسیٰ اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اللہ نے مریم کی طرف القا کیا اور اللہ کے رُوح یعنی جبریل نے مریمؑ کی طرف بحکم خدا القا کیا ہے۔

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ۔ نفی ولد کے لئے بطور دلیل ہے کیونکہ فرماتا ہے کہ آسمان و زمین سب اس کی ملکیت ہیں۔ اور بیٹا باپ کا مملوک نہیں ہوا کرتا۔ نیز آسمان و زمین کی چیزیں سب اس کی مخلوق ہیں اور بیٹا باپ کی مخلوق نہیں ہوا کرتا۔ پہلے نصیحت فرمائی اور بعد میں دلیل پیش کی ہے۔ تاکہ ذہن و دماغ آسانی سے قبول کر سکیں۔

رکوع نمبر ۴

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ۔ کہتے ہیں کہ نجران کا ایک وفد حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ ہمارے نبی کی عیب جوئی کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تمہارا نبی کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ عیسیٰؑ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں کون سی عیب جوئی کرتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ وہ خدا کا بندہ تھا اور اس کا رسول تھا۔ تب یہ آیت اتری جس کا مقصد یہ ہے حضرت مسیحؑ اگر آج بھی موجود ہوتے تو اپنے عبد خدا ہونے کو باعث عیب نہ سمجھتے اور نہ اُسے

الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ

جو مقرب ہیں اور جو اپنی گھٹتی سمجھے اس کی بندگی سے اور تکبر کرے تو عنقریب محشور کرے گا ان سب

جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ

کو اپنی طرف لیکن جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے پس پورا دے گا ان کو ان کا اجر اور زیادہ دے گا

مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا

اپنے فضل سے اور جن لوگوں نے اپنی گھٹتی سمجھی اور تکبر کیا تو ان کو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ

يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ

پائیں گے وہ اپنے لئے اللہ کے بغیر کوئی ولی اور نہ کوئی مددگار اے لوگو! تحقیق آچکی

بُرا مناتے اور اسی طرح ملائکہ مقربین بھی اللہ کی عبدیت کو باعثِ عیب اور برا نہیں سمجھتے۔ چونکہ عیسائی باپ بیٹا اور روح القدس کے قائل تھے تو خداوندکریم نے پہلے اپنی توحید کو بیان فرمایا اور حضرت عیسیٰؑ کے بیٹے ہونے کی صریح اور کھلے الفاظ میں نفی فرما کر ان کو اپنا مملوک و مخلوق قرار دیا اور اس آیت میں تمام ملائکہ کو اپنا عبد کہہ کر روح القدس کو اس ضمن میں دائرہ عبدیت میں ظاہر کیا مقصد یہ ہے کہ جس طرح عیسیٰؑ عبد ہے اسی طرح ملائکہ بھی عبد ہیں جن میں روح القدس بھی داخل ہے اور نہ عیسیٰؑ کو اس کی عبدیت سے انکار ہے اور نہ روح القدس بلکہ سارے فرشتوں کو اس کی عبدیت سے کچھ انکار ہے اور خداوہ ہے جس کی عبادت کو یہ پاک مخلوق اپنا فریضہ سمجھتی ہے اور اس کی عبدیت کو باعثِ فخر قرار دیتی ہے۔ مذہب امامیہ کے عقیدہ سے انبیاء تمام ملائکہ کرام سے افضل ہیں اور آیت مجیدہ میں ملائکہ کو مسیحؑ کے بعد ذکر کرنے سے ملائکہ کی افضلیت لازم نہیں آتی جس طرح کہ عام کلام میں ایسے مواقع پر افضل کو بعد میں ذکر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں فلاں میرا غلام ہے بلکہ اس کا باپ بھی میرا غلام ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں مسیحؑ اور ملائکہ کی عبدیت کو خدا نہیں بیان کر رہا بلکہ مسیح اور ملائکہ کے استنکاف کی نفی کر رہا ہے اور اس کا تعلق ہے معرفت کی بلندی و پستی سے اور ظاہر ہے کہ بلند معرفت والے افراد سے استنکاف کی نفی فردِ جلی ہے اور کم معرفت والوں سے اس کی نفی فردِ خفی ہے۔ جیسے عالم کے استنکاف کی نفی کی بہ نسبت ایک جاہل کے استنکاف کی نفی زیادہ وقعت رکھتی ہے اور صاحبِ کمال کے کمال کو زیادہ اجاگر کرتی ہے۔ یہاں بھی خدا اپنی معبودیت کے اجلیٰ و اظہر ہونے کو پیش فرما رہا ہے کہ اس کی معبودیت کا پہلو اس قدر واضح ہے کہ بلند مرتبہ عارفین مثلاً انبیاء اور حضور یا حضرت عیسیٰ جو اولوالعزم پیغمبر ہیں یہ تو بجائے خود جو ان سے کم مرتبہ والے ہیں اس کی عبادت اور الوہیت کے وہ بھی

جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

تمہارے پاس برہان اپنے رب سے اور نازل کیا ہم نے تمہاری طرف نور مبین پس جو لوگ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ

ایمان لائے اللہ پر اور تمسک پکڑا اس سے تو عنقریب داخل کرے گا اپنی رحمت اور فضل میں اور ان کو توفیق ہدایت

اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌ

دے گا اپنی طرف راہِ مستقیم کی فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ سے فرما دیجئے اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کلالہ کے متعلق اگر کوئی شخص

معترف ہیں اور اس کو عیب نہیں سمجھتے اس توجیہہ کی بناء پر معنی بھی بالکل واضح ہے اور عقائد حقہ کے خلاف بھی کوئی بات لازم نہیں آتی پس اشکال مذکور کے رفع کے لئے علامہ طبرسی نے جن تکلفات کو پیش فرمایا ہے۔ ان کی ضرورت نہیں۔

نور اور برہان

يَاَيُّهَا النَّاسُ ۔ آیتِ مجیدہ میں برہان سے مراد جناب رسالتمآبؐ ہیں کہ ان کے معجزاتِ قاہرہ اور علاماتِ باہرہ دینِ اسلام کی حقانیت کے لئے برہان کی حیثیت سے تھے اور بعض لوگوں نے برہان سے مراد قرآن مجید لیا ہے اور نُوْرًا مُّبِيْنًا کے مصداق میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے تو ان کے نزدیک برہان سے مراد پھر حضور رسالتمآبؐ ہی ہونگے اور اگر برہان سے مراد قرآن ہو تو نور مبین سے مراد پھر رسالتمآبؐ کو ماننا پڑے گا اور اکثر مفسرین اسی پر ہیں کہ برہان سے جناب رسالتمآبؐ اور نور مبین سے قرآن مراد ہیں تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ برہان سے مراد حضرت محمد اور نور سے مراد حضرت علیؑ ہے اور صراطِ مستقیم سے بھی علیؑ ہی مراد ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ نور سے مراد امامت حضرت امیرؑ ہے اور اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ اس آیتِ مجیدہ کے مصداق وہ لوگ ہیں جو حضرت علیؑ اور باقی آئمہ معصومینؑ کی امامت سے تمسک رکھتے ہیں اور اگر عامہ مفسرین کی تفسیر کو لیا جائے کہ برہان سے مراد جناب رسول خدا اور نور سے مراد قرآن تو چونکہ خطاب تمام لوگوں کے لئے ہے اور قرآن و اسلام قیامت تک کے لئے ہیں تو آیتِ مجیدہ کا خطاب قیامت تک کی آنے والی نسلوں سے بالعموم ہوگا پس جس طرح نور مبین سے مراد قرآن ہے اور وہ قیامت تک زندہ ہے تو برہان سے مراد بھی وہ شخصیت ہوگی جو تا قیامت قرآن کے ساتھ ہو تاکہ تا قیامت تمام لوگوں کیلئے خطاب درست ہو اور اس مطلب کو حدیث ثقلین جو متواتر بین الفریقین ہے۔ واضح کر رہی ہے اور مقصد یہ ہوگا کہ برہان سے مراد ہادی ہے جو ہر دور میں قرآن کے مطالب سمجھتا ہو اور لوگوں تک پہنچاتا ہو۔ پس دور نبوی میں برہان کا مصداق خود رسالتمآبؐ تھے اور ان کے بعد ان کی عترتِ طاہرہ جیسے خود صاف طور پر فرما گئے۔ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ (الحدیث) اور اگر برہان سے مراد قرآن اور نور سے مراد رسول ہو تو نور کے سلسلہ کو

هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا

مرجائے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے نصف ہے ترکہ کا اور یہ اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہوگی

وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ

پس اگر ہوں دو بہنیں تو ان کے لئے دو تہائی ترکہ ہوگا اور اگر ہوں بھائی مرد اور عورتیں تو مرد کو مثل حصے دو عورتوں کے

مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (۱۷۶)

خدا بیان کرتا ہے تمہارے لئے کہ گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے

قیامت تک لانا پڑے گا اور ماننا پڑے گا کہ ہر زمانہ میں اس نور کا ایک فرد موجود ہوا کرتا ہے تاکہ قیامت تک کے لوگوں کو ان دونوں سے تمسک کا حکم دیا جاسکے اور دورِ حاضر میں اس نور کا مصداق حضرت ولی عصر امام زماں ہے جو پردۂ غیب میں ہے عج اللہ فرجہ۔

فِي الْكَلٰلَةِ ۔ کلالہ کا معنی گذر چکا ہے اس مقام پر کلالہ سے مراد مادری و پدری بہنیں ہیں اور انہیں کی وراثت کا بیان ہو رہا ہے اور پہلی جگہ کلالہ سے مراد قرآن مجید میں صرف مادری برادری تھی اور ان کے حقوق کا ذکر تھا ۔ میت کی صرف ایک مادری پدری بہن ہو تو جائداد کا ½ حصہ بطور فرض کے اور اگر اس طبقہ میں دوسرا وارث کوئی نہ ہو تو باقی بطور رد بحق قرابت لے گی اور اگر دو یا زیادہ بہنیں ہوں گی تو ان کو ⅔ حصہ دیا جائے گا بالفرض اور اگر اس طبقہ میں دوسرا کوئی وارث نہ ہوا تو باقی رد بحق قرابت ان کو ملے گا اور بھائی بہنیں سب ہوں تو مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہوگا۔

بھائی بہنوں کے وراثت کے حقوق اور حسبِ ضرورت اس بارہ میں تفصیلی مسائل اسی جلد میں پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

آج بحمد اللہ بروز سوموار پونے پانچ بجے شام ۹ رجب ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۶۱ء سورۂ نساء کی تفسیر سے فارغ ہوا ہوں اے پروردگار! بحق محمد و آلہ الاطہار مجھے اپنی پاک کتاب کی تفسیر پر موفق فرما اور اس سلسلہ میں حائل شدہ جانی و مالی تمام مشکلات کو دُور فرما ۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علی محمد وآلہ الطاھرین۔

(اس کے بعد پانچویں جلد انشاء اللہ سورۂ مائدہ سے شروع ہوگی)

(محمد شفیق خوش نویس سرگودھا)